# بے بدن

ایم۔اے راحت



مقبول اکیڈمی سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور

پورے ڈھائی سال میں بے کار رہا تھا اگر چند دوستوں کی رفاقت نہ ہوتی تو بلاشبہ سڑکوں پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاتا لیکن بس چند ساتھی ایسے مل گئے تھے جو کبھی کبھی رحم کر دیا کرتے تھے، نوکری کی کوششیں چاروں طرف ہو رہی تھیں لیکن صاحب نوکری بھی کوئی محبوب ہے جو آسانی سے مل جائے ہر جگہ کوشش کر لی لیکن اس بار تو تقدیر میں ناکامی ہی تھی حالانکہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ زندگی پر کوئی بڑا بوجھ یا کوئی ذمے داری نہیں تھی لیکن بے کار انسان کا زندہ رہنا ہی مشکل ہے اور پھر مجھ جیسا شخص جس کی پشت پر کچھ بھی نہ تھا جوانی کے تقاضے احمقانہ حیثیت رکھتے ہیں۔ اپنے بے شمار دوستوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا تھا، چند شادی شدہ تھے چند غیر شادی شدہ تھے وہ شادی کرنا چاہتے تھے اور جو شادی شدہ تھے وہ اپنی زندگی سے بے زار تھے لیکن مجھے یہ سمجھ نہیں آتا تھا کہ آخر لوگ اپنے چاہنے والوں سے کیوں بے زار ہیں۔ دن کسی ایسے ریستوران میں گزرتا جہاں عموماً کرسیاں خالی ہی ملا کرتی تھیں۔ رات کے لیے کھلا آسمان موجود تھا، نہ بیوی تھی، نہ بچے لیکن کیا کرتا بے مقصد مکھیاں مارتے ہوئے ملازمت کے لیے جہاں کوئی اشارہ ملتا دوڑ جاتا لیکن ناکامی تھی کہ پیچھے پیچھے لگی پھر رہی تھی ایک دن اپنے پسندیدہ ریستوران میں بیٹھا چائے پی رہا تھا کہ برابر کی میز سے اخبار اٹھا کر اس پر نگاہیں دوڑائیں تو ایک اشتہار پر نظر پڑی۔

ضرورت ہے ایک ایسے نوجوان کی جو کم از کم میٹرک پاس ہو، اچھی صحت رکھتا ہو کچھ ایسے کام کرنا ہوں گے جن کا تعلق لکھنے پڑھنے سے بھی ہو سکتا ہے۔ تنخواہ معقول اور باقی آسانیاں

بھی فراہم کی جاسکتی ہیں عمر پچیس چھبیس سال سے زیادہ نہ ہو۔ براہ راست ملاقات کریں۔ صبح دس بجے سے دوپہر ایک بجے تک۔

"یوسف باگا، پتا کوٹھی نمبر ایک سو سترہ۔" پڑھنے لکھنے کا کچھ کام بھی کرنا ہوگا اور اس کے علاوہ بہرصورت بات تو یہ تھی کہ کوئی نہ کوئی نوکری مل ہی جانی چاہیے چنانچہ میں نے پتا ذہن نشین کیا بھلا مجھ سے پہلے کون پہنچ سکتا ہے اس جگہ۔ میں نے سوچا ظاہر ہے ابھی زیادہ وقت بھی نہیں ہوا اخبار آئے ہوئے، چند نوجوانوں نے پڑھا ہوگا اور اس کے بعد بھاگے ہوں گے۔ چنانچہ سب سے پہلے میں ہی کیوں نہ حاصل کرلوں میں نے سوچا۔

اے بی سینیا سے ڈیفنس تک جانے میں مشکلات تو کافی تھیں لیکن بہرحال ان مشکلات کو تو نظرانداز ہی کرنا ہوگا۔ میں نے سوچا اور چل پڑا جہاں تک بس جاتی تھی وہاں تک بس سے گیا اور اس کے بعد پیدل سفر کرنا شروع کردیا کوٹھی نمبر ۱۱۷ مسٹر یوسف باگا۔ میں ہر کوٹھی پر اس نمبر کو تلاش کرنے کی کوشش کرتا حتیٰ کہ ۲۲۷ تک پہنچ گیا۔ ویسے اس وقت یہاں کوٹھیاں خالی خالی ہی تھیں۔ ہاں کنسٹرکشن ہورہی تھی۔

جس کوٹھی تک مجھے پہنچنا تھا وہ تو اس طرح تھی جیسے ویرانے میں ہو، میلوں تک کوئی عمارت نہیں تھی۔ جانے اس کوٹھی کے مکین نے اس جگہ رہنا کس طرح پسند کرلیا تھا اور اس کے اپنے وسائل کیا تھے۔ بہرصورت جب وہاں پہنچا تو تھکن سے چور ہوچکا تھا تلاش کرنے کرنے میں ہی کئی میل کا سفر طے کرنا پڑ گیا تھا۔ کوٹھی کے دروازے پر پہنچ کر جب مجھے ایک سو سترہ نمبر مل گیا تو میری جان میں جان آئی لیکن کوٹھی کیا تھی بھوت بنگلہ تھا۔ پھاٹک بے رونق حالانکہ عمارت پرانی نہیں تھی، نئی تھی لیکن اس طرح بدنما نظر آرہی تھی، جیسے یہاں انسانوں کا کوئی وجود ہی نہ ہو۔ پھاٹک کے دوسری جانب خودرو جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ دور دور تک کوئی انسانی وجود نہیں تھا۔

میں نے تعجب سے اس نمبر کو پڑھا۔ ایک سو سترہ صاف لکھا ہوا تھا۔ یہ نمبر بھی کوٹھی کی





دیوار پر چونے سے لکھ دیا گیا تھا اور عام حالات میں اسے تلاش کرنا سخت مشکل کام تھا اور اشتہار میں اس عمارت کا تذکرہ کیا گیا ہے تو کم از کم ایک بات تو یقینی طور پر کہی جاسکتی تھی وہ یہ کہ ابھی تک یہاں کوئی امیدوار نہیں پہنچا ہوگا۔ لیکن میں کیا کروں؟ کوئی یہاں آباد بھی ہے یا صرف مذاق کیا گیا ہے لیکن مذاق کے لیے اشتہار کی رقم خرچ کرنے کی تک ہے پھر؟

میں نے سوچا کہ اخبار میں اشتہار موجود ہے کسی ایسی عمارت میں چوری کا الزام نہیں لگایا جاسکتا اور کسی نے تعرض کیا تو کہہ دوں گا کہ اشتہار پڑھ کر آیا ہوں۔ چنانچہ ہمت کرکے گیٹ کراس کرکے سامنے دروازے میں پہنچ گیا۔

سامنے ہی ایک کھلا ہوا دروازہ موجود تھا۔ میں نے دروازے پر دستک دی تو اندر سے بھاری مردانہ آواز سنائی دی۔

"اندر آجاؤ" تب مجھے کچھ سکون ہوا اور میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا۔ ڈرائنگ روم تھا، فرنیچر قیمتی لیکن بے ترتیب تھا۔ یہ چیز اس بات سے اور بے پروائی کا اظہار ہوتا تھا لیکن وہ نظر نہ آیا جس کی آواز سنائی دی تھی۔

ڈرائنگ روم کا دوسرا دروازہ جو اندر کسی کمرے میں کھلتا تھا، کھلا ہوا تھا۔ میں نے سوچا کہ ممکن ہے مجھے اندر بلانے والا کسی کام سے اندرونی کمرے میں چلا گیا ہو، اس لیے میں دروازے کے قریب کھڑا ہوکر انتظار کرنے لگا۔

"بیٹھ جاؤ" وہی آواز مجھے دوبارہ سنائی دی اور میں اچھل پڑا۔ میں نے متوحش نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا اور پریشان ہوگیا۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں مسٹر، بیٹھ جاؤ پھر باتیں ہوں گی۔"

اور میں بادل نخواستہ بیٹھ گیا۔ اس مکان کی ویرانی اب مجھے خوفزدہ کررہی تھی۔ یہاں داخل ہوتے ہوئے میرے ذہن میں بھوت بنگلے کا تصور پیدا ہوا تھا لیکن یہ پراسرار آواز اس تصور کو یقین میں بدل رہی تھی۔

''میری آواز تمہیں ایک مخصوص ذریعہ سے سنائی دے رہی ہے۔ دراصل میں بیمار آدمی ہوں اور بیماری کی نوعیت کچھ ایسی ہے کہ کسی کے سامنے بالکل نہیں آسکتا۔ دوسروں کو مجھ سے کراہیت ہو گی۔ اس لیے میں نے دوررہ کر گفتگو کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا ہے۔''

''اوہ۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔

''تم یقیناً میرا اشتہار پڑھ کر آئے ہو گے۔''

''جج، جی ہاں۔'' میں نے ایک دیوار کو گھورتے ہوئے کہا۔

''کیا نام ہے؟''

علی فیضان۔''

''اس سے قبل کہاں ملازمت کرتے تھے؟''

''اڑھائی سال سے بے کار ہوں۔''

''بے کاری سے قبل کیا کرتے تھے؟''

''ایک ریستوران کے کاؤنٹر پر بیٹھتا تھا۔'' میں نے جواب دیا۔

''نوکری کیوں چھوڑ دی؟''

''ہوٹل ہی بند ہو گیا۔''

''تمہاری تعلیم کتنی ہے؟''

''انٹر نہیں کر سکا۔'' میں نے جواب دیا۔

''میٹرک کر سکے تھے؟'' آواز میں تھوڑی ظرافت نمایاں ہو گئی۔

''یا وہ بھی نہیں کر سکے تھے۔''

''جی نہیں، فرسٹ ایئر کلیئر کیا تھا۔''

''خوب، قیام کہاں ہے؟''

''فٹ پاتھ پر۔'' میں نے جواب دیا۔







''کیا مطلب، دوسرے اہل خانہ نہیں ہیں۔'' سوال کیا گیا۔

''خدا کا شکر ہے نہیں ہیں۔''

''کیا مطلب؟''

''جی ہاں اگر وہ ہوتے تو اب تک اس دارفانی سے کوچ کر چکے ہوتے۔'' میں نے جواب دیا۔

''تو پھر زندگی فٹ پاتھوں پر ہی گزرتی ہے۔''

''جی ہاں۔''

''تنخواہ کیا لو گے؟''

''جو آپ دے دیں۔''

''پھر بھی ذہن میں کوئی تو خیال ہو گا۔''

''جی نہیں، میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا، ڈھائی سال سے بے کار رہنے کے بعد تو صرف دو وقت کی روٹی پر بھی گزارا کیا جا سکتا ہے۔'' میں نے جواب دیا اور مجھے ہنسی کی آواز سنائی دی۔

''آدمی دلچسپ ہو باتیں بے باکی سے کر لیتے ہو، مجھے پسند آئی یہ بات۔''

''شکریہ۔'' میں نے مختصراً کہا۔

''فی الوقت تمہیں دو ہزار روپے ماہوار دیئے جا سکتے ہیں اور رہنے کے لیے ایک فلیٹ بھی۔''

''فلیٹ بھی۔'' میں نے متحیرانہ انداز میں آنکھیں پھاڑ دیں کیونکہ اس وقت تو کسی فلیٹ کا کرایہ ہزار، ڈیڑھ ہزار سے کم نہیں تھا اور فلیٹ میں رہنے کا میں نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ میرے ذہن میں کسی گندے علاقے کی چھوٹی سی کھولی تھی جو اگر کرائے پر مل جاتی تو زندگی سوارت ہو جائے لیکن فلیٹ کی پیشکش بڑی دلکش تھی۔

''مجھے منظور ہے۔'' میں نے خوش ہو کر کہا۔

''کام یہ ہو گا کہ میری کچھ جائیداد ہے۔ چند مکانات ہیں جن کی تفصیل میں تمہیں بتا دوں گا۔ ان کے کرائے وغیرہ وصول کر کے ان کا حساب کتاب رکھنا ہو گا۔ ایک چھوٹا سا کاروبار ہے جسے

مختلف لوگ سنبھالے ہوئے ہیں لیکن اپنی تسلی کے لیے میں چاہتا ہوں کہ ایک آدمی خفیہ طور پر بھی میرے لیے کام کرے حساب کتاب کے رجسٹر تمہیں مل جائیں گے تمہیں صرف انہیں چیک کرنا ہوگا۔''

''بہت مناسب جناب، میں خوشی سے تیار ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے مسٹر علی فیضان میں نے آپ کو ملازم رکھ لیا ہے۔ اب آپ شام تک یہاں رہیں اور ملازمت کے لیے دوسرے بے روزگار نوجوان کو ٹرخاتے رہیں۔ آج کی ذمے داری آپ کی یہی ہوگی۔

''جی بہت بہتر۔'' میں نے جواب دیا۔

''تو یہ ڈرائنگ روم آپ کا آج کا آفس ہے اور آئندہ بھی آپ یہیں کام کیا کریں گے۔ عام حالات میں یہاں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ اپنے فلیٹ ہی کے ایک کمرے کو اپنی ضروریات کے لیے آفس کی شکل دے لیں۔ جب ضرورت ہو مجھ سے گفتگو کر لیا کریں۔ ٹیلی فون نمبر نوٹ کر لیں۔ قلم یا پنسل ہے آپ کے پاس۔''

''جی نہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''سامنے الماری دیکھ رہے ہیں۔ اس میں آپ کی ضرورت کی چیزیں موجود ہیں اور ہاں کچن بھی ہے اس عمارت میں، یہاں بھی ضرورت کی چیزیں موجود ہوں گی دست خود دہان خود ٹھیک ہے؟''

''بہت بہت شکریہ جناب۔''

''اور کوئی سوال ہو تو کر لیں۔ کیونکہ اس کے بعد میں بلا ضرورت آپ سے مخاطب نہیں ہوں گا۔''

''جی ہاں وہ فون نمبر۔'' میں نے کہا۔

''ہاں ٹھیک ہے قلم کاغذ وغیرہ نکال لائیں۔'' کہا گیا اور میں الماری کی طرف بڑھ گیا۔ نہایت نفیس قسم کے پیڈ، رجسٹر اور دوسری اسٹیشنری موجود تھی۔ میں نے اس میں ایک پیڈ اور قلم نکال لیا اور پھر اس پر اسرار آواز میں مجھے فون نمبر بتایا گیا۔ جسے میں نے پیڈ پر نوٹ کر لیا۔



''اس کے علاوہ کوئی اور سوال؟''

''آپ نے فلیٹ کے بارے میں فرمایا تھا۔''

''ہاں، فریئر روڈ گرین مینشن نامی عمارت کا فلیٹ نمبر بیس خالی ہے۔ اس کی چابی الماری کے دوسرے خانے میں رکھی ہے۔ آپ آج ہی سے اس میں قیام کریں۔''

''بہت بہت شکریہ۔'' میں نے خوشی سے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

''ڈرائنگ روم کے اس دروازے سے اندر داخل ہو جائیں۔ میز پر نوٹوں کی ایک گڈی رکھی ہے اس میں سے دو ہزار روپے کے نوٹ نکال لیں۔ یہ آپ کی ابتدائی امداد ہے اس سے اپنی فوری ضرورت پوری کریں۔ تنخواہ آپ کو باقاعدگی سے ملے گی اور اگر میں آپ کے کام سے مطمئن ہوا تو ممکن ہے ایک دو مہینے میں ہی آپ کی تنخواہ بڑھا دوں۔''

''بہت بہت شکریہ، میں پوری کوشش کروں گا کہ آپ کو مطمئن کروں۔'' میں نے کہا اور آواز بند ہوگئی۔ میرا دل خوشی اور مسرت سے لبریز تھا۔ یہ قارون کا خزانہ مل جانے والی بات تھی۔ ملازمت اور وہ بھی اس قدر عیش کی۔

مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے یہ سب ایک خواب ہو۔ ایک حسین خواب اور کئی بار میں نے اس خواب سے جاگنے کی احمقانہ کوشش کی اور خود ہی شرمندہ ہو گیا۔

پھر کانپتے ہوئے قدموں سے اٹھ کر میں اس دوسرے کمرے میں داخل ہوا۔ بیڈ روم تھا۔ ایک بیڈ اور ایک سیجی پڑھی ہوئی تھی، سیجی کی سائیڈ ٹیبل پر نوٹوں کی ایک گڈی رکھی ہوئی تھی نئے نئے کرارے نوٹ۔

میں نے پوری ایمان داری سے اس میں سے دو ہزار کے نوٹ نکال کر جیب میں رکھ لیے۔ اتنی عمدہ ملازمت تھی کہ کسی بے ایمانی کا خیال بھی دل میں نہیں آ سکتا تھا۔ اس کے بعد میں باہر نکل آیا اور ڈرائنگ روم میں بیٹھ گیا۔

ملازمت یہی تھی کہ شام تک رک کر اشتہار کے جواب میں آنے والوں کو ٹرخاؤں۔ اول تو یہاں

آئے گا ہی کون لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد میرا خیال غلط ثابت ہوگیا۔ دونو جوان ٹٹولتے ہوئے پہنچ گئے تھے۔ ان کی آہٹ سن کر جیسے ہی دروازہ کھول کر باہر نکلا وہ اچھل کر پیچھے ہٹ گئے۔

میں سمجھ گیا تھا کہ میری جیسی ہی کیفیت کے شکار ہیں اور اس ماحول سے خوفزدہ ہیں اور میرے ذہن میں شرارت ابھری۔ انسان اندرونی طور پر مطمئن ہو تو اس کے اندر بہت سی خوبیاں عود آتی ہیں۔"

"کیا بات ہے؟" میں نے خواب ناک آواز میں پوچھا اور میری اس آواز کا تاثر ان کے چہرے پر نمایاں ہوگیا تھا اور وہ کچھ اور خوفزدہ نظر آنے لگے تھے۔

"جی وہ۔ وہ اشتہار۔ اشتہار۔"

"تم آگئے میرے بچے، صدیوں سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ آؤ اندر آجاؤ۔ کہاں چلے گئے تھے تم دونوں۔" میں نے بدستور خواب زدہ لہجے میں کہا کہ دونوں نوجوان کئی قدم پیچھے ہٹ گئے۔

"ڈر رہے ہو۔ تم ڈر رہے ہو۔ دیکھو اس ویرانے میں، میں صدیوں سے تمہارا منتظر ہوں۔ میری پیاس حد سے بڑھ چکی ہے۔ آؤ، اندر آجاؤ" میں نے بھیانک سا چہرہ بنا کر کہا اور دونوں پلٹ کر اس طرح بھاگے کہ مڑ کر پیچھے نہیں دیکھا بھاگتے ہوئے پھاٹک سے بری طرح ٹکرائے تھے ان میں سے ایک کھڑکی سے باہر جا گرا اور دوسرا جلدی سے باہر نکل کر اسے سنبھالنے لگا۔ میرے پیٹ میں بل پڑ گئے تھے اور بہرصورت میں نے طے کر لیا تھا کہ شام تک آنے والوں کے ساتھ یہی سلوک کروں گا۔

یہ بھی خاصا دلچسپ مشغلہ تھا۔ دوپہر کو تین بجے کے بعد ایک اور قسمت کا مارا آنکلا اور اس نے پھاٹک سے اندر ہی قدم نہیں رکھا تھا۔ دیر تک کھڑا پھاٹک بجاتا رہا میں نے سوچا اندر آئے گا تو دیکھا جائے گا۔ پھر وہ پھاٹک ہی سے واپس چلا گیا۔ گویا یہ کل تین افراد تھے جو اس اشتہار کے جواب میں آئے تھے۔ تین بجے کے قریب میری بھوک شدت سے چمک اٹھی اور ساری باتیں نظرانداز کر کے میں نے سوچا کہ اب کچن تلاش کرنا چاہیے گو ملازمت کا پہلا دن تھا اور تمام



اصول وآداب کو مدنظر رکھنا تھا لیکن جناب پیٹ کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں چنانچہ میں ان آداب زیر ہدایت کچن کی تلاش میں ادھر ادھر بھٹکنے لگا اور کچن مجھے مل گیا۔ کچن نمایاں جگہ پر تھا۔ انتہائی نفاست سے آراستہ تھا، الماری میں بند خوراک کے بہت سے ڈبے چنے ہوئے تھے گو یہ سب کچھ اس لیے نہیں تھا کہ میں بے دھڑک ان کا استعمال شروع کردوں میں نے ایسی چیزوں کو تلاش کیا جو میرا کام چلا سکیں۔ چنانچہ چائے کی کیتلی میں نے چولہے پر رکھ دی اور اس کے بعد ایک ڈبل روٹی نکال کر چائے میں بھگو کر کھالی۔ میں اپنی اوقات سے بڑھنا نہیں چاہتا تھا اور اتنے نفیس مالک کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا تقریباً سات بجے تک میں یہاں رہا کیونکہ مجھے ہدایت ملی تھی کہ سورج چھپتے ہی یہاں سے چلا جاؤں۔ چنانچہ میں نے جانے کا فیصلہ کرلیا۔

فریئر روڈ کی گرین مینشن تلاش کرنے میں مجھے کوئی دقت نہ ہوئی۔ یوسف گابا کے بتائے ہوئے پتے کے مطابق میں فلیٹ نمبر بیس میں پہنچ گیا۔ دروازے پر موٹا سا تالا موجود تھا اور یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ تالا کافی دن سے نہیں کھلا ہے۔ لرزتے ہاتھوں سے میں نے چابی تالے میں گھمائی اور اندر داخل ہوگیا۔ سوئچ بورڈ تلاش کر کے میں نے فلیٹ میں روشنی کردی۔

تین کمروں کا انتہائی نفیس فلیٹ تھا۔ اتنا کہ میری ضروریات کے لیے ضرورت سے کافی زیادہ۔ ہر چیز موجود تھی، کمرے میں بیڈ بھی تھا، ایک چھوٹا سا ریک بھی تھا، باورچی خانے میں گیس کے چولہے لگے ہوئے تھے، گویا مجھے چند ایسی چیزوں کی ضرورت تھی جو ایک عمدہ زندگی گزارنے میں معاون ثابت ہوسکیں اور اس کے لیے میرے پاس دو ہزار روپے موجود تھے دکانیں جلد ہی بند ہوجاتی ہیں، اس لیے میں فلیٹ کو تالا لگا کر باہر نکل آیا۔

انتہائی کفایت کے ساتھ میں جو کچھ خرید سکتا تھا میں نے خریدا اس میں چند برتن، بستر کے لیے چادر اور کچن کا کچھ سامان لے کر میں ساڑھے آٹھ بجے گھر واپس پہنچ گیا۔

میری خوشیوں کی انتہا نہیں تھی۔ میں جانتا تھا جب میں اپنے دوستوں کو اس فلیٹ کے بارے میں بتاؤں گا تو وہ ششدر رہ جائیں گے کیونکہ اس دور میں کسی مکان کا ملنا جتنا مشکل کام ہے وہ

کراچی کے رہنے والے تقریباً تمام لوگ جانتے ہوں گے۔

واپس آ کر میں نے بہت سارا وقت فلیٹ کی صفائی ستھرائی میں گزارا جو چیزیں میں لایا تھا انہیں سجایا۔ بیڈ پر نئی چادریں بچھائیں تکیہ رکھا اور پھر آرام سے لیٹ گیا۔ اپنی خوشیوں کا میں کیا اظہار کر سکتا ہوں۔ بلاشبہ اس فلیٹ کے مل جانے سے مجھے اتنی خوشی تھی کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔

نہ جانے کیا کیا خیالات میرے دل کو گدگدا رہے تھے۔ ایک مہربان انسان کے پاس مجھے نوکری مل گئی تھی۔ اس کی شخصیت کا اندازہ اس کی سخاوت سے ہوتا تھا۔ پہلے مرحلے پر اس نے مجھے بہت سی عنایتوں سے نوازا تھا۔

رات دیر تک جاگتا رہا۔ کھانا بازار سے لے آیا تھا۔ چائے کا سامان خاص طور سے لایا تھا نجانے کیا کیا سوچتا رہا تھا۔

اور رات کو کسی وقت نیند آ گئی تھی۔ صبح کو حسب معمول جاگا۔ جب سورج کی روشنی دیکھتا تھا تو دل پر ایک بوجھ لگتا تھا۔ اٹھنے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا کیونکہ جانتا تھا کہ کلفتوں کا سفر شروع ہو گیا ہے جس کا مصرف نہیں ہے۔

لیکن آج جب بدن کے نیچے بستر اور سر پر چھت نظر آئی تو جیسے سارے اعضاء نے مسرت کا ایک قہقہہ لگایا۔ میں اچھل کر بستر سے اٹھ گیا۔ نجانے کیا وقت ہو گیا۔ حالات نے ساتھ دیا تو ایک گھڑی ضرور خریدوں گا۔

کچن میں جا کر چائے کا پانی رکھا اور ضروریات سے فارغ ہونے چلا گیا۔ منہ ہاتھ دھو کر چائے پی اور جلدی سے تیار ہو کر چل پڑا۔ جائے ملازمت کے راستے ایسے تھے کہ اس وقت سواری وغیرہ میں کوئی وقت نہیں ہوتی تھی اس لیے ڈیفنس پہنچ گیا۔ البتہ پیدل سفر کافی تھا لیکن کیا فرق پڑتا ہے۔

بھاگم بھاگ اس کوٹھی پر پہنچ گیا اور بے تکان اندر داخل ہو گیا۔ پھر ہچکچاتے ہوئے میں نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھا۔ ڈرائنگ روم کی حیثیت کسی قدر بدلی ہوئی تھی۔ اس میں ایک ٹیبل اور



ایک کرسی کا اضافہ ہو گیا تھا۔ میز پر رجسٹر وغیرہ رکھے ہوئے تھے اور دوسری چند چیزیں بھی تھیں۔

''فیضان۔'' بھاری آواز سنائی دی۔

''لیس سر۔ لیس سر۔''

''کیسے ہو؟''

''بالکل خیریت سے ہوں جناب۔''

''وہ فلیٹ پسند آیا۔''

''میری ضرورت سے کہیں زیادہ ہے جناب، انتہائی آرام دہ۔''

''یقیناً تمہیں کچھ چیزوں کی ضرورت ہوگی۔''

''کچھ چیزیں تو وہاں موجود ہیں۔ کچھ میں نے خریدی ہیں۔ رفتہ رفتہ سب ٹھیک کر لوں گا جناب۔''

''خوب، مجھے خوشی ہے کہ تم زندگی سے بھرپور ہو بہرحال میں ضروریات پوری کرنے میں تمہاری مدد کروں گا۔ میرے پاس تمہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی اور ہاں کل تم نے کچن کا استعمال نہایت احتیاط سے کیا تھا۔ یہاں ہوا کرو تو اطمینان سے یہ چیز استعمال کیا کرو۔''

''میں شکرگزار ہوں جناب۔''

''کل کوئی اور آیا تھا ملازمت کے لیے؟''

''جی ہاں، تین افراد آئے تھے۔''

''کیا کہا تھا تم نے ان سے؟''

''میں نے معذرت کر لی تھی۔''

''کیا کہہ کر؟''

''یہی کہ یہ جگہ پر ہو چکی ہے۔'' میں نے اسے اپنی شرارت کے بارے میں بتانا مناسب نہیں

سمجھا۔دوسری طرف چند لمحات کے لیے خاموشی چھا گئی پھر آواز ابھری۔

''فیضان۔''

''جناب۔''

''تم نے ان سے یہ تو نہیں کہا تھا بلکہ اس عمارت کو آسیب زدہ ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی۔'' آواز نے کہا اور میں سن رہ گیا۔

''ہو سکے تو مجھ سے جھوٹ مت بولا کرو۔ میں تمہاری اس بات سے ناراض نہیں ہوں بلکہ تمہاری حرکت پر ہنسی آئی تھی۔ بہر حال جھوٹ مت بولا کرو۔''

''بہتر جناب۔ آئندہ خیال رکھوں گا۔''

''شکریہ، ہاں یہ رجسٹر تمہارے سامنے رکھے ہیں ان میں پہلے رجسٹر میں ان لوگوں کی فہرست اور پتے ہیں جن سے تمہیں کرایہ وصول کرنا ہے۔ دوسرے رجسٹروں میں حسابات ہیں۔ تم یہ سارے رجسٹر ساتھ لے جاؤ۔ انہیں دیکھو اور ان کے مطابق عمل کرو۔ حسابات چیک کر کے مجھے ایک ہفتے کے اندر رپورٹ دو۔''

''جی بہت بہتر۔''

''بس جا سکتے ہو۔ رجسٹر لے جاؤ۔ کوئی ضروری بات ہو تو مجھے فون کر لینا۔''

''بہت بہتر جناب۔'' میں نے رجسٹروں کو احتیاط سے اٹھا کر باندھ لیا اور پھر اس عمارت سے نکل آیا اس جھوٹ پر تھوڑی سی شرمندگی تھی جو میں نے اس سے بولا تھا لیکن حیرانی بھی تھی کہ اسے پتا کس طرح چل گیا۔

طویل فاصلہ طے کر کے بس اسٹاپ پر پہنچا اور یہاں سے فریئر روڈ آ گیا۔ بلڈنگ میں چہل پہل تھی۔ سامنے فلیٹ سے چند بچوں نے باہر نکل کر مجھے دیکھا۔ میں ان کی طرف توجہ دیئے بغیر فلیٹ میں داخل ہو گیا۔

اندر آ کر میں نے رجسٹر میز پر ڈال دیئے اور خود بھی بستر پر بیٹھ گیا۔ میرے ذہن میں عجیب و



غریب خیالات تھے۔

رجسٹر وغیرہ چیک کرنے کے لیے ایک ہفتے کی مہلت دی گئی تھی۔ گویا مجھے اس سلسلے میں کام کرنے کے کل اختیارات دے دیئے گئے تھے۔ یہ اعتماد کی بات تھی اور مجھے اس قدر اعتماد پر حیرت ہوتی تھی۔ اس دور میں ایسے لوگ کہاں ملتے ہیں جو کسی اجنبی پر اس قدر اعتماد کر لیں۔

میں نے سب سے پہلے کرائے داروں کا رجسٹر کھول کر دیکھا۔ کافی جائیداد تھی یوسف باگا کی۔ شہر میں بہت سے بنگلے، دکانیں اور ایسی کئی چیزیں جس سے مالی حیثیت کا اندازہ ہوتا تھا۔

پھر وہ بیماری۔ بے چارے کو کیسی بیماری تھی اور ایسی کسی بیماری کا اس نے کوئی مناسب علاج کیوں نہیں کرایا تھا۔ نجانے کیا اسرار تھا۔

بہر حال اس کے بعد میں دوسرے رجسٹر دیکھنے لگا اور دو پہر کو دو بجے تک اس کام میں مصروف رہا باقی کام میں نے دوسرے دن کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ پھر میں فلیٹ کا تالا لگا کر کھانے کے لیے نکل گیا۔

جس جگہ میں آج سے چند روز قبل تھا وہاں میرے کئی شناسا بھی تھے ان میں سے چند لوگ تو ایسے تھے جن کا مجھ پر قرض بھی تھا۔ اس وقت حالات اجازت نہیں دیتے تھے کہ میں ان کا قرض اتار دوں لیکن ان سے ملنا تو ضروری تھا ورنہ سوچتے کہ میں رقمیں لے کر فرار ہو گیا۔ چنانچہ پہلے ایک ریستوران میں جا کر کھانا کھایا۔ سگریٹ کا پیکٹ خریدا جو میں نے حالات کے تحت کافی دن سے چھوڑی ہوئی تھی اس کے بعد بازار جا کر دو جوڑے کپڑے خریدے لباس ایسے تھے جن کی ادائیگی میں ادا کر سکتا تھا۔ اس کے بعد میں اپنے دوستوں سے ملنے چل دیا۔ اپنے مخصوص ٹھکانے پر پہنچ کر سب سے پہلے میں نبی بخش پنواڑی کی دکان پر پہنچا۔ اس شخص کے ساڑھے تین روپے میرے اوپر قرض تھے۔ میں نے سب سے پہلے اس کی خدمت میں ساڑھے تین روپے پیش کیے تو اس نے اتنی حیرت سے مجھے دیکھا جیسے سوچ رہا ہو کہ مجھ جیسے انسان کے پاس ساڑھے تین روپے کہاں سے آئے۔

''کہاں سے مال مار دیا بابو۔'' اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''نبی بخش تمہاری دعاؤں سے مجھے نوکری مل گئی ہے۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ارے کیا واقعی۔'' نبی بخش نے بھرپور خوشی کا اظہار کیا۔

ان چھوٹے چھوٹے لوگوں میں یہی خاص بات ہوتی ہے کہ کسی کے غم اور خوشی میں بڑی فراخدلی کے ساتھ شریک ہو جاتے ہیں بے غرض اور بے لوث چنانچہ نبی بخش نے بھی خوشی کی بہت سی باتیں کہیں اور پھر مجھ سے میری نوکری کے بارے میں پوچھنے لگا۔

''ایسی نوکری ملی ہے نبی بخش کہ تصور میں بھی نہیں تھی۔''

''کہاں ملی بابو؟''

''بس میرا سیٹھ ایک بہت بڑا آدمی ہے۔ اس نے اپنی جائیداد کے کرایہ کی وصولیابی کی ڈیوٹی میرے سپرد کی ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ رہنے کے لیے مجھے مکان بھی دیا گیا ہے۔''

''ارے واہ، پھر تو عیش ہو گئے اپنے یار کے مگر دیکھو آتے رہنا ایسا نہ ہو کہ اتنی پرانی یاد اللہ ختم کر دو۔''

''نہیں نبی بخش یہ کیسے ممکن ہے اور ہاں رمضان رات کو آئے تو اسے اس بارے میں بتا دینا۔''

''ٹھیک ہے بتا دوں گا بلکہ یہ تو مٹھائی والی بات ہے، ہاں یہ بتاؤ مٹھائی کب کھلا رہے ہو۔''

''جب تم کہو گے نبی بخش، کہو تو ابھی منگاؤں۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور نبی بخش سر ہلانے لگا۔

''نہیں بھئی ابھی نہیں جب سب لوگ بیٹھیں گے ملیں گے اور اس وقت جب تمہیں تنخواہ مل جائے۔'' نبی بخش نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔

''تنخواہ تو ملی نہیں پھر پیسے کہاں سے آ گئے تمہارے پاس تم ابھی ان پیسوں کو رکھ لو۔''

''نہیں نبی بخش تھوڑے سے پیسے ایڈوانس بھی مل گئے تھے۔ میں نے سوچا تمہارا حساب چکتا ہو جائے ابھی بہت سے یاروں کے پیسے دینے ہیں۔''

''ٹھیک ہے یار یہ لین دین تو چلتا ہی رہتا ہے ہاں یہ تو بتا تمہارا مکان کہاں ہے۔''

''فریئر روڈ پر۔'' میں نے جواب دیا۔

''واہ شہر میں ہو بڑی اچھی بات ہے، تو نوکری سے تم خوش ہو۔'' نبی بخش نے پوچھا۔

''پوری طرح خوش ہوں نبی بخش، اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ پھر دوسرے چند دوستوں سے ملنے کے بعد شام تقریباً سات بجے اپنے گھر پہنچا۔ گھر کا تصور بہت ہی پیارا تھا۔ ٹیرس طے کرتے ہوئے میں نے وہی بچے دیکھے جو سامنے والے مکان میں رہتے تھے۔ ان میں دو لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ لڑکے دونوں شکل و صورت کے زیادہ اچھے نہیں تھے جب کہ لڑکی بہت پیاری تھی، میں نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا اور وہ بھی مسکرا دی۔ میں اندر چلا گیا۔ پھر میں بیٹھا ہی تھا کہ دفعتاً وہی بچی کمرے کے سامنے نظر آئی مجھے دیکھ کر رک گئی۔

''انکل میں اندر آ جاؤں۔'' اس نے کہا۔

''آؤ بیٹے آ جاؤ۔'' میں نے کہا۔

''انکل کیا آپ اس مکان میں آ گئے ہیں۔'' اس نے پوچھا۔

''ہاں بیٹے، ہم آپ کے نئے پڑوسی ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''لیکن انکل کیا آپ کے بچے ابھی نہیں آئے۔''

''ہاں ابھی نہیں آئے۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

کب آئیں گے۔'' بچی نے معصومیت سے پوچھا۔

''یہ تو ہمیں بھی نہیں معلوم۔''

''کیوں؟''

''بس نہیں معلوم۔''

''آپ انہیں جلدی سے بلا لیجئے ہم انہیں دوست بنائیں گے اور ان کے ساتھ کھیلا کریں گے۔''

''بہتر، ویسے آپ کا نام کیا ہے؟''

’’سیما۔‘‘

’’آپ کے ابو کیا کرتے ہیں سیما۔‘‘

’’دفتر جاتے ہیں۔‘‘

’’آپ کتنے بہن بھائی ہیں؟‘‘

’’بس میرے دو بھائی ہیں۔ گندے، گندے نہ ٹھیک سے بولتے ہیں اور نہ صاف ستھرے رہتے ہیں۔‘‘

’’خوب، بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔‘‘ میں نے اپنی اس ننھی شناسا سے کہا۔

’’لیکن بیٹے ہم آج آپ کی خاطر نہیں کر سکیں گے آپ کی ٹافیاں ادھار ہیں۔‘‘

’’توبہ توبہ، ادھار تو بہت بری چیز ہے انکل۔‘‘

بچی نے گال پیٹتے ہوئے کہا اور مجھے ہنسی آ گئی۔

’’ہاں ہے تو بری چیز اور اب کیا کیا جائے؟‘‘

’’خیر ایک دن کی کوئی بات نہیں ہے، کل سہی۔‘‘ وہ متفکرانہ انداز میں بولی اور مجھے اس پر بے اختیار پیار آ گیا۔

’’بھئی سیما تم تو بہت ہی پیاری بچی ہو اچھا تمہارے ابو کا کیا نام ہے؟‘‘

’’آصف علی اور امی کا نام نعیمہ ہے۔‘‘

’’ٹھیک ہے، تو مس سیما آپ آتی جاتی رہیں۔‘‘

’’آپ بھی دفتر جاتے ہیں انکل؟‘‘

’’ہاں جاتے تو ہیں لیکن کبھی کبھی زیادہ تر گھر میں رہا کرتے ہیں آپ کا جب دل چاہے آ جایا کریں۔‘‘

’’ٹھیک ہے لیکن آپ میرے بھائیوں کو نہ بلایا کریں۔ وہ گندے ہیں اب میں چلتی ہوں۔‘‘ بچی نے کہا اور باہر نکل گئی لیکن میری نگاہوں میں بہت سے خواب چھوڑ گئی۔ اس نے مجھ سے بچوں کی فرمائش کی تھی۔

گھر میں بیوی ہو بچے ہوں تو زندگی کتنی حسین ہو جاتی ہے۔ ان لوگوں کی تو بات نہیں کرتا جو اپنے ماحول اور اپنے گھر سے بے زار نظر آتے ہیں۔ میرے کئی دوست ایسے تھے جو گھر کی ذمے داریوں سے تنگ آئے ہوئے تھے نجانے کیوں؟

گھریلو زندگی سے اتنا دور تھا کہ گھر کا تصور ہی مٹ گیا تھا اور جب کسی گھر کو دیکھتا تو آرزو اور حسرتیں دل میں اجاگر ہو جاتیں بہت دیر تک میں سیما کے الفاظ میں کھویا رہا گھر تو تھا لیکن اس میں زندگی گزارنے کے طریقے مجھے نہیں آتے تھے سوچ رہا تھا کہ کیا کروں، کام تو دوسرے دن سے شروع کرنا تھا۔

دوسرے دن صبح سے میں نے اپنا کام شروع کر دیا پہلے میں نے کاروباری رجسٹروں کو دیکھا اور ان میں سے دو رجسٹروں کا حساب دوپہر تک چیک کر لیا۔ دوپہر کھانے کے بعد پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

کئی ہفتوں کا کام تھا لیکن میں اس لگن سے کر رہا تھا کہ تین دن میں، میں نے یہ کام مکمل کر لیا۔ اس کے بعد وصولیابی کا رجسٹر کھل گیا کئی افراد کے اوپر کرایہ بقایا تھا اور اسے وصول کرنا میرا کام تھا۔

اس دوران دوستوں سے ایک بار اور ملاقات ہوئی ابھی میں نے کسی کو اپنا پتا نہیں بتایا تھا میری خواہش تھی کہ پہلے اس مکان کو درست کر لوں اس کے بعد کسی کو بلاؤں بہرحال اس کے بعد میں چند نئے پتے ذہن نشین کر کے چل پڑا۔

پہلی ہی جگہ کامیابی ہوئی تھی۔ ایک بنگلہ تھا۔ جس کا کرایہ چھ ہزار روپے ماہوار تھا۔ بنگلے کے مکین اکرم صاحب نے میرے بارے میں معلوم کرنے کے بعد مجھے اندر بلایا اور بڑی مہربانی سے پیش آئے۔ انہوں نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

’’دراصل میں دوبئی چلا گیا تھا۔ وہاں ملازمت حاصل کرنے میں کوشاں رہا اور اس کے بعد کچھ

وقت وہاں کے حالات درست کرنے میں لگ گئے لیکن یوسف صاحب بے حد شریف آدمی ہیں۔ مجھے خدشہ تھا کہ چھ ماہ سے کرایہ نہ پہنچنے پر وہ ناراض نہ ہو جائیں بیگم سے معلوم ہوا کہ انہوں نے ایک بار بھی فون نہیں کیا۔‘‘

’’جی۔‘‘ میں نے آہستہ سے کہا۔

’’میرے لیے کیا حکم ہے؟‘‘

’’کیش جناب، کیش، چائے آرہی ہے چائے پی لیں۔‘‘ اور پھر اکرم صاحب نے مجھے چائے پلائی اور مجھے چھتیس ہزار روپے کیش ادا کردیئے۔

’’میری طرف سے یوسف گابا صاحب کا شکریہ ادا کردیں اور معذرت کرلیں۔ آئندہ وقت پر ادائیگی ہوتی رہے گی۔‘‘

’’بہتر ہے۔‘‘ میں نے جواب دیا اور رقم سنبھال کر یہاں سے چل پڑا۔ تین جگہ گیا اور تینوں جگہوں سے کرایہ وصول ہوگیا۔ یہ میری خوش بختی تھی کہ میرا کام بہتر طور پر ہو رہا تھا۔ البتہ چوتھی جگہ ناکامی ہوئی یہ ایک فلیٹ تھا۔ فلیٹ میں رہنے والے نے جواب دیا کہ وہ دو دن کے بعد ادائیگی کردے گا۔

آج کا یہی کام تھا۔ چنانچہ میں تقریباً ساٹھ ہزار روپے کی رقم سنبھال کر واپس چل پڑا لیکن اس رقم کے بارے میں یوسف صاحب کو اطلاع دینا ضروری تھا۔ چنانچہ صدر پوسٹ آفس کے پبلک کال بوتھ سے میں نے انہیں ٹیلی فون کیا اور چند لمحات کے بعد فون ریسیو کیا گیا۔

’’میں فیضان بول رہا ہوں جناب۔‘‘ میں نے فون پر بھاری آواز پہچان کر کہا۔

’’بولو۔‘‘

’’جناب آج وصولیابی کی مہم پر نکلا تھا۔‘‘

’’ہوں پھر؟‘‘

’’ساٹھ ہزار روپے وصول کیے ہیں۔ یہ سب پرانا کرایہ ہے۔‘‘



’’خوب مجھے فون کس لیے کیا ہے؟‘‘

’’کیا میں یہ رقم لے کر حاضر ہو جاؤں؟‘‘

’’کیوں، تم اس کی حفاظت نہیں کرسکتے؟‘‘

’’جی کرسکتا ہوں، لیکن آپ سے پوچھ لینا مناسب سمجھا۔‘‘

’’اچھا کیا کوئی جلدی نہیں ہے۔ وقت موزوں پر آجانا اور ہاں اس میں سے کچھ رقم لے کر اپنے فلیٹ سیٹ کرلو۔ ایک صوفہ سیٹ خرید لو، ایک ڈائننگ ٹیبل اور کرسی اور دروازوں، کھڑکیوں پر پردے سجالو۔‘‘

’’جناب میں یہ سب کچھ خود کرلوں؟‘‘

’’اس لیے کہ میں، معذور ہوں ورنہ تمہاری مدد ضرور کرتا۔‘‘ نرم لہجے میں کہا گیا اور میں بے حد متاثر ہوگیا۔

’’آپ بے حد مہربان انسان ہیں جناب، آپ نے مجھ جیسے شخص کی زندگی بدل کر رکھ دی ہے میں جو زندگی کے احساس سے محروم ہوگیا تھا۔ مجھے یہ سب کچھ بے حد عجیب لگتا ہے بے حد عجیب۔‘‘

’’فیضان زندگی بے حد قیمتی شے ہے۔ حالات کے بھنور ماحول کی پیداوار ہوتے ہیں۔ ان سے نکلنے کی کوشش جاری رکھنی چاہیے مایوسی کفر ہے۔ ایک نہ ایک دن انسان ان سے نکل جاتا ہے۔‘‘

’’آپ کی رہنمائی میں، میں بھی اس بھنور سے نکل جاؤں گا۔‘‘

’’ہاں، میں تمہاری مدد کروں گا۔ بس اب فون بند کردو۔ میں زیادہ دیر تک گفتگو نہیں کرسکتا۔‘‘ اس نے کہا اور میں نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ پھر وہاں سے چل پڑا کس قدر مہربان انسان ہے تقدیر سے ایسے لوگ ملتے ہیں۔

جس کے بارے میں، میں نے سوچا تھا کہ ابھی کئی ماہ لگیں گے۔

میرا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔ بے پناہ خوشی کے عالم میں گھر پہنچا ابھی عمارت کی سیڑھیوں پر ہی تھا کہ سیما نظر آگئی وہ میرا انتظار کرتی رہتی تھی۔

''ہیلو سیما۔''

''ہیلو انکل۔''

''کیسی ہو؟''

''بالکل ٹھیک کہاں سے آ رہے ہیں آپ۔''

''بس کاموں سے فارغ ہو کر۔ آؤ۔'' میں نے کہا اور سیما میرے ساتھ آ گئی۔ بڑی عمدہ باتیں کرتی تھی اس کے بھائی واقعی بودم تھے۔ سیما ان سے بالکل الگ معلوم ہوتی تھی۔

''اور کیا ہو رہا ہے سیما۔''

''بس انکل چھٹیاں گزر رہی ہیں۔''

''اوہ پڑھتی ہو تم۔ یہ تو تم نے بتایا ہی نہیں تھا۔''

''آپ نے کبھی پوچھا ہی نہیں۔''

''کون سی کلاس میں ہو۔''

''تیسری میں۔''

''تمہارے ابو سے ملاقات نہیں ہوئی آج تک۔''

''اتوار کو چھٹی ہوتی ہے۔ رات کو وہ دیر سے گھر آتے ہیں۔''

''رات تک کام کرتے رہتے ہیں۔''

''پتا نہیں، بس ہمیشہ رات کو آتے ہیں لیکن انکل رات کو ان کی حالت عجیب ہوتی ہے۔ آتے ہی بستر پر گر پڑتے ہیں۔ کپڑے بھی نہیں اتارتے۔ ایسے بولتے ہیں جیسے سو رہے ہوں مجھے بڑی ہنسی آتی ہے لیکن میں کچھ بولتی نہیں۔ امی کہتی ہیں جلدی سو جایا کروں۔ مگر کیا کروں نیند ہی جب آتی ہے جب ابو آ جاتے ہیں۔''

''اوہ۔'' میں نے تعجب سے کہا۔

''امی ان کے جوتے اتارتی ہیں اور وہ سوتے رہتے ہیں۔''





''ہوں۔'' میں نے گردن ہلائی سیما دیر تک مجھ سے گفتگو کرتی رہی۔ تب اچانک میں نے پوچھا۔

''سیما، تمہیں گھر کے معاملات سے بھی کچھ دلچسپی ہے۔''

''کیسے معاملات؟''

''مثلاً گھر کیسے سجاتے ہیں۔ اب اگر میں اس کمرے پر پردے ڈالوں تو کیسے رنگ کے ڈالوں۔'' میں نے پوچھا۔

''ان دیواروں کے رنگ سے مختلف اورنج اچھے رہیں گے۔'' سیما نے کہا۔

''بہتر ہے۔'' میں نے گردن ہلائی اپنی اس معصوم دوست کی خواہش کے مطابق میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ کمرے میں اورنج رنگ کے پردے ڈالوں گا۔ دوسرے دن میں پھر باہر نکل آیا۔ آٹھ کرایہ دار تھے۔ تین کرائے داروں سے وصولیابی ہو گئی دو نے وعدہ کر لیا۔ دو نے ٹال دیا اور پھر میں آخری کرائے دار کے گھر پہنچا چھوٹا سا خوبصورت بنگلہ تھا۔ میں نے بیل بجائی تو بوڑھی عورت نکل آئی۔

''جی فرمایئے۔''

''مسز قدوس موجود ہیں۔'' میں نے پوچھا۔

''جی ہاں، آیئے اندر آ جایئے۔'' عورت نے کہا اور میں جھجکتا ہوا اندر آ گیا۔ عورت نے مجھے ایک ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا اور خود باہر نکل گئی۔ عجیب بات تھی اس نے میرے بارے میں کچھ نہیں پوچھا۔

میں نے کمرے کے ماحول پر ایک نگاہ ڈالی مکین خاصے جدت پسند واقع ہوئے تھے۔ پتھر کا ایک برہنہ مجسمہ حشر سامانیوں کے ساتھ ایک کونے میں کھڑا تھا۔ دیواروں پر تصاویر لگی ہوئی تھیں جن میں کچھ نیم برہنہ تھیں۔ دیگر سامان آرائش بھی جدید ترین تھا۔

ان لوگوں پر بھی تین ماہ کا کرایہ باقی تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ اتنی اچھی حیثیت کے لوگوں نے نہ جانے کیوں کرایہ نہیں دیا۔ چند منٹ کے بعد کمرے میں چھریرے بدن کی ایک عورت ساڑھی

میں ملبوس داخل ہوئی۔ اس کی عمر تیس پینتیس کے درمیان ہوگی۔ اس پتلے کنارے والی ساڑھی میں وہ جاذب نگاہ نظر آتی تھی۔

''ہیلو۔'' اس کے ہونٹوں پر دل آویز مسکراہٹ پھیل گئی اور میں نے بے اختیار سلام کر ڈالا۔

''بیٹھو تمہاری صحت اچھی ہے۔ میں نے پہلے تمہیں نہیں دیکھا۔''

''جی میں نیا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''ہمارا پتا کس نے بتایا؟''

''جی، یوسف باگا صاحب نے۔''

''یوسف باگا۔'' عورت پرخیال لہجے میں بولی اور پھر چونک پڑی۔

''کون یوسف باگا ہمارے مالک مکان تو نہیں۔''

''جی میں کرائے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ آپ [illegible] یہ نہیں ادا کیا۔'' میں نے کہا اور صاف محسوس کیا کہ میرے الفاظ سے عورت کے چہرے پر ہلکی سی پیلاہٹ دوڑ گئی۔ پھر اس کی آنکھوں میں ناگواری کے تاثرات نظر آئے لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے اس کیفیت پر قابو پالیا اور مسکرانے لگی۔

''تو یہ بات ہے۔ خیر کسی لیے بھی آئے ہو آرام سے بیٹھو کیا پیو گے؟''

''جی بس شکریہ۔''

''چائے مناسب رہے گی وقت بھی ہے موقع بھی ہے شہزادی او شہزادی۔'' اس نے باہر کی طرف رخ کر کے کہا اور شہزادی اندر آگئی۔ وہی میلی کچیلی عورت جس نے مجھے باہر ریسیو کیا تھا۔ مجھے بے اختیار ہنسی آنے لگی تو اب شہزادیوں کی یہ شکل وصورت ہے میں نے دل میں سوچا۔

''جی بی بی جی۔'' اس نے کہا۔

''مہمان آئے ہیں کچھ چائے وغیرہ۔''

''ابھی لائی۔ شہزادی جھپاک سے باہر نکل گئی اور مسز قدوس میری طرف دیکھنے لگی۔

''مگر تم نئے ہو۔ کون ہو پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ میرا مطلب ہے باگا صاحب سے تمہارا کیا تعلق ہے؟''

''ان کی جائیداد کا منیجر ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

''خوب، ویسے باگا صاحب بھی خوب ہیں کون ہیں کہاں رہتے ہیں کیا کرتے ہیں کسی کو نہیں معلوم، کبھی کسی سے ملتے بھی نہیں۔''

''ہاں، وہ گوشہ نشین انسان ہیں۔''

''ہمارا پیغام دے دینا، ایک بار تو مل لیں۔''

''بہتر ہے کہہ دوں گا۔''

''کرائے کے بارے میں بھی ہمارا پیغام دے دینا ممکن ہو سکے تو سال میں ایک بار لے لیا کریں، ہمیں آسانی رہے گی۔''

''آپ نے پہلے ان سے یہ بات نہیں کہی۔''

''کبھی ملتے تب نا، اخبار میں اشتہار دیکھا۔ فون پر بات کی معاملات طے ہو گئے۔ اس کے بعد بس چیک جاتے رہے کوئی شکایت ہوئی تو فون کر لیا اور بس۔''

''اس کرائے کے بارے میں کیا حکم ہے۔''

''سال کے سال ملے تو کیا حرج ہے اور پھر تم منیجر ہو کچھ ہمارے بھی کام آؤ کہاں رہتے ہو؟''

عورت کا انداز عجیب تھا۔

''فریئر روڈ۔''

''اپنا مکان ہوگا۔''

''جی، جی ہاں۔''

''مکان مالکہ ہوگی، بچے ہیں؟''

''جی نہیں، ان دونوں میں سے کوئی نہیں ہیں۔''

''ہاں، پھر دل کیسے لگتا ہوگا۔ ماشاء اللہ بھرپور جوانی ہے۔ کاٹے نہیں کٹتی ہوگی۔ ارے کوئی ہے نشیمن، نشیمن، یہ لڑکیاں تو بس میں ابھی آئی۔'' وہ اٹھ گئی اور باہر نکل گئی۔ میں اس گفتگو اور اس انداز کے بارے میں غور کرنے لگا۔ نجانے کیوں مجھے ایک عجیب احساس ہو رہا تھا کوئی خاص بات ہے۔

عورت کئی منٹ تک واپس نہ آئی۔ پھر دروازہ کھلا اور ایک لڑکی ہاتھوں میں ٹرے اٹھائے اندر داخل ہوئی بڑی خوبصورت اور شوخ سی لڑکی تھی بغیر آستینوں والی قمیض اور شلوار پہنی ہوئی تھی۔ چہرے پر میک اپ تھا بال کھلے ہوئے تھے اور کوئی خوشبو بھی لگائی ہوئی تھی جس کی مہک میرے نتھنوں سے ٹکرا رہی تھی۔

میں نے نگاہیں جھکا لیں۔ اس نے ٹرے میرے سامنے رکھی جس میں چائے کی دو پیالیاں اور ایک پلیٹ میں بسکٹ رکھے ہوئے تھے اور پھر وہ میرے سامنے آ کر بیٹھ گئی۔ دوسرے لمحے اس کے منہ سے ایک ہلکی سی چیخ نکلی اور میں اچھل پڑا۔

''تو، توقیر صاحب۔'' اس کے منہ سے عجیب انداز میں نکلا آپ توقیر ہیں نا۔''

''جی نہیں، میرا نام فیضان ہے۔''

''توقیر پلیز، مذاق مت کرو۔ میں تمہیں لاکھوں میں پہچان سکتی ہوں۔ ممی نے بھی تمہارا نام فیضان ہی بتایا تھا۔ توقیر کب واپس آئے۔''

''آپ کو واقعی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میرا نام۔''

''توقیر خدا کے لیے میں خوشی سے مر جاؤں گی۔ بتاؤ تم کب آئے بتاؤ۔'' وہ میرے نزدیک آ گئی اور اس نے میری گردن میں ہاتھ ڈال دیئے۔

''دیکھئے آپ کو واقعی غلط فہمی ہو رہی ہے۔ میں قصور وار نہیں ہوں۔'' میں نے گھبرا کر اس کے ہاتھ اپنی گردن سے پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا۔

''توقیر۔'' لڑکی کے منہ سے ایک سسکی نکلی اور پھر دونوں ہاتھ منہ پر رکھ کر سسکیاں لینے لگی۔ میں



پریشان ہو گیا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں عورت واپس آ گئی تو کیا سوچے گی؟ ممکن ہے وہ کسی غلط فہمی کا شکار ہو جائے۔

''وہ، دیکھئے محترمہ اس میں میرا کیا قصور ہے۔ میں آپ سے جھوٹ نہیں بول رہا، میرا نام فیضان ہے۔''

''نہیں، نہیں خدا کے لیے دل نہ توڑو۔ کہہ دو تم توقیر ہو کہہ دو تم توقیر ہو، میں، مر جاؤں گی۔ بڑی مشکل سے میں نے تمہیں دل سے نکالا تھا۔ بولو اگر تم توقیر نہیں ہو تو یہاں کیوں آئے ہو۔'' وہ روتی ہوئی بولی۔

''کرایہ، خدا کی قسم کرایہ وصول کرنے۔''

''اللہ کے لیے مذاق مت کرو، مذاق مت کرو، توقیر مجھ پر رحم کھاؤ۔''

''میں توقیر نہیں ہوں۔'' میں نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور لڑکی نے چہرے سے ہاتھ ہٹا لیے اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ چہرے کی وہ شگفتگی غائب ہو گئی تھی جو چند ساعت قبل تھی۔

''تم توقیر نہیں ہو۔'' اس نے بھاری لہجے میں پوچھا۔

''جس طرح کہیں آپ کو یقین دلا دوں۔'' میں نے بے بسی سے کہا۔

''انسان تو ہو نا، یا انسان بھی نہیں ہو۔'' وہ بدستور اسی انداز میں بولی۔

''کیا مطلب۔'' میں نے کہا اور وہ اس طرح چونک پڑی جیسے اب تک خواب دیکھ رہی ہو اور پھر اس کی آنکھوں سے دوبارہ آنسو بہنے لگے۔

''معاف کیجئے گا جناب میں تو ہوں پاگل، اپنے ساتھ آپ کو بھی پریشان کیا۔ خدا کے لیے معاف کر دیں میں شرمندہ ہوں۔''

''آپ کو یقین تو آ گیا نا۔'' میں نے کسی قدر سنبھل کر کہا۔

''کس بات پر۔''

''یہی کہ میں سچ کہہ رہا ہوں۔ میں وہ نہیں ہوں جو آپ سمجھ رہی ہیں۔''

''ہاں دیوانی ہوگئی تھی بے اختیار ہوگئی تھی، خدا کے لیے مجھے معاف کردیں۔ مرنے والے کبھی واپس آتے ہیں، میں بھول گئی تھی۔''

''اوہ، تو کیا توقیر صاحب کا انتقال ہوگیا۔''

''ہاں، وہ لندن سے آرہے تھے۔ ہوائی حادثے کا شکار ہوگئے، اور، اور وہ۔'' پھر منہ ڈھانپ کر رونے لگی، میں بوکھلائے ہوئے انداز میں اسے دیکھتا رہا۔ کیا مصیبت تھی۔

''اوہ، چائے ٹھنڈی ہوگئی۔ میں بھی کیسی بے وقوف ہوں۔ خوامخواہ آپ کو پریشان کرڈالا چائے لیجئے جناب۔''

''آپ کی ممی کہاں گئیں؟ براہ کرم انہیں بلادیں۔''

''وہ پڑوس میں گئی ہیں ان کا بچہ بلانے آگیا تھا۔'' لڑکی نے جواب دیا اور میرے ذہن پر عجیب سی جھنجھلاہٹ طاری ہوگئی۔ مجھے کچھ دیئے بغیر پڑوس میں چلی گئی لیکن اس غمزدہ لڑکی سے کیا کہتا اس پریشانی میں تھا کہ وہ بولی۔

''آپ نے نام فیضان بتایا تھا نا؟''

''جی۔''

''فیضان صاحب میں آپ کے بارے میں کچھ جاننا چاہتی ہوں۔ براہ کرم مجھ سے تعاون کریں۔''

''کیا جاننا چاہتی ہیں؟''

''آپ کون ہیں، کہاں رہتے ہیں، کیا کرتے ہیں؟''

''افسوس یہ ساری باتیں میں آپ کی ممی کو بتا چکا تھا۔ آپ بھی سن لیں، جس مکان میں آپ اس وقت موجود ہیں۔ اس کے مالک کا ملازم ہوں اور تین ماہ کا بقایا کرایہ وصول کرنے آیا ہوں لیکن آپ کی ممی۔''

''اس سے قبل آپ کہاں تھے؟''



''کراچی کے فٹ پاتھوں پر۔'' میں نے جھنجھلائے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

''اور اس سے قبل۔'' لڑکی سے پھر اسی انداز میں پوچھا۔

''ماں کے پیٹ میں۔ میں نے جواب دیا اور وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔

''شاید آپ میرے سوالات سے جھلاہٹ محسوس کررہے ہیں۔''

''جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ کے سوالات کا جواب دے رہا ہوں۔'' میں نے بمشکل لہجے کو طنزیہ بنانے سے روکا اور لڑکی نے گردن جھکالی، دیر تک وہ اسی طرح گردن جھکائے بیٹھی رہی پھر ایک گہری سانس لے کر بولی۔

''کیا میں آپ کو توقیر کہہ سکتی ہوں؟''

''جی۔''

''جی ہاں، کیا میں آپ کو توقیر کہہ سکتی ہوں۔''

''خاتون میرا نام فیضان ہے میں آپ کو بتا چکا ہوں۔ پھر آپ مجھے توقیر کیوں کہیں گی؟''

''کہنے دو خدا کے لیے کہنے دو۔ ورنہ میں مرجاؤں گی تم میرے سامنے آئے ہی کیوں تھے؟''

''جی میں کرایہ وصول کرنے حاضر ہوا تھا۔''

''دیکھو، اتنے سخت لہجے میں گفتگو مت کرو، میں نے آخر تمہارا کیا بگاڑا ہے۔'' لڑکی کی التجا اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ ایک لمحے کے لیے میرا ذہن پگھلنے لگا میں نے سوچا کہ واقعی میں اس غمزدہ لڑکی کے ساتھ برا سلوک کررہا ہوں۔ اس کی آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں اور چہرے پر عجیب سا تاثر تھا اور اس تاثر نے مجھے آخر کار پگھلا ہی دیا۔ عورت نے جو کچھ کیا تھا اس لڑکی نے ٹھنڈا کر دیا۔ تب میں نے عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''لیکن آپ مجھے توقیر کے بارے میں کچھ اور نہیں بتائیں گی؟''

''کیا بتاؤں بس، ایک آوارہ سا جھونکا نکلا تھا جو آیا اور گزر گیا لیکن اپنے پیچھے وہ جو کچھ چھوڑ گیا اس نے مجھے خون کے آنسو رلا رکھا ہے۔''

''آپ کا دوست تھا؟''

''دوست ہی نہیں عزیز بھی تھا۔''

''کیا مطلب؟''

''میرا منگیتر تھا، پھر اس نے یہ دنیا چھوڑ دی اور میں تنہا رہ گئی۔ وہ ایک ہوائی حادثے کا شکار ہوگیا اور میری زندگی میں ویرانیاں پھیل گئیں، بڑی مشکل سے صبر کیا تھا، لیکن تمہارے آنے سے صبر کا یہ دامن بھی ہاتھ سے چھوٹ گیا اور اب، اب ایک بار پھر میں ویرانوں میں کھڑی ہوں۔'' مجھے افسوس ہے خاتون اور شدید افسوس ہے اس بات کا کہ میری شکل آپ کے دوست سے ملتی جلتی ہے۔

''صرف افسوس سے کام نہیں چلے گا۔ مجھے بتاؤ میں اب کیا کروں۔'' اس نے پوچھا۔

''میں کیا عرض کروں۔''

''تم آتے رہو گے؟'' اس نے سوال کیا۔

''جی ہاں، ہر ماہ آتا رہوں گا۔ کرایہ وصول کرنا ہی ہوگا۔''

''کرایہ، کرایہ، کرایہ کیا تمہارے پاس کرنے کے لیے اس کے علاوہ کوئی گفتگو نہیں ہے۔''

''جی بہت کچھ ہے لیکن کیا کروں ذمہ داری یہی ہے۔''

''اپنی ذمے داریوں کے خول سے کبھی نکل نہیں سکتے۔'' اس نے جھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''نکل سکتا ہوں۔''

''کب؟''

''جب آپ فرمائیں۔''

''تو پھر چلو۔''

''جی۔'' میں نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

''ہاں چلو، یہاں سے چلو۔''



''لیکن کہاں؟''

''کہیں بھی، سمندر کے کنارے، کسی ویران جگہ پر، جہاں میں دل بھر کے تمہیں دیکھ سکوں، تمہیں بہت عرصے سے نہیں دیکھا توقیر، بہت عرصے سے، اب تو میری آنکھیں پتھرا گئی ہیں لیکن اگر ان پتھرائی ہوئی آنکھوں میں دوبارہ آئے ہو تو پھر انہیں پتھروں میں تبدیل نہ کرو۔''

''لیکن محترمہ میری کچھ ذمے داریاں۔''

''لعنت بھیجو ان پر اٹھو۔'' اس نے میرا بازو پکڑ لیا اور میں اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔ سارا کرایہ وصول کرنا بھول چکا تھا۔ ایک بغل میں رجسٹر دبے ہوئے تھے اور دوسری بغل میں لڑکی۔ اس طرح میں اس خوبصورت سے بنگلے سے باہر نکل آیا۔

غمزدہ لڑکی کا دل بہلانے کے لیے میں تھوڑی دیر کے لیے سب کچھ بھول گیا تھا۔ یوں بھی وہ میرا آخری کام تھا یعنی اس کے بعد کسی اور کرایہ دار سے کرایہ نہیں وصول کرنا تھا اس لیے میں نے یہ تفریح اپنے فرض میں کوتاہی تصور نہیں کی۔

لڑکی نے ایک ٹیکسی روکی اور بادل نخواستہ میں اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ ذہن دہری کیفیت کا شکار تھا عورت سے دور ضرور رہا تھا لیکن قریب رہنے کی خواہش ذہن سے دور نہیں رہی تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ حالات نے کبھی اجازت ہی نہیں دی تھی لیکن اس وقت اس لڑکی کی معیت، اس کے قربت خوابوں کی وادیوں میں لے جا رہی تھی۔ نوکری ملی، فلیٹ ملا تھا اور اب یہ آخری خواہش بھی پوری ہونے جا رہی تھی۔ خوشی سے میرا سانس پھولنے لگا۔

لڑکی کے بدن سے بھینی بھینی خوشبو اٹھ رہی تھی اور ٹیکسی کلفٹن کی جانب دوڑ رہی تھی۔ اس نے ڈرائیور سے یہی کہا تھا۔

''توقیر۔'' چند ساعت کے بعد اس نے اچانک آواز دی۔

''جی۔'' میں چونک پڑا۔

''کیا سوچ رہے ہو؟''

''یہی کہ میں توقیر کیوں نہیں ہوں۔''

''تم توقیر ہی ہو۔''

''بہتر ہے لیکن آپ کون ہیں؟''

''نازنین۔''لڑکی نے جواب دیا۔

''خوب، مس نازنین، میں بے حد غریب انسان ہوں اپنے حالات کا شکار، آپ ایک اچھی حیثیت کی انسان ہیں۔ میرے ساتھ آپ کا یہ مذاق آپ کے لیے تو نہیں لیکن میرے لیے۔۔۔''

''مذاق۔''اس نے ایک سسکی سی لی اور میں سہم کر خاموش ہو گیا اگر وہ ٹیکسی ہی میں رونا شروع کر دیتی تو میں کیا کرتا خوامخواہ کی مصیبت گلے پڑ جاتی۔ ٹیکسی ڈرائیور نجانے دل میں کیا سوچتا۔

''خوب اسے مذاق کہتے ہیں۔''وہ ناک شوں شوں کرتی ہوئی بولی۔

''صاحب اولڈ کلفٹن چلیں گے یا نیو کلفٹن۔''

ڈرائیور نے درمیان میں دخل دیا اور یہاں میں نے فوراً ذہانت کا ثبوت دیا۔

''اولڈ کلفٹن۔''میں جلدی سے بولا میں جانتا تھا کہ نیو کلفٹن کے مقابلے میں اولڈ کلفٹن بہت سستا تھا کیونکہ یہاں نہ تو کوئی عمدہ ہوٹل ہے اور نہ وہ تفریحی مشغلے جو اچھے خاصے مہنگے پڑ جاتے ہیں۔

ڈرائیور نے دوشاخی سڑک سے ٹیکسی اولڈ کلفٹن کی جانب موڑ دی۔ نازنین ناک پر رومال رکھے شوں شوں کر رہی تھی۔ میں نے اس وقت تک اسے نہ چھیڑا جب تک ٹیکسی اولڈ کلفٹن پر نہ پہنچ گئی۔

''ویٹ کرو۔''نازنین نے ڈرائیور سے کہا اور ڈرائیور نے گردن ہلا دی۔ تب اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور آگے بڑھ کر اس جگہ پہنچ گئی۔ جہاں سے ساحل کا نظارہ کیا جا سکتا ہے پھر وہ گھاس پر بیٹھ گئی اور میرے ہاتھ کی انگلیاں پکڑ کر اس نے مجھے بھی بٹھا لیا۔

''توقیر یہ ہماری مخصوص جگہ ہے کیا تم بھول گئے۔''

اس نے سوال کیا اور میں جھلا گیا۔

''مس نازنین میں بھی آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔''

''کہو۔''وہ بولی۔

''دیکھیے میرا نام فیضان ہے۔ آپ خوابوں میں بھٹکنے والی ہیں لیکن میں اس دنیا کا باسی ہوں اور حقیقت پسند ہوں۔ میں اس جیتی جاگتی دنیا میں رہتا ہوں۔ چنانچہ خوابوں میں تو نہیں بھٹک سکتا مجھے اگر کسی کی توجہ بھی ہے اور کسی کے حوالے سے تو ظاہر ہے یہ بات میرے لیے قابل قبول نہیں ہے۔ مس نازنین آپ کو ان خوابوں سے نکلنا ہوگا اگر آپ مجھے میری اپنی حیثیت میں زندہ دیکھنا چاہتی ہیں تو بہتر یہ ہے کہ آپ مجھ سے فیضان کی حیثیت سے گفتگو کریں میں فیضان ہوں۔ فیضان ہی رہوں گا۔ توقیر نہیں بن سکتا۔''

''اوہ۔''اس نے میری جانب دیکھا اور پھر دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا۔

''مگر، مگر تم توقیر کی شکل کے کیوں ہو۔''

''بس یہ میری بدقسمتی ہے۔''

''نہیں، نہیں تو قیر نہیں فیضان۔''اس نے آہستہ سے کہا۔

''براہ کرم آپ مجھے فیضان ہی کہیں اگر آپ مجھے فیضان کے نام سے یاد رکھیں گی تو میں دوبارہ بھی آپ سے ملنے کی جرات کر سکوں گا۔ لیکن اگر آپ نے مجھے توقیر سمجھا تو مس نازنین میں دوبارہ آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوں گا۔''

''فیضان۔''اس نے میرے بازو پر ہاتھ رکھ دیا اور میں بہت کچھ بھول گیا۔ میں یہ بھول گیا کہ میں یوسف باگا کا ملازم ہوں اور نازنین کی ماں سے کرایہ وصول کرنے آیا تھا لیکن اس کے بعد اولڈ کلفٹن پر بیٹھا ہوا ہوں۔ پھر تو میں نے بہت ساری باتیں کیں نازنین سے۔ اس نے مجھ سے میرے بارے میں تفصیلات پوچھیں اور میں نے اس سے اس کے بارے میں۔ اس کی زندگی میں تو کچھ نہیں تھا۔ سادہ سادہ سی لڑکی تھی باپ مر چکا تھا۔ ماں اور دو بہنوں کے ساتھ زندگی گزار رہی تھی۔ وسائل آمدنی بہت ہی کم تھے۔ اس کی ماں نے کچھ بینکوں میں کچھ رقم

ڈپازٹ کرائی ہوئی تھی جن کا منافع آتا تھا اور یہ معمولی سا منافع ان کی زندگی گزر بسر کرنے کا ذریعہ تھا۔ اس کے علاوہ ان کی کوئی آمدنی نہیں تھی۔ میں نازنین کے حالات سنتا رہا اور مجھے خاصا افسوس ہوا۔

''میرے اپنے وسائل تو اتنے بھی نہیں ہیں کہ اپنی پسند کی کچھ چیزیں خرید سکوں۔'' نازنین نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

''اوہ مجھے افسوس ہے۔''

''توقیر میرے بہت اچھے دوست تھے۔ وہ اکثر مجھے تحائف دیا کرتے تھے اتنے پیار سے میرے لئے چیزیں خریدتے تھے کہ میں تمہیں کیا بتاؤں فیضان، لیکن اب، اب میں انہیں بھول جاؤں گی۔ ان کی شکل میں تم مجھے مل گئے ہو۔'' اس نے آگے بڑھ کر میرے سینے پر سر رکھ دیا اور میں زندگی کی ان تمام مسرتوں سے روشناس ہونے لگا جو عورت کے تصور سے مرد کے ذہن میں بیدار ہوتی ہیں۔

مجھے یوں لگا جیسے نازنین ہمیشہ ہمیشہ سے میری زندگی میں ہے اور اس سے قبل کبھی کسی تکلیف کا کبھی کسی مایوسی کا میری زندگی میں دخل نہیں رہا۔ تقریباً دو گھنٹے ہم لوگ اولڈ کلفٹن پر رہے پھر نازنین نے اپنے ہاتھ پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

''اٹھیں بہت وقت ہوگیا۔''

''ارے ہاں، ٹیکسی ڈرائیور بھی تو ہمارا انتظار کر رہا ہوگا۔'' میں نے چونک کر کہا۔

''ہاں لیکن ابھی ہم صدر چلیں گے۔ صدر میں کسی اچھے سے ریستوران میں کھانا کھائیں گے پھر گھر جائیں گے۔'' نازنین نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی ایک لمحے کے لیے مجھے احساس ہوا کہ اولڈ کلفٹن جا کر میں نے جو کچھ بچایا تھا۔ اس کا اب کچھ ڈبل ہی پروگرام ہو رہا ہے۔ میرا ذہن پریشان ہونے لگا۔ ابھی میری اتنی حیثیت نہیں تھی کہ میں یہ تمام اخراجات برداشت کر سکتا حالانکہ وصول شدہ رقم کافی تھی لیکن پھر ایک اور خیال میرے ذہن میں آیا۔ یوسف باگا نے مجھے



فرنیچر خریدنے کے لیے کچھ رقم دی تھی اگر میں اس میں سے کچھ اس مد میں خرچ کر لیتا تو کیا حرج تھا۔ فرنیچر ایسا خرید لوں گا جو ذرا سستا ہوگا۔ بہرصورت اب یہ سب کچھ تو نبھانا ہی تھا۔ نازنین جیسا حسین ساتھی مل جائے تو اس کے بعد اور کیا چاہیے چنانچہ میں نے یہ غم بھی برداشت کر لیا۔ ٹیکسی ڈرائیور کو جو کچھ دینا پڑا اسے دے کر میں دل ہی دل میں کوفت محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔ کاش ٹیکسی چھوڑ دی جاتی تو اتنی رقم فضول نہ جاتی۔ دوسری ٹیکسی لینے کے بعد کرایہ صرف چالیس پچاس روپے دینا پڑتا۔

صدر کے ایک درمیانے درجے کے ریستوران کے ایک کیبن میں ہم دونوں جا بیٹھے۔ نازنین نے خود ہی مینو دیکھ کر کھانے کا آرڈر دیا اور میں سہما سہما اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہوگیا۔ اس دوران نازنین اپنی زندگی کے دلچسپ قصے سناتی رہی اور میں ان قصوں پر ہنستا رہا لیکن اندرونی کیفیت سے میں خود ہی واقف تھا اور کون اس کیفیت کو جان سکتا تھا۔ ایک طرف نازنین کے قرب کی خواہش تھی تو دوسری طرف خرچ ہونے والی رقم کے حساب کا غم، تاہم یہ کڑوی گولیاں کچھ کڑوے نوالے نگلنے ہی پڑ رہے تھے۔

خوب رات ہوگئی جب ہم یہاں سے اٹھے، نازنین خوش نظر آ رہی تھی۔

''اب تم مجھے گھر چھوڑ دو۔'' اس نے کہا اور باہر نکل کر ایک ٹیکسی روک لی ہوٹل کا بل چار سو روپے دینا پڑا تھا۔ حالانکہ ہمارے سامنے سے جو کچھ بچ کر گیا تھا وہ اتنا تھا کہ میں تین دن تک اس میں گزارہ کر سکتا تھا۔

لیکن۔۔۔۔۔

پھر ہم ٹیکسی میں بیٹھ کر چل پڑے۔ راستے میں نازنین نے مجھ سے پوچھا۔

''اب کب ملاقات ہوگی ڈیئر فیضان؟''

''کیا کروں نازنین، مصروفیات بے پناہ ہیں کیا تمہارے گھر فون موجود ہے؟''

''ہاں میرا نمبر نوٹ کر لو۔''

''بتاؤ۔'' میں نے کہا اور اس نے اپنا فون نمبر دے دیا۔

''تمہارے پاس فون نہیں ہے؟''

''اوہ نہیں، میں نے کہا نا کہ میں ایک غریب آدمی ہوں۔''

''میری محبت پانے کے بعد بھی تم غریب ہو۔'' اس نے سوال کیا اور دل چاہا کہ کہہ دوں کہ تمہاری محبت پانے کے بعد غریب ہی نہیں فقیر بھی ہو سکتا ہوں لیکن بہر حال یہ جملے نہ کہہ سکا اور ہنس کر خاموش ہو گیا۔

''بولو اب کب ملو گے؟''

''فرصت ملتے ہی فون کر دوں گا۔''

''وعدہ۔''

''پکا وعدہ۔'' میں نے جلدی سے جواب دیا۔ تب ٹیکسی اس کے بنگلے پر پہنچ گئی۔ تب اچانک اس نے کہا۔

''ممی سے مکان کا کرایہ لینے آئے تھے نا؟''

''ہاں۔'' مجھے بھی یاد آ گیا اور میں جلدی سے ٹیکسی سے اترنے لگا۔

''اوں ہوں۔ ابھی انہیں شرمندہ نہ کرو۔ بینک نے ابھی ہماری رقم نہیں دی ہے۔ ممی کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ تم ایسا کرنا یہ معمولی سی رقم اپنے پاس سے دے دینا ممی کو کہاں پریشان کرو گے۔ اچھا بائی، مجھے فون ضرور کرنا۔''

میں ساکت و جامد رہ گیا۔ تین ماہ کا کرایہ میں ادا کروں۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، پھر کیا کروں۔

''کہاں چلوں صاحب۔'' ڈرائیور کی آواز نے مجھے چونکا دیا اور میں جلدی سے ٹیکسی سے نیچے اتر گیا ڈرائیور کو بل ادا کیا۔

اور پھر بس میں بیٹھ کر فریئر روڈ آ گیا۔ چونکہ رات زیادہ ہو چکی تھی اس لیے سیما بھی میرا انتظار نہیں



کر رہی تھی۔ میں فلیٹ کا دروازہ کھول کر خاموشی سے اندر داخل ہو گیا اور تھکا تھکا سا بستر پر جا گرا۔

میرا ذہن چیخ رہا تھا۔ کسی حسین نوجوان اور خوبصورت لڑکی کے قرب کی خواہش میرے ذہن میں بے شمار انگڑائیاں لے چکی تھی لیکن حالات نے کبھی اتنی اجازت نہیں دی تھی۔ آج یہ خواہش یہاں تک پوری ہو گئی تھی لیکن حالات آج بھی میری ٹانگ پکڑ رہے تھے۔ تقریباً نو سو روپے خرچ ہو گئے تھے۔ ان نازنین صاحبہ نے فرمایا تھا کہ ممی کو ڈسٹرب نہ کروں اور کرایہ خود ہی بھر دوں۔ ایک سال تک بلا معاوضہ نوکری کروں تب کہیں جا کر یہ کرایہ پورا ہو گا۔ دماغ خراب ہوا ہے ان نازنین صاحبہ کا۔ نہیں محترمہ میں آپ سے عشق نہیں کر سکتا، ابھی کچھ اور انتظار کرنا ہو گا۔

دل رو رہا تھا لیکن یہ فیصلہ تو کرنا ہی تھا۔ اس کے علاوہ چارہ کار ہی کیا تھا اور اب میں سونے کی کوشش کرنے لگا۔

دوسری صبح دروازہ بند کر کے بقیہ کام کرنے بیٹھ گیا اور پھر شام تک لگا رہا۔ انتہائی جانفشانی سے میں نے اپنا کام انجام دے دیا اور اب چھٹی تھی۔ لیکن تیسرے دن میں نے اپنے فلیٹ کے سامنے والے میڈیکل اسٹور سے پھر یوسف بابا کو فون کیا جو ریسیو کر لیا گیا۔

''تمام رجسٹر چیک کر لیے۔''

''جی ہاں۔''

''کرائے وصول کر لیے۔''

''تقریباً صرف چند لوگ رہ گئے ہیں جن میں سے کچھ نے مہلت مانگی ہے۔''

''ہوں، پھر اب کیا چاہتے ہو؟''

''آپ کا حکم جناب۔''

''وہ چیزیں خرید لیں جن کے بارے میں کہا تھا۔''

پوچھا گیا۔

''جی ابھی نہیں۔''

''تب آج خریداری کر ڈالو اور کل صبح میرے پاس آجاؤ۔''

''جی بہتر۔'' میں نے جواب دیا اور دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا۔ میں نے ریسیور رکھا اور اسٹور سے نکل آیا۔ پھر فلیٹ جانے کے بجائے میں فرنیچر کی تلاش میں نکل گیا۔ بازار میں چیزوں کے دام معلوم کیے اور پھر ذہن میں ایک اور خیال آیا کیوں نہ پرانا فرنیچر تلاش کروں۔ سستا مل جائے گا اور میں پرانے فرنیچر کی مارکیٹ میں چلا گیا۔ یہاں سے میں نے چھ سو روپے کی نفیس میز خریدی ایک سو ساٹھ روپے کی کرسی، چھ سو ساٹھ روپے کا صوفہ اور تین سو روپے کا پردے کا کپڑا اور پھر اس سامان کو لے کر فلیٹ آ گیا۔ ریڑھے والے نے ہی سامان اوپر چڑھایا جس کے چالیس روپے ادا کرنے پڑے۔

اور پھر بقیہ دن یہ چیزیں درست کرنے میں لگ گیا۔ نیچے ہی درزی کی دکان تھی جس سے پردے بھی سلوا کر ڈال لیے یوں کام چل گیا تھا۔ دل چاہا کہ باقی پیسے گول کر جاؤں آسانی سے بات بن سکتی ہے لیکن نہ جانے کیوں دل نے قبول نہیں کیا۔ یوسف باگا جیسے مہربان شخص کو فریب دینا اچھی بات تو نہیں۔

دوسرے دن میں سارے رجسٹر وغیرہ سنبھال کر چل پڑا اور ایک بار پھر میں اس پراسرار عمارت میں داخل ہو رہا تھا جو کسی طور پر آباد عمارت نہیں کہی جا سکتی تھی۔ میری منزل وہ ڈرائنگ روم ہی تھا۔ تب وہی شناسا سا آواز ابھری۔

''فیضان۔''

''حاضر ہوں جناب۔''

''سب خیریت ہے نا۔''

''جی ہاں۔''

''میں تمہارا انتظار کر رہا تھا۔''



''شاید مجھے دیر ہو گئی جناب۔''

''نہیں میرا یہ مقصد نہیں ہے، اپنے فلیٹ میں تم خوش ہو۔''

''بے حد جناب۔''

''رجسٹر چیک کر لیے کہیں کوئی گڑبڑ تو نہیں ہے۔''

''دو تین جگہ ہے جناب، میں نے سرخ پین سے ریمارکس دے دیئے ہیں۔''

''خوب کرایوں کی وصولیابی کی کیا پوزیشن ہے۔''

سوال کیا گیا۔

''کیا کہا ہے ان لوگوں نے۔''

''معذرت کی ہے اور وعدہ کیا ہے کہ تھوڑے عرصے میں ادائیگی کر دی جائے گی۔''

''کوئی ایسا شخص تو نہیں رہا جس نے دھاندلی کرنے کی کوشش کی ہو۔''

''جی نہیں ایسا کوئی نہیں ہے، سب ہی نے تھوڑے عرصے کی مہلت طلب کی ہے۔'' میں نے جواب دیا اور چند لمحات کے لیے خاموشی چھا گئی پھر سوال کیا گیا۔

''کیا تم نے فلیٹ کے لیے فرنیچر خرید لیا۔''

''جی ہاں ضروریات کی جو چیزیں تھیں وہ میں نے خرید لی ہیں۔''

''کتنے پیسے خرچ ہوئے۔''

''جناب۔ تقریباً پندرہ سو۔''

''کیسے۔'' تعجب سے پوچھا گیا۔

''میں نے تمام چیزیں پرانے فرنیچر سے خریدی ہیں نئی تو بہت مہنگی تھیں، بہرحال وہ چیزیں ایسی ہیں جنہیں محسوس نہیں کیا جا سکتا، پالش وغیرہ کرنے کے بعد وہ بالکل نئی جیسی نظر آنے لگی ہیں۔''

''اچھا بہت عمدہ، تو ٹھیک ہے تم یہ رجسٹر اور رقم وغیرہ اس میز پر رکھ دو جو اندرونی کمرے میں پڑی ہوئی ہے اور اس کے بعد آرام کرو، دو دن تک آنے کی ضرورت نہیں ہے، آج سے ٹھیک تیسرے

دن آ جانا۔''

''بہت بہتر جناب، ایک چھوٹی سی گزارش ہے۔''

''ہاں ہاں کہو کیا۔''

''کچھ روپے میرے پاس خرچ ہو گئے ہیں ایک اتفاقیہ خرچ آ پڑا تھا اس لیے معذرت خواہ ہوں، میری تنخواہ میں سے کاٹ لیجیے۔''

''ٹھیک ہے لیکن وہ اتفاقیہ خرچ کیا تھا۔''

''بس جناب ایک دوست سے ملاقات ہو گئی اس کے ساتھ کچھ وقت گزارا۔''

''کیا وہ تمہارا کوئی پرانا دوست تھا۔''

''جی ہاں بہت پرانا، اس وقت کا جب میں ملازم نہیں تھا میں نے جواب دیا اور ایک لمحے کے لیے پھر وہی خاموشی طاری ہو گئی جس کے بارے میں میرا اندازہ تھا کہ کسی غلط بات پر طاری ہو جاتی ہے۔ ''لیکن فیضان فرنیچر کی مد میں، میں نے تمہیں اپنی مرضی سے خرچ کرنے کے لیے کہا تھا تم اگر چاہتے تو یہ پیسے اس مد میں سے نکال سکتے تھے میں کون سا دیکھنے گیا تھا۔''

''اوہو جناب کیا میرے اور آپ کے درمیان ایک بات نہیں ہوئی تھی آپ نے کہا تھا کہ میں آپ سے جھوٹ نہ بولا کروں۔''

''ہاں کہا تو تھا میں نے۔''

''تو پھر یہ مناسب نہیں تھا اور اس کے علاوہ میں ایمانداری سے کام کرنا چاہتا ہوں۔''

''فیضان جھوٹ بولنا واقعی مناسب نہیں تھا، ہاں اگر تم انہیں حساب میں ضم کرنے کی کوشش کرتے تو یہ بات میرے لیے تکلیف دہ ہوتی لیکن اس کے باوجود تم نے جھوٹ بولا ہے۔''

''جی۔'' میں نے حیرانی سے کہا۔

''ہاں اس کے باوجود تم نے کچھ باتیں مجھ سے چھپائی ہیں، مثلاً کرائے داروں کے بارے میں تم نے کہا ہے کہ سب نے تم سے تعاون کیا ہے اور جس نے کرایہ نہیں ادا کیا ہے اس نے بھی ادا



کرنے کی بات کی ہے۔

''ج۔۔۔جی ہاں۔''

''مسز قدوس نے بھی تم سے یہی کہا تھا؟'' سوال کیا گیا اور میرے ذہن میں زبردست گرج ہوئی میں ششدر رہ گیا۔ ''بولو کیا اس نے بھی کوئی ایسا ہی وعدہ کیا ہے؟''

''نہیں جناب۔''

''اور یہ روپے کسی پرانے شناسا پر خرچ ہوئے ہیں؟''

سوال کیا گیا اور مجھے ایک عجیب سی وحشت سے دوچار ہونا پڑا تھوڑی دیر تک میں پریشان رہا پھر میں نے جواب دیا۔

''نہیں۔''

''بیٹھ جاؤ۔'' نرم لہجے میں کہا گیا۔ ''میں تمہیں بتاؤں کہ تم کیا کرتے رہے ہو، تم مجموعی حیثیت سے ایک شریف اور ایماندار انسان ہو اور میں تمہیں پسند کرتا ہوں، تمہاری ذات سے پوری طرح مطمئن ہوں اور جہاں تک مسز قدوس کا معاملہ ہے تو اس بارے میں مجھ سے سنو مسز قدوس کا کوئی وجود نہیں ہے اور نہ کبھی تھا بس اس عورت نے اس نام سے اپنے آپ کو مشہور کیا ہوا ہے، دو لڑکیاں بھی اس کے ساتھ رہتی ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی اس کی بیٹی نہیں ہے، مسز قدوس اس معاشرے کی ایک گھناؤنی تصویر ہے، غلط کاروبار کرتی ہے اور یہ دونوں لڑکیاں اس کے کاروبار کا ذریعہ ہیں، اس سے قبل وہ لڑکیاں باقاعدگی سے ادائیگی کرتی رہی ہے لیکن ان دنوں گورنمنٹ کی سختی کی وجہ سے اس کا کاروبار نہیں چل رہا اس لیے وہ کرایہ ادا نہیں کر سکی جب تم اس سے کرایہ وصول کرنے گئے تو پریشان ہو گئی پھر اس نے تمہیں بے وقوف بنانے کے لیے اس لڑکی کا سہارا لیا اس نے تمہیں کسی فرضی توقیر کی کہانی سنائی اور تم اس کے ساتھ کلفٹن گھومنے چلے گئے۔''

میرا ذہن سائیں سائیں کر رہا تھا، میں سوچ رہا تھا کہ اسے اتنی تفصیل کیسے معلوم ہو گئی کیا وہ میرا تعاقب کرتا رہا ہے لیکن یہ کیسا تعاقب تھا اس نے تو میری گفتگو کے بارے میں بھی اندازہ لگا لیا

تھا۔ میرا ذہن بری طرح منتشر ہو گیا۔

نازنین کی حقیقت کھل کر سامنے آگئی تھی میں خود بھی اس کی باتوں کی روشنی میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ مجھے بے وقوف بنا رہی تھی اور اس طرح اس نے مجھے الجھن میں پھنسا دیا تھا لیکن اسے یہ سب کچھ کیسے معلوم ہو گیا وہ کیسے یہ ساری باتیں جان گیا یہ آخر یوسف باگا ہے کون۔

اس پریشانی کے عالم میں، میں خاموش بیٹھا رہا میری جرات نہیں پڑتی تھی کہ اس سے کوئی سوال کروں، دوسری طرف بھی خاموشی چھائی ہوئی تھی پھر یوسف باگا کی آواز ابھری۔

''میرے دوست ابھی تم نوجوان ہو تمہارے بارے میں جہاں تک میری رائے ہے تم نے ابھی زندگی کے نشیب و فراز کا ایک بہت ہی مختصر کونا دیکھا ہے۔ اس وسیع دنیا میں بہت سے لوگ رہتے ہیں جو تم سے انتہائی کم عمر ہیں لیکن تجربات کی ان منازل سے گزر چکے ہیں جن سے گزر کر سونا کندن بن جاتا ہے مثلاً اس لڑکی کی بات اس نے کتنی خوبصورت اداکاری کر کے تمہیں یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ اس کا تعلق کسی شریف خاندان سے ہے اور وہ کسی ایسے نوجوان سے محبت کرتی تھی جو ہوائی حادثے میں ہلاک ہو چکا ہے کیا تم اس کی باتوں میں نہیں آگئے تھے۔ مجھے جواب دو۔''

''جی ہاں۔ میں اس کی باتوں میں آگیا تھا۔''

''کیا تم نے یہ بات نہیں مان لی تھی کہ وہ ایک غمزدہ دکھی لڑکی ہے۔''

''جی جناب میں نے مان لیا تھا۔''

''کیا تم اس سے متاثر نہیں ہو گئے تھے؟''

''ہو گیا تھا جناب۔''

''تو کیا تم اسے اس کی ذہانت اور تجربہ کاری نہیں کہو گے۔''

''جی ہاں اب تو یہی کہنا پڑے گا۔'' میں نے ایک گہری سانس لے کر جواب دیا۔

''میں تم سے یہی کہنا چاہتا تھا فیضان کہ مکر و فریب کی اس دنیا میں بڑی ذہانت سے گزارا کرنا ہو گا



ورنہ قدم قدم پر تمہیں کھا جانے والے ملیں گے تمہیں ان کا نوالہ بننے میں کوئی دقت نہیں ہو گی چنانچہ ان کے مقابلے میں اپنی ذہانت بھی استعمال کرو۔''

''جی۔'' میں نے افسردگی سے کہا۔

میں تمہاری کیفیات کو سمجھتا ہوں فیضان، مجھے علم ہے کہ تم نے شروع میں اسے نظر انداز کیا تھا لیکن وہ خود تمہارے پیچھے پڑ گئی۔''

''یہ حقیقت ہے جناب۔''

''محرومیوں کے شکار ایک انسان کی حیثیت سے بالآخر تم اس سے متاثر ہو گئے اور اس کی وجہ سے پریشان ہی رہے۔''

''جی ہاں یہ بھی ایک حقیقت ہے۔''

''لیکن اس کے بعد تمہیں ہوشیار ہو جانا چاہئے۔ اس دنیا میں قدم قدم پر تمہیں ایسے لوگوں سے واسطہ پڑے گا یہ بات نہیں کہ یہاں اچھے لوگ نہ ہوں، لیکن غلط لوگوں کی تعداد زیادہ ہے اور ان سے بچنا ضروری ہے۔''

''جی آئندہ خیال رکھوں گا لیکن۔۔۔''

''لیکن کیا۔''

''گستاخی تصور نہ کریں تو ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔''

''کرو۔''

''آپ کو یہ ساری باتیں کیسے معلوم ہوئیں۔''

''ہاں اچھا سوال ہے تم نے اس کی جرات کی یہ تمہاری جرات مندی کی دلیل ہے لیکن کیا اس کا جواب ضرور چاہتے ہو۔''

''اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو۔''

''فرض کرو میں تمہیں نہ بتانا چاہوں اور تمہاری اس بات کو ناپسند بھی کروں۔''

"یہ آپ کی مرضی ہے جناب لیکن میرے ذہن میں تجسس رہے گا۔"

"ہوں تم اس تجسس کو دور کرنا چاہتے ہو۔"

"جی۔"

"لیکن تمہیں اس کے لیے ایک وعدہ کرنا ہوگا۔"

"کیا جناب۔"

"میرے بارے میں تم کسی اور کو نہیں بتاؤ گے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں جناب۔"

"اور اس وعدے کو توڑنے کی صورت میں میں کبھی تمہیں معاف نہیں کروں گا اور اگر دوسروں کو میرے بارے میں علم ہوگیا فیضان میرے اور تمہارے درمیان سے دوستی اور مفاہمت کے سارے رشتے ختم ہو جائیں گے اس کے بعد ہماری دشمنی کی ابتداء ہوگی۔ بولو منظور ہے۔"

"جی منظور ہے۔"

"ہوں۔" چند ساعت خاموشی رہی اور پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ "دوسرے کمرے سے گزر کر اندرونی کمرے میں آجاؤ۔" اور میں چونک پڑا آواز بند ہوگئی تھی۔ لیکن میرے بدن میں سنسنی کی لہریں دوڑ رہی تھیں ایک لمحے کے لیے خوف کا احساس بھی ابھرا تھا آج تک جس پراسرار آواز کو سنتا رہا تھا آج وہ میرے سامنے انسانی شکل میں آنے والی تھی اس نے اپنی کسی بیماری کا تذکرہ کیا تھا ایسی بیماری جس کی وجہ سے وہ دوسروں کے سامنے نہیں آنا چاہتا تھا۔

دیر کرنا کسی طور مناسب نہیں تھا، میں دوسرے کمرے میں داخل ہوگیا اور پھر پہلی بار میں نے اس کمرے میں قدم رکھا جس کے بارے میں مجھے کوئی معلومات نہیں تھیں کمرہ بالکل تاریک تھا میں دروازے میں ٹھٹک گیا۔

"دروازے کے قریب سوئچ بورڈ ہے روشنی کر دو۔"

بھاری آواز نے کہا لیکن اس بار یہ آواز مجھے بالکل قریب محسوس ہوئی تھی میں نے لرزتے ہاتھوں



سے سوئچ بورڈ پر لگا ہوا بٹن دبا دیا اور کمرے میں روشنی پھیل گئی میں نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے سامنے دیکھا ایک مسہری پر ایک۔۔۔ ایک انسانی ڈھانچہ پڑا ہوا تھا۔

ہاں اسے جیتا جاگتا انسان کہنا سخت مشکل تھا۔ گوشت پوست سے تقریباً عاری آنکھیں تھیں لیکن حلقوں کے آخری حصوں میں چمک رہی تھیں گالوں کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں اور گوشت اتنا اندر تھا کہ نظر ہی نہیں آرہا تھا یہی حالت باقی بدن کی تھی وہ سو فیصدی کوئی استخوانی ڈھانچا نظر آرہا تھا۔

میرے بدن میں سرد لہریں دوڑ رہی تھیں۔ "وہ کرسی میرے نزدیک گھسیٹ لاؤ۔" ڈھانچے کے حلق سے وہی بھاری آواز نکلی۔ اس آواز کو سن کر یہ احساس ہوتا تھا کہ وہ کسی بھاری بھرکم شاندار شخصیت کے مالک شخص کی آواز ہوگی لیکن۔۔۔۔

بہرحال میں نے ہمت کر کے کرسی پلنگ کے نزدیک گھسیٹ لی اور پھر بیٹھ گیا۔

"مجھ سے خوفزدہ ہو۔" آواز ابھری۔

"نن نہیں تو۔"

"پھر جھوٹ۔" اس کے حلق سے کھنکھتی ہوئی سی آواز نکلی۔

"نہیں، لیکن حیران ضرور ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"میں زندہ ہوں اور تم سے جھوٹ نہیں بول رہا۔"

"لیکن جناب آپ کی یہ حالت۔"

"میں نے تم سے اپنی بیماری کا تذکرہ کیا تھا۔"

"جی ہاں لیکن آپ اس قدر کمزور ہیں آپ تو اٹھ بھی نہیں سکتے ہوں گے۔" میری ہمت واپس آگئی تھی۔

"ہاں یہ حقیقت ہے۔"

"لیکن یہ کیسی بیماری ہے اور آپ نے اس کا علاج کیوں نہیں کرایا۔"

"یہ ایسی بیماری ہے میرے دوست جس کا مجھے انتظار تھا۔" یوسف باگا نے گہری سانس لے کر

جواب دیا اور میں حیرانی سے اسے دیکھنے لگا۔

''میں نہیں سمجھ سکا۔''

''تفصیل سنو گے۔'' اس نے شاید مسکرانے کی کوشش کی تھی۔

''ضرور سنوں گا اور پہلے یہ بات جاننا پسند کروں گا کہ آپ اس قدر لاغر اور کمزور ہونے کے باوجود ان باتوں سے واقف کس طرح ہوئے۔''

''ہوں میری جسمانی قوتیں کھو چکی ہیں لیکن روحانی قوتیں جسمانی قوتوں سے ہزار گنا زیادہ بڑھ گئی ہیں۔''

''کیا مطلب۔''

''کچن میں کافی کا سامان موجود ہے؟'' اس نے ایک بے تکا سا سوال کیا جو میری سمجھ میں نہیں آیا اور میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ پھر بولا۔

''کافی پیو گے؟''

''اوہ جناب' کیا آپ پینا پسند کریں گے اگر آپ پئیں تو میں بنا کر لاؤں۔''

''نہیں آج میں بناؤں گا۔ اس نے کہا اور میں ایک دم خاموش ہو گیا، میں اسے اٹھتے دیکھنا چاہتا تھا تب وہ بولا۔

''اور اپنی ذہنی قوت سے بناؤں گا۔ اس طرح دو فائدے ہوں گے' تمہیں کافی مل جائے گی اور میں اپنی ذہنی قوت کا مظاہرہ کر سکوں گا۔ تم محسوس کرو کہ اب میں نے اپنی ذہنی قوت کچن کی طرف منتقل کر دی ہے چائے کی کیتلی اپنی جگہ سے ہٹی اور پانی کے نل کے نیچے پہنچ گئی پانی کا نل کھل گیا' کیتلی میں حسب ضرورت پانی پہنچ گیا ہے اور اب وہ پرواز کرتی ہوئی چولہے پر پہنچ گئی ہے ماچس اوہ ماچس تم نے شاید چولہے کے اوپر کارنس پر رکھ دی تھی چولہا روشن ہو گیا ہاں ذرا کافی کی پیالی بھی صاف کر لی جائے گرد اڑتی ہے۔ پانی کھول رہا ہے کافی کا ڈبہ کہاں ہے یہ کافی یہ دودھ اور یہ شکر اور کافی تیار ذرا یہ میز ادھر کھسکائی جائے۔'' وہ بول رہا تھا اور مجھے اس کی آواز کسی مجذوب کی



بڑ معلوم ہو رہی تھی لیکن اس وقت میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب ایک چھوٹی سی میز خود کھسک کر میرے نزدیک آ گئی میں تعجب سے اچھل پڑا تھا اور پھر مجھے میز پر کافی کی ایک پیالی نظر آئی جس سے سوندھی سوندھی بھاپ اٹھ رہی تھی۔

''لو کافی پیو۔ یہ میں نے اپنی ذہنی قوت سے تیار کی ہے۔ جس طرح میں کہتا رہا کچن میں اسی مانند عمل ہوتا رہا اور میں نے کافی تیار کر لی پیو پی کر دیکھو یہ کوئی جادو نہیں ہے۔'' لیکن میں ششدر اسے دیکھ رہا تھا، تو یہ ذہنی قوت کا مظاہرہ ہے۔

''یہ جادو نہیں ہے۔'' میں نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔

''ہاں یقین کرو۔ جادو انسان کی ذہنی قوت میں پوشیدہ ہے میں نے بڑے عمل کیے ہیں اس سلسلے میں تو یہ تو تھی میری ذہنی قوت۔ تمہارا دوسرا سوال ہے کہ مجھے ان ساری باتوں کے بارے میں کس طرح علم ہو گیا؟''

''ہاں۔''

''وہ بھی حیرت انگیز بات ہے میں اپنے بدن کو چشم زدن میں ہر جگہ منتقل کر سکتا ہوں۔ ذہنی قوت اور بدن کے انتقال کی ہم آہنگی میری عادت سے بالکل مختلف ہے میں ہر جگہ پہنچ جاتا ہوں۔''

''اوہ یہ کیسے ممکن ہے۔''

''اسی بات کا یقین دلانے کے لیے یہ کافی تمہارے لیے تیار کی ہے میں نے۔ کیا تم اس پر بھی یقین نہیں کرو گے۔''

''لیکن جناب یہ عمل۔'' میں نے کہا۔

''دنیا کی بے شمار کتابوں میں اس کے تذکرے مل جائیں گے لیکن یہ تذکرے پورے دلائل اور مکمل معلومات کے تحت نہیں کیے جاتے۔ یہی وجہ ہے کہ ذہن انہیں حقیقت ماننے پر تیار نہیں ہوتا ہاں کچھ کتابیں ایسی ہیں جو نایاب ہیں اور ان میں ان علوم کی صحیح تشریح ہوتی ہے۔''

''تو آپ نے یہ علم کس کتاب سے حاصل کیا تھا۔''

"وہ کتاب میری زندگی کی کتاب ہے۔ میری زندگی میری خواہش کے عمل سے تعبیر نہیں ہے بلکہ شاید تقدیر نے میرے لیے یہی سب کچھ منتخب کیا تھا۔"

"تقدیر نے؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں کیوں، تمہارے لہجے میں یہ حیرت کیوں ہے، کیا تم تقدیر کے قائل نہیں ہو۔" اس نے سوال کیا۔

"نہیں جناب یہ بات نہیں ہے، معافی چاہتا ہوں اگر آپ کے ان سوالات کے جواب میں میرے منہ سے کوئی غلط بات نکل جائے، درحقیقت زمانے نے اتنا کچلا ہے کہ اب ہر چیز سے خوف محسوس ہوتا ہے کہ وہ سر پر آ گرے گی اگر آپ صحیح معنوں میں میری کیفیت کی تشریح چاہیں تو یوں سمجھ لیجئے کہ اس وقت ماچس کی ایک تیلی بھی میرے لیے انتہائی وزنی ہے کیونکہ اس وقت زندگی اس قدر مشکل محسوس ہونے لگی تھی کہ میری اپنی ذات بھی مسخ ہو کر رہ گئی تھی مطلب یہ ہے کہ میں ہر قیمت پر آپ کی خوشی اور خوشنودی چاہتا ہوں تاکہ میری یہ ملازمت برقرار رہے اس نے مجھے ایک ایسی زندگی عطا کی ہے جو آج تک مجھے خواب محسوس ہوتی ہے معاف کیجئے گا باگا صاحب میں اس قدر بزدل اور خوفزدہ انسان نہیں تھا لیکن جسے زندگی کی ناکامیاں نڈھال کر دیں وہ آخر کار کیا سوچے۔"

میرے ان الفاظ پر وہ کچھ لمحے خاموش رہا۔ پھر اس نے بڑے نرم لہجے میں کہا۔

"ہاں لمحات کبھی کبھی شخصیتوں کو اس طرح ختم کر دیتے ہیں کہ شخصیتوں کی موت کا ماتم بھی نہیں کیا جا سکتا خیر اگر تم میرے پاس ایک مطمئن وقت اور مطمئن زندگی گزار رہے ہو تو کم از کم اس بات پر یقین کر لو کہ ہمارا یہ ساتھ کافی طویل رہے گا میں بھلا کیا حیثیت رکھتا ہوں اللہ کے حکم سے اگر میں کسی ایسے انسان کو زندگی کا سکون فراہم کرنے کا ذریعہ بن جاؤں جو اپنے پاس دوسرے ذرائع نہیں رکھتا تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ میرے لیے سعادت ہے کیا سمجھے۔"

میں نے ممنونیت سے گردن خم کر دی اور خاموش ہی رہا وہ کہنے لگا۔



"تو بس اب تمہیں میری زندگی کی کتاب کا پہلا ورق نظر آ جانا چاہیئے کیا سمجھے۔"

"آپ یقین کیجئے جناب ان حالات میں میری دلی خواہش ہے کہ آپ کے بارے میں جانوں۔"

"دیکھو میں ایک مکمل انسان ہوں۔ میں اپنے آپ کو مکمل اس وجہ سے کہتا ہوں کہ میں نہ کوئی غلط فطرت شخصیت ہوں نہ کسی سیارے، کا باشندہ زمین پر ہی میری نمود ہوئی بالکل اس طرح جیسے انسان ہوتے ہیں۔ اور جیسا کہ میں نے تمہیں پہلے بتایا کہ میرے ذہن میں اپنی ذات کے لیے کوئی تعین نہیں تھا کہ میں یہ بنوں یا وہ بنوں میں تمہیں ان حالات سے آگاہ کر رہا ہوں جو مجھے پیش آئے ایک بہت بڑے زمیندار گھرانے سے میرا تعلق تھا یا ہے اور بڑی عجیب وغریب کیفیتوں میں مبتلا رہا ہوں اس زمیندار گھرانے میں ایک عجیب وغریب روایت تھی وہ یہ کہ اس میں زیادہ تر لڑکیاں پیدا ہوتی تھیں، بیٹیوں کا ایک گروہ عظیم تھا اور بعض اوقات خود یہ خاندان اپنے اوپر ہنستا تھا انہی میں میرے والد بھی تھے پھر بہت سی بہنوں کے بعد میں پیدا ہوا اور تم خود اندازہ لگا لو کہ اس کے بعد میری کیفیت کیا ہوتی میں اس خاندان کا اتنا لاڈلا تھا کہ میری جگہ اگر کوئی بھی ہوتا تو ان لوگوں کے بگاڑنے سے بگڑ جاتا۔ چنانچہ شاید نمود کے پہلے ہی دن سے مجھے اس دنیا کا اہم ترین انسان سمجھ لیا گیا اور نا جانے کیسی کیسی شخصیتوں نے میری پرورش کی، میری زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ، بے شمار افراد کے لیے بہت بڑا درجہ رکھتا تھا۔ زیادہ تفصیل میں جا کر میں شرمندگی مول نہیں لینا چاہتا، بس یوں سمجھ لو کہ پھر اس لاڈ نے مجھے بری طرح بگاڑنا شروع کر دیا، فطرتاً عیاش نہیں تھا اور حسن وعشق کی جانب توجہ نہیں تھی۔ لیکن فطری طور پر یوں سمجھ لو کہ ہر برائی میرے وجود کا حصہ بن گئی، اپنے علاقے کے غلط نوجوانوں کو اپنے گرد جمع کر لیا، ہر طرح کے لوگ میرے احکامات کے پابند تھے اور بہت سے ایسے حادثات اور واقعات بھی میری زندگی میں شامل ہوئے جو سراسر جرم تھے، میرے والد کو جرم پسند نہیں تھے بلکہ ایک شریف آدمی تھے لیکن ظاہر ہے میرے جرائم کو ختم کرانا بھی ان کی ذمے داری تھی اور وہ میرے اٹھان سے خوش نہیں تھے لیکن میری والدہ

ہر لمحے میری طرف داری کرتی تھیں اور ویسے بھی میرے خاندان کے لوگ ہر طرح سے میری ڈھال بنے ہوئے تھے چنانچہ میں برائی اور بھلائی کی تمیز ختم کر بیٹھا۔ آخر کار ایسے برے لوگوں کا ساتھ حاصل ہوا جو واقعی برے تھے اور میری صحبت بری سے بری تر ہوتی چلی گئی میں ہر طرح کے لوگوں سے ملتا تھا اور انہی میں میرا ایک بہت اچھا دوست دیپو بڑی عجیب و غریب شخصیت کا مالک تھا۔ تندرست و توانا' طاقتور اس کی فطرت میں کوئی ایسی بات پوشیدہ تھی جو اکثر مجھے سوچنے پر مجبور کیا کرتی تھی لیکن پھر ایک دن اس نے مجھے اپنے بارے میں بتایا کہ ''در حقیقت وہ ڈاکوؤں کے ایک گروہ میں شامل ہے اور ان ڈاکوؤں کا سرغنہ کرن سنگھ عرف کرنا ہے۔'' میں شدت حیرت سے منہ کھول کر رہ گیا کرن سنگھ عرف کرنا کی داستانیں تو ہمارے علاقے میں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں اور سچی بات یہ ہے کہ ہم تو اسے اپنا ہیرو سمجھتے تھے وہ ایک وحشی انسان تھا اور اس نے قرب و جوار کے علاقوں میں جو کچھ کیا تھا وہ بہت ہی خوف کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ لیکن میرا دوست دیپو اگر اس کے گروہ میں شامل ہے تو یہ تو عجیب سی بات تھی دیپو نے دوسرا انکشاف کیا اور بولا۔

''اور یہ بات میں تمہیں شاید کبھی نہ بتاتا کیونکہ گروہ میں شامل ہوئے ہمیں قسم کھانی پڑتی ہے کہ اپنے آپ کو پوشیدہ رکھیں گے شاید تم اس بات پر یقین نہ کرو کہ میرے گھر والوں کو بھی اس بات کا علم نہیں ہے یہ بات بحالت مجبوری میں نے تمہیں صرف اس لیے بتائی ہے کہ کرن سنگھ نے تمہاری حویلی کا انتخاب کیا ہے۔''

''کیا مطلب۔'' میں بری طرح چونک پڑا۔

''ہاں' میں اسے روک نہیں سکتا تھا کیونکہ وہ بہت خوفناک ہے لیکن منصوبہ میرے علم میں آ گیا تھا اور ایسا کسی طرح نہیں ہو سکتا تھا کہ میں تمہیں یہ بات نہیں بتاتا۔''

میں کچھ لمحوں کے لیے خاموش ہو گیا' اگر یہ اطلاع خود میرے والد صاحب کو ملی ہوتی تو ان کا کھانا پینا حرام ہو جاتا خوف سے منہ کھلا رہ جاتا کرنا کا اتنا ہی خوفناک تھا لیکن میری آنکھوں میں خون



اتر آیا۔ میں تو کسی کو خاطر میں ہی نہیں لاتا تھا بھلا اس کی کیا پروا کر سکتا تھا چنانچہ میں نے خونخوار نگاہوں سے دیپو کو دیکھا اور غرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اور دیپو تو کرنا کا ساتھی ہو کر اسے روک نہیں سکتا۔''

''دیکھ میرے بھائی شاہو میں تیرے لیے جان دے سکتا ہوں ساری دنیا کو چھوڑ سکتا ہوں میں تیرے لیے لیکن تو خود سوچ اگر میں کرنا کو منع کرتا تو زندہ تیرے پاس نہیں پہنچ سکتا تھا۔ حالانکہ کرنا خود جانتا تھا کہ میں خود تیری جاگیر کا رہنے والا ہوں مگر کرنا کو تو ٹھیک سے نہیں جانتا اگر میں اسے منع کرنے کی کوشش کرتا تو زندہ واپس نہیں آ سکتا تھا کرنا نے جیسی ہدایت کی میں بھی دوسروں کی طرح خاموشی سے اسے سنتا رہا۔''

''تو پھر تو نے مجھے کیوں بتا دیا۔'' میں نے طنز سے کہا۔

''پھر وہی۔۔۔ پھر وہی' میں نے کہا نا' میں نے سنا تو سب کچھ اگر میں اسے بیچ میں ٹوکتا یا کوئی ایسی بات کہتا تو وہ اسے غداری سمجھتا اور پھر میں یہاں زندہ نہیں پہنچ سکتا تھا میں نے اس کی ہاں میں ہاں کی لیکن یہ بات تو میرا تن من پہلے ہی طے کر چکا تھا کہ یہاں آ کر میں تمہیں ساری بات بتا دوں گا اب بتاؤ کیا میں نے عقل سے کام نہیں لیا۔''

میں سوچ میں گم ہو گیا دیپو ٹھیک کہہ رہا تھا۔ ظاہر ہے اگر وہ کرنا کے گروہ میں شامل ہے تو اس کی حیثیت ایک معمولی انسان کی طرح ہو گی کرنا نے بھی جس طرح دوسروں کو اس ڈاکے کے بارے میں بات بتائی ہو گی اس طرح وہ بھی اس وقت سننے والوں میں شامل ہو گا وہ بے چارہ واقعی اس وقت کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ میرا دل اس کی طرف صاف ہو گیا۔ البتہ حیرت ضرور تھی مجھے دیپو کو میں بہت عرصے سے جانتا تھا وہ کوئی اچھا لڑکا نہیں تھا لیکن مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ اتنے آگے کی چیز ہے اور خطرناک ڈاکو کرنا کے گروہ میں شامل ہے دیپو مسلسل میری صورت دیکھ رہا تھا اس نے پریشان لہجے میں کہا۔

''کیا سوچ رہے شاہو بھیا۔''

"تعجب کر رہا ہوں دیپو' تو کرنا کے گروہ میں کب اور کیسے شامل ہو گیا۔"

"پہلے تم یہ بتاؤ کہ میری طرف سے تمہارے من میں برائی تو نہیں ہے۔"

"نہیں دیپو' تیری بات میری سمجھ میں آ گئی ہے واقعی تو کرنا سے کیا کہہ سکتا تھا۔"

"بھگوان کا شکر ہے اور اس کے ساتھ ساتھ میں تمہارا احسان مند بھی ہوں بھیا ورنہ جب سے میں نے کرنا کی بات سنی تھی میرا من بے کل تھا' مجھے پہلی بار جیون میں کرنا کے ساتھیوں میں ہونے کا افسوس ہوا تھا۔" دیپو نے پر اطمینان لہجے میں کہا۔

"خیر تیری کہانی پھر کبھی سنوں گا تو یہ بتا کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

"زمیندار جی کی حویلی پوری بستی کے لیے عزت ہے بھیا' ہم جیون وار دیں گے اس پر مجھے تو اس بات کی خوشی ہے کہ کرنا کے گروہ میں ہونے کی وجہ سے مجھے یہ بات پہلے سے معلوم ہو گئی۔"

"ہاں یہ تو درست ہے۔"

"پر یہ بتاؤ تمہارے من میں کیا ہے بھیا۔"

"میں کرنا کو ایسا سبق دوں گا کہ وہ زندگی بھر یاد رکھے گا میں نے غراتے ہوئے کہا میرے والد ابراہیم باگا کو ان تمام باتوں کے بارے میں ذرہ برابر علم نہیں تھا اور یہ بات صرف ابھی مجھ تک ہی محدود تھی تم سوچ رہے ہو گے کہ میں شاہو کے طور پر کس کام کا نام لے رہا ہوں تو یہ سمجھ لو کہ ہمارا تعلق باگا فیملی سے تھا ضرور لیکن مجھے پیار سے شہزادہ یا شاہو کہا جاتا تھا اور اس نام سے مجھے مخاطب کیا جاتا تھا بہر حال میں سوچ میں ڈوب رہا چند لمحوں کے بعد دیپو نے کہا۔

"اور دیپو تمہارے ساتھ ہے بھیا ہزار جانیں دے دے گا تم پر۔"

"ٹھیک ہے تیرے خیال میں کرن سنگھ کس وقت یہاں آئے گا۔"

"ٹھیک بارہ بجے۔"

"ہوں۔" میں نے گردن ہلائی اور میرا ذہن تیزی سے فیصلے کرنے لگا۔ "تو بھی اسی کے ساتھ ہو گا دیپو؟" میں نے سوال کیا۔



"ہاں بھیا میں کرن سنگھ کو کسی شبے کا موقع نہیں دوں گا لیکن میں سب سے پیچھے ہوؤں گا اور کرن سنگھ کی لائن اس کے آدمیوں کے لیے مصیبت بن جائے گی۔"

"اوہ میں سمجھ گیا لیکن تمہیں پوری احتیاط کرنی ہو گی دیپو اس طرف کی زیادہ پرواہ مت کرنا اپنی جان بچانے کی کوشش کرنا کرن سنگھ کو میں دیکھ لوں گا۔"

"کوئی ترکیب دماغ میں آئی بھیا۔" دیپو نے پوچھا۔

"ہاں دیپو یہاں کرن سنگھ کا شاندار استقبال ہو گا تو فکر نہ کر' میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور دیپو نے اطمینان کا سانس لیا۔

"بھگوان کا شکر ہے بھیا میں تمہارے کسی کام آ سکا اب میں چلتا ہوں۔"

"بے فکر ہو کر جا دیپو' میں کرن سنگھ کے استقبال کے لیے تیار ہوں۔" میں نے کہا اور دیپو واپس چلا گیا اس نے مجھ سے میرے انتظامات کے بارے میں نہیں پوچھا تھا۔ اس کی وجہ میں جانتا تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ میرے دل میں کوئی شک ہو' رہی میری کیفیت تو اس وقت میں سب کچھ بھول گیا تھا کرن سنگھ کا نام ان علاقوں میں نہایت خوف کے ساتھ لیا جاتا تھا اگر میں کسی کو یہ بات بتا دیتا تو خوف و ہراس پھیل جاتا رہے والد صاحب تو وہ سیدھے سادے آدمی تھے بدحواس ہونے کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتے تھے چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔

اب رہ گئے دوسرے معاملات تو بہر حال مجھے فوری طور پر کچھ کرنا تھا شکار وغیرہ کے لیے ایک بندوق اوپر ہی رہتی تھی جو اکثر میرے استعمال میں رہتی تھی لیکن ظاہر ہے پوری حویلی میں صرف ایک بندوق نہیں تھی والد صاحب کا اچھا خاصا اسلحہ خانہ تھا جن کی چابیاں مولوی امام بخش کے پاس رہتی تھیں امام بخش ایک طرح سے حویلی کے منتظم تھے لیکن نہایت سخت انسان تھے اگر انہیں تفصیل نہ بتائی جاتی تو وہ چابیاں کبھی نہ دیتے بہر حال ان سے نمٹنے کا فیصلہ بھی میں نے کر لیا پہلے تو مجھے ان لوگوں کی تلاش تھی جن سے مجھے آج رات کام لینا تھا میں نے اپنے ذہن میں ایک فہرست بنائی اس فہرست میں سرفہرست شکاری حمیدا تھا بہترین نشانے باز اس کے چار بیٹے تھے

جو بہترین شکاری بن چکے تھے یہ پیشہ ور شکاری عموماً زمینداروں کی ملازمتیں کرتے ہیں اور ان کے شکار میں ان کے ساتھ ہوتے ہیں اسی طرح حمیدا شکاری کو ہمارے ہاں سے تنخواہ ملتی تھی ویسے ہماری بستی کے لوگ بھی ہماری عادتوں سے کسی حد تک واقف تھے اور زمیندار کا بیٹا ہونے کی حیثیت سے مجھ سے ڈرتے بھی تھے چنانچہ پہلے قدم کے طور پر میں حمیدا کے گھر کی طرف چل پڑا۔

دروازے پر دستک دی تو حمیدا نے ہی دروازہ کھولا اور مجھے دیکھ کر بھونچکا رہ گیا۔

''ارے چھوٹے مالک آپ' آپ اور اس غریب خانے پر۔''

''ہاں حمیدا چچا' میں تمہارے پاس ایک خاص کام سے آیا ہوں۔''

''اندر آجایئے چھوٹے مالک۔'' حمیدا نے دروازے سے پلٹ کر کہا۔

''چچی اندر ہوں گی۔''

''ہاں ہاں ہیں آجایئے۔'' حمیدا بولا۔

''نہیں حمیدا چچا' ہم باہر ہی باتیں کریں گے کچھ ایسا ہی کام ہے۔'' میں نے کہا۔

''ارے کیا کام ہے چھوٹے مالک۔'' حمیدا آگے بڑھ آیا۔

''تمہارے بیٹے کہاں ہیں۔''

''باہر ہوں گے کیا ان سے کوئی قصور ہوا ہے۔''

''نہیں چچا مجھے ان سے کچھ کام ہے۔''

''سر آنکھوں پر آپ حکم دیجئے چھوٹے مالک۔''

''ان کے نشانے کیسے ہیں۔''

''بڑی محنت کی ہے میں نے ان پر چھوٹے مالک خدا کا شکر ہے پکے شکاری بن چکے ہیں۔''

''مجھے ان کی اور تمہاری ضرورت ہے حمیدا چچا۔''

''اوہ خیر تو ہے' معاملہ کیا ہے چھوٹے مالک؟'' حمیدا نے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔



''دیکھو حمیدا چچا' تم میری عادت سے اچھی طرح واقف ہو' میں دوستوں کے لیے جان دے سکتا ہوں اور دشمنوں کی جان لینے سے دریغ نہیں کرتا میرا ایک کام ہے یوں سمجھو میرا دشمن مجھ سے لڑنے آرہا ہے' ہمیں اس پر گولیاں چلانی ہیں بلکہ آنکھیں بند کرکے گولیاں چلانی ہیں یہ سوچے سمجھے بغیر کہ وہ کون ہے لیکن اگر یہ بات تمہارے منہ سے کہیں نکل گئی تو۔۔۔تو میں تمہیں بھی اپنے دشمنوں میں شمار کروں گا۔''

''اطمینان کرلیں چھوٹے مالک' برسوں سے آپ کا نمک کھا رہے ہیں۔''

''تو تم تیار ہو۔''

''جی ہاں چھوٹے مالک سر آنکھوں پر تیار ہیں مگر کیا اس بات کا بڑے صاحب کو علم ہے۔''

''نہیں حمیدا چچا' اس سلسلے میں کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونی چاہیے۔''

''لیکن اگر بڑے مالک کو خبر ہوگئی تو وہ کیا کہیں گے۔''

''تم اس کی فکر مت کرو اگر ہم کامیاب ہوگئے تو ممکن ہے ابا جان تمہیں کوئی بڑا انعام دے ڈالیں۔''

''اچھا تو ایسی بات ہے۔''

''ہاں حمیدا چچا۔''

''یہ لڑائی کہاں لڑنی ہوگی۔''

''میں رات کو تمہیں ساتھ لے جاؤں گا۔'' میں نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے چھوٹے مالک۔'' حمیدا تیار ہوگیا۔

''اپنے بیٹوں کو بھی تیار کرلینا۔''

''جی مالک' سب آپ کے خادم ہیں۔'' حمیدا چچا نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

''اور آخری بار کہہ رہا ہوں حمیدا چچا کہ اس بات کی بھنک کسی کو نہیں پڑنی چاہیے حتیٰ کہ چچی کو بھی نہیں ورنہ حالات بگڑنے کی ذمے داری تمہارے اوپر ہوگی۔'' میں نے واپس پلٹتے ہوئے سخت

لہجے میں کہا۔

''چچا بھی کہتے ہواور دھمکیاں بھی دیتے ہو کیسے بھتیجے ہو چھوٹے مالک' حمیدا پر اعتبار کرو دشمن کوئی بھی ہو حمیدا صرف تمہارے نام پر گولی چلائے گا۔''

''شکریہ حمیدا چچا میں رات کو کسی وقت تمہیں لینے آ جاؤں گا۔''

''ٹھیک ہے مالک' ہم تمہارا انتظار کریں گے۔''

حمیدا سے بات کرنے کے بعد میں نے ان کے چاروں بیٹوں سے بھی بات کر لی ان کے علاوہ گاؤں میں میرے چار چھ آدمی اور تھے' یہ سب میرے دوست تھے بندوق باز تھے اور مجھے ان سب پر اعتبار تھا اب آخری کام یہ رہ گیا تھا جو بہت بڑی اہمیت کا حامل تھا اور بہر حال مجھے کرنا ہی تھا چنانچہ میں نے اپنے ایک قابل اعتماد دوست عبداللہ کو ساتھ لیا اور مولوی امام بخش کے گھر پہنچ گیا مجھے اندازہ تھا کہ امام بخش صاحب اس وقت تک اپنے گھر پر پہنچ گئے ہوں گے۔ میں الگ کھڑا ہو گیا اور عبداللہ نے مولوی صاحب کے گھر کے دروازے پر دستک دی دروازہ امام بخش نے ہی کھولا تھا۔ عبداللہ نے انہیں سلام کیا تھا۔

''وعلیکم السلام۔'' مولوی صاحب نے قرات سے فرمایا۔ ''کہو میاں کیسے آنا ہوا؟''

''مولوی صاحب چھوٹے مالک آئے ہیں۔''

''ارے کہاں ہیں۔''

''وہ کھڑے ہیں۔'' عبداللہ نے میری طرف اشارہ کر کے کہا اور مولوی صاحب میرے نزدیک پہنچ گئے۔

''خیریت یوسف میاں کیا بات ہے۔''

''ابا جان نے بھیجا ہے۔'' میں نے معصومیت سے کہا۔

''او ہو کیا فرمایا ہے۔'' مولوی صاحب مستعدی سے بولے۔

''کہا ہے مولوی صاحب سے کہو کہ اسلحہ خانے کی چابیاں لے کر خاموشی سے ہمارے ساتھ



چلیں۔''

''او ہو' یقیناً کوئی خاص بات ہی ہو گی۔'' مولوی صاحب پریشانی سے بولے۔ ''خدا خیر کرے میں ابھی حاضر ہوتا ہوں چابیاں اندر ہی رکھی ہیں۔''

''لیکن ابا جان نے کہا ہے کہ آپ کسی سے بھی تذکرہ نہ کریں۔''

''بہتر ہے میاں حکم کی تعمیل ہو گی۔'' مولوی صاحب اندر چلے گئے چند منٹ کے بعد وہ ٹوپی پہنے انگوچھا کندھے پر ڈالے ہوئے برآمد ہوئے کرتے کی بغلی جیب وزن سے لٹک رہی تھی یقیناً چابیاں اس جیب میں موجود تھیں۔

ہم تینوں گلیوں میں ہوتے ہوئے چل پڑے پروگرام پہلے سے طے تھا حویلی کی طرف جانے والا راستہ عبداللہ کے گھر کے سامنے سے گزرتا تھا اور جس گلی میں عبداللہ رہتا تھا وہ خاصی سنسان تھی چھوٹے سے قصبوں کی گلیاں ویسے بھی سر شام سنسان ہو جاتی ہیں۔

عبداللہ تیار تھا۔ جونہی مولوی صاحب اس کے گھر کے دروازے کے سامنے پہنچے پیچھے سے عبداللہ نے ان کے سر پر حملہ کر دیا لکڑی کی ضرب نے بے چارے مولوی صاحب کے حواس گم کر دیئے میں نے ان کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر انہیں گرنے سے روکا اور عبداللہ نے پھرتی سے ان کے پاؤں پکڑ لئے یوں ہم مولوی امام بخش کو عبداللہ کے مکان میں لے آئے۔ اطمینان سے چارپائی پر لٹایا اور پتلی رسی سے انہیں اچھی طرح چارپائی سے کس دیا پھر منہ میں کپڑا ٹھونسا اور دونوں ہاتھ اوپر کر کے اس طرح کس دیئے کہ مولوی صاحب انہیں استعمال نہ کر سکیں اور پھر میں نے اطمینان سے مولوی صاحب کی جیب سے چابیاں نکال لیں۔

''یہاں کسی کے آنے کا خطرہ تو نہیں ہے عبداللہ؟''

''نہیں بھیا یہاں اب کون آئے گا میں باہر سے تالا بھی لگا دیتا ہوں۔'' عبداللہ نے کہا۔

پھر ہم دونوں باہر نکل آئے عبداللہ نے دروازے میں تالا لگایا تھا۔ اب ہمارا رخ حویلی کی طرف تھا حویلی میں داخل ہونے کے لیے میں نے وہی چور راستہ استعمال کیا جو اکثر کرتا رہتا تھا۔

عبداللہ بھی میرے ساتھ تھا ہماری انتہائی کوشش تھی کہ کسی کی نگاہوں میں نہ آسکیں اسلحہ خانہ کا راستہ خاصا پیچیدہ تھا اور اس تک پہنچنا انتہائی دشوار۔ بہر حال قسمت ہمارے ساتھ تھی ہم وہاں تک پہنچ ہی گئے دروازے میں لٹکے ہوئے موٹے تالے کی چابی تلاش کرنے میں زیادہ وقت نہیں ہوئی سب سے بڑی چابی اسی کی تھی۔

اس سے قبل میں نے یہ کمرہ نہیں دیکھا تھا مجھے نہیں معلوم تھا کہ ابا جان کا اسلحہ خانہ اتنا زبردست ہے جدید قسم کی عمدہ رائفلیں' پستولیں' کلہاڑے' تلواریں اور خنجر یہاں موجود تھے۔ عبداللہ بھی اس اسلحہ خانے کو دیکھ کر دنگ رہ گیا تھا۔

''ہمیں دیر نہیں لگنی چاہیے عبداللہ کام شروع کر دو۔''

''حکم دو بھیا۔''

اور میں نے عمدہ قسم کی دس رائفلوں کا انتخاب کیا چند پستولیں اٹھائیں اور پھر کارتوس کے بکس میں سے کارتوس نکال نکال کر خالی پیٹیوں میں لگائے پانچ رائفلوں کی گٹھڑی عبداللہ نے بنائی پانچ کی میں نے اور پھر کارتوسوں کی پیٹیاں ایک بوری میں باندھ لی گئیں۔

عبداللہ نے رائفلوں اور کارتوسوں کی بوری اٹھائی اور میں نے بھی اپنا سامان سنبھال لیا یوں ہم چوروں کی طرح باہر نکل آئے اور باغ کے پچھلے حصے میں پہنچ گئے میں نے باغ کے کونے میں برگد کے اس اونچے تنے کا انتخاب کر لیا تھا جو خاصی چوڑائی میں تھا یہ برگد آسیب زدہ مشہور تھا اس لیے رات تو رات دن کی روشنی میں بھی ملازم وغیرہ ادھر آنے سے ڈرتے تھے۔

برگد کے تنے میں ہم نے اپنا اسلحہ خانہ بنایا میرا رواں رواں مسرت سے پھڑک رہا تھا اب تک سارے کام شاندار ہوئے تھے اس کام سے فارغ ہو کر میں اور عبداللہ باہر نکل آئے۔

عبداللہ بے چارے کو بھی میں نے کچھ نہیں بتایا تھا وہ غریب احمقوں کی طرح سے میرے ساتھ لگا ہوا تھا اور جس طرح سے میں کہہ رہا تھا کر رہا تھا ابتداء میں اس نے پوچھنے کی کوشش بھی کی تھی کہ معاملہ کیا ہے لیکن میں نے اسے کچھ نہیں بتایا تھا۔





اب چونکہ میں اپنے کام کا بڑا حصہ مکمل کر چکا تھا اس لیے مطمئن و مسرور تھا۔ عبداللہ کو ساتھ لے کر میں باہر نکل آیا اور پھر میں نے پرخیال انداز میں عبداللہ سے کہا۔

''یوں سمجھو عبداللہ کہ ہمارا ایک دشمن آج رات ہمارے اوپر حملہ آور ہونے والا ہے اور اب ہمیں یہ اندازہ لگانا ہے کہ ہم اس کا بہترین مقابلہ کس طرح کر سکتے ہیں۔''

''مگر دشمن کون ہے بھیا۔'' عبداللہ حیرت سے بولا۔

''اس کے بارے میں ابھی نہیں بتا سکتا۔''

''ان کی تعداد کتنی ہو گی بھیا۔''

''اس بارے میں بھی مجھے کچھ نہیں معلوم' ہمیں صرف اپنے مورچے ذہن میں رکھنے ہوں گے یہاں سے وہ مکمل طور پر ہماری زد میں ہوں اور ان کی تعداد کتنی بھی ہو ہماری رائفلیں انہیں بھون کر رکھ دیں۔''

''ٹھیک ہے بھیا ایسا ہی ہو گا۔'' عبداللہ نے مستعدی سے کہا۔ ''لیکن بس ایک بات بتا دو کیا بڑے مالک کو اس بارے میں کچھ نہیں معلوم۔''

''نہیں ابھی میں اس وقت تک کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گا جب تک دشمن کو نیچا نہ دکھا دوں اس لیے میں نے سارے کام چھپا کر کیے ہیں۔''

عبداللہ گردن ہلانے لگا پھر ہم نے حویلی کے چاروں طرف کا جائزہ لیا۔ دائیں بائیں اور عقب میں سے کوئی اندر نہیں گھس سکتا تھا' والد صاحب نے اس کا پورا پورا خیال رکھا تھا۔ رہ گئی سامنے کی بات تو بہر حال اسی طرف سے ہمیں کرن سنگھ کا استقبال کرنا تھا۔ عبداللہ نے بہت ہی عمدہ ترکیب بتائی برگد کی موٹی شاخیں حویلی کی دیواروں سے دور تک پھیلی ہوئی تھیں ان شاخوں میں مورچے بنا کر دشمن کو حویلی کے دروازے سے دور ہی روکا جا سکتا تھا صرف دو آدمی دروازے کے اوپر ہوتے اور باقی درختوں کی شاخوں پر۔ ہم دونوں نے موٹی شاخوں کا سروے کیا اور انہیں ہر لحاظ سے موزوں قرار دے دیا۔

اب تقریباً سارے کام مکمل تھے میرے ذہن کے کسی گوشے میں خوف کا کوئی تصور نہیں تھا بلکہ میرے بازو کی مچھلیاں پھڑک رہی تھیں اور میری دلی خواہش تھی کہ جلدی سے رات ہو بارہ بجیں اور بستی کی فضا دھاکوں سے گونج اٹھے' فیصلہ کچھ بھی ہو یہ بعد کی بات ہے۔

عبداللہ کو ہدایت دے کر میں نے روانہ کر دیا اور خود حویلی میں آ گیا باقاعدگی سے رات کے کھانے میں شریک ہوا کوئی بھی میرے چہرے سے کسی خاص بات کا اندازہ نہیں لگا سکا' حسب معمول باتیں ہوتی رہیں جن میں والد صاحب کی نصیحت بھی شامل تھی اور والدہ صاحبہ کا پیار بھی۔

پھر میں نے ان سے آرام کی اجازت طلب کر لی رات کے تقریباً سوا دس بجے تھے تقریباً آدھے گھنٹے تک میں اپنے کمرے میں لیٹا رہا دروازہ اندر سے بند کر لیا اور اس وقت گیارہ بجنے میں دس منٹ تھے جب میں ایک چست لباس میں ملبوس اپنے کمرے کی عقبی کھڑکی سے باہر نکل گیا۔

ملازموں کے کوارٹروں میں اندھیرا پھیل رہا تھا سر شام سو جانے والے اب گہری نیند میں کھوئے ہوئے تھے بڑے دروازے کے چوکیدار نے پھاٹک بند کر کے موٹا تالا ڈال دیا تھا اور اپنی بندوق لیے آرام سے دیوار سے ٹیک لگائے دراز تھا۔

ساری پوزیشن دیکھنے کے بعد میں اپنے چور راستے کی طرف بڑھ گیا چند لمحات کے بعد میں باہر تھا میرا رخ بڑی گلی کی طرف ہو گیا بڑی گلی کے دوراہے پر میرے چاروں دوست تیار کھڑے تھے عبداللہ بھی ان میں شامل تھا وہ چاروں سایوں کی مانند میرے نزدیک آ گئے تب میں نے عبداللہ کو آواز دی۔

"بھیا۔ عبداللہ مستعدی سے آگے بڑھ آیا۔

"گھر گئے تھے۔"

"ہاں بھیا سب ٹھیک ہے میں نے کچھ دیر کا انتظام کر دیا تھا' میرا خیال ہے آرام سے سو رہے ہوں گے۔ عبداللہ نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے تم ان تینوں کو لے جاؤ اور پوزیشن پر پہنچا دو میں ابھی تھوڑی دیر میں آ رہا ہوں۔"



"مہمان کس وقت آئیں گے بھیا۔"

"ٹھیک بارہ بجے۔"

"اچھا ہم جا رہے ہیں دعوت کا انتظام کر لیں۔"

عبداللہ نے مسخرے پن سے کہا اور میں نے ہنستے ہوئے گردن ہلا دی اس کے بعد میں شکاری حمیدا کی طرف چل پڑا حمیدا اپنے چاروں لڑکوں کے ساتھ تیار تھا مجھے دور سے ہی دیکھ کر میرے پاس آ گیا اور میں نے اسے چلنے کے لیے کہا اب میرا پورا گروہ حویلی کے نزدیک جمع تھا اور حویلی کے مکین آرام کی نیند سو رہے تھے انہیں نہیں معلوم تھا کہ تاریک گلیوں میں کیا ڈراما ہو رہا ہے۔

بندوقیں اور کارتوس تقسیم کر دیئے گئے اور شکاری شکار کی گھات میں بیٹھ گئے میں نے تجربہ کار حمیدا کو درخت پر رکھا تھا اور خود عبداللہ کے ساتھ حویلی کے بڑے پھاٹک کے اوپر پہنچ گیا اس کے لیے چالاکی سے چوکیدار کو تھوڑی دور بھیجنا پڑا تھا۔

ساڑھے گیارہ بج چکے تھے ہماری نگاہیں تاریکی میں بھٹک رہی تھیں ایک ایک لمحہ سنسنی میں گزر رہا تھا بندوقوں کی لبلبیوں پر انگلیاں مستعد تھیں اور وقت آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا اور اس وقت ٹھیک بارہ بجے تھے جب بستی کے کسی دور افتادہ حصے میں گولیاں چلنے کی آوازیں سنائی دیں اور ہم سب اچھل پڑے دل زور زور سے دھڑکنے لگا کرن سنگھ آ گیا تھا لیکن نجانے کیوں اس احمق نے اتنی دور سے گولیاں چلانا شروع کر دی تھیں۔

بدن میں اینٹھن ہونے لگی تھی اور کان گرم ہو گئے تھے تب بہت سے دوڑتے ہوئے گھوڑے نظر آئے ڈاکوؤں کے ہاتھوں میں مشعلیں روشن تھیں اور وہ برابر ہوائی فائر کر رہے تھے اور انہی میں سے کچھ ڈاکو چیخ رہے تھے۔

"خبردار' کوئی گھر سے باہر نہ نکلے کرن سنگھ بستی میں ہے اگر کسی کو باہر دیکھا گیا تو گولی مار دی جائے گی۔"

یہ آوازیں سوتے ہوئے لوگوں کے لیے بے حد بھیانک تھیں' تقریباً پوری بستی جاگ گئی تھی لیکن

کسی کی مجال تھی کہ کرن سنگھ کا نام سنے اور چارپائی سے پاؤں بھی نیچے اتار دے دروازے کھولنا تو دور کی بات تھی۔

دوڑتی ہوئی مشعلیں حویلی کی طرف آ رہی تھیں شکاری تیار ہو گئے تھے میں نہیں جانتا کہ کرن سنگھ کا نام سن کر خود ان کی کیا حالت ہوئی تھی ظاہر ہے انہوں نے بھی پکارنے والوں کی آوازیں سن لی تھیں میں نے عبداللہ کی طرف دیکھا۔

''تیار ہو عبداللہ۔''

''بھیا' بھیا یہ تو کرنا ہے۔'' عبداللہ کی لرزتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''تو کیا تم زخنوں کے کسی گروہ کا انتظار کر رہے تھے ہوشیار ہو جاؤ۔'' میں نے شعلوں کو قریب دیکھ کر اندازہ لگاتے ہوئے کہا۔

اپنے ساتھیوں کو میں نے ہدایت کر دی تھی کہ اس وقت تک گولی نہ چلائیں جب تک میری رائفل سے فائر نہ ہو۔

ڈاکوؤں کے گھوڑے حویلی کے دائیں بائیں کے رخ پر پھیل گئے تھے۔ اس وقت ایک بھاری آواز سنائی دی۔

''دروازہ کھول دو' یہ کرنا کا حکم ہے اگر ایک لمحے میں دروازہ نہ کھول دیا گیا تو دروازہ توڑ کر حویلی کے ایک ایک فرد کو قتل کر دیا جائے گا دروازہ کھول دو۔'' دروازہ کھول دو۔ اور میں نے اس آواز کی سمت پہلا فائر کیا لیکن کرنا خوش بخت تھا کہ اس وقت اس کا ایک ساتھی مشعل لیے اپنے گھوڑے پر سوار اس کے سامنے سے گزرا اور اس کی کریہہ چیخ فضا میں گونج اٹھی۔

میرا پہلا فائر میرے ساتھیوں کے لیے اشارہ تھا درختوں کی شاخوں سے سرخ زبانیں لپکیں اور فضا دھاکوں سے گونج اٹھی کئی مشعلیں نیچے گر پڑی تھیں گھوڑے خوفناک انداز میں ہنہنانے لگے تھے اور کرنا کے ساتھی چند لمحات کے لیے بری طرح بدحواس ہو گئے تھے بے شمار گھوڑے واپس پلٹے اور پھر جوابی فائرنگ شروع ہو گئی لیکن وہ بدحواسی میں گولیاں چلا رہے تھے انہوں نے کسی سمت کا تعین ہی نہیں کیا تھا جب کہ وہ خود گولیوں کی باڑھ پر تھے اور جب درختوں سے دوسری باڑھ پڑی تو ان کے حواس بالکل ہی جواب دے گئے۔

وہ اور پیچھے ہٹے زیادہ لوگ دائیں بائیں پلٹے تھے لیکن پھر انہیں خیال آیا کہ حویلی کی دیواریں ہی خطرناک ہیں ممکن ہے ادھر بھی انتظامات ہوں چنانچہ وہ بھاگ پڑے۔

درخت سے اب مسلسل گولیاں برس رہی تھیں' سامنے کے رخ سے میں نے اور عبداللہ نے قیامت برپا کی ہوئی تھی' ایک ایک کر کے ساری مشعلیں بجھ گئیں' گھوڑوں کی بے ترتیب ٹاپوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ ڈاکو بری طرح بدحواس ہو چکے ہیں اور پھر کرن سنگھ کی آواز سنائی دی۔

''لاشیں اٹھالو۔'' یہ حکم اس نے اپنے ساتھیوں کو دیا تھا پھر دوڑتے ہوئے گھوڑے دور ہوتے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد ان کے ٹاپوں کی آواز معدوم ہو گئی تھی۔

پوری بستی میں شور گونج رہا تھا حویلی کے ملازم اپنے کوارٹروں میں چیخ رہے تھے کسی نے دروازہ کھولنے کی کوشش نہیں کی تھی پھر حویلی میں روشنی ہوئی اور والد صاحب قبلہ ہاتھ میں رائفل لیے ڈاکوؤں سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو کر باہر نکل آئے ان کے پیچھے پیچھے چند بزدل ملازم لرزتے کانپتے باہر نکلے دروازے کا چوکیدار لاپتا تھا بندوق کرسی کے پاس پڑی ہوئی تھی والد صاحب برآمدے میں نکل آئے اور ملازموں کو آوازیں دینے لگے۔

ہم سب کو ہنسی آ رہی تھی' اب کیا رہ گیا تھا تب میں نے پھاٹک کے اوپر سے آواز لگائی۔

''ڈاکو بھاگ گئے ہیں' اب کوئی خطرہ نہیں ہے۔'' والد صاحب نے میری آواز سن لی تھی۔ دوسرے لمحے انہوں نے بندوق تان لی۔

''کون ہے نیچے آؤ۔'' اور میں اور عبداللہ بندوقیں سنبھالے نیچے اتر آئے۔

''کون ہے خبردار' خبردار۔'' والد صاحب پھر چیخے۔

''میں ہوں ابا میاں۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''کون شاہو۔'' ابا جان نے تعجب سے آواز دی۔

"جی ہاں میں ہی ہوں۔"

"ارے تم وہاں کیا کر رہے تھے۔"

"کبوتر اڑا رہا تھا۔" میں نے گستاخی سے جواب دیا اور پھر میں نے دونوں ہاتھ منہ کے سامنے کر کے حمیدا کو آواز دی۔

"نیچے آؤ تم لوگ ڈاکو بھاگ گئے ہیں۔"

والد صاحب بے حد حیران تھے حمیدا اور دوسرے لوگوں کو دیکھ کر وہ اور حیران ہو گئے تھے ان کے منہ سے آواز تک نہ نکل سکی کافی دیر کے بعد اس کے حواس بحال ہوئے تھے لیکن حواس حمیدا وغیرہ کے بھی درست نہیں تھے۔

"اب ان کی واپسی کا خطرہ تو نہیں ہے۔" والد صاحب نے پوچھا۔

"اب نہیں آئیں گے لاشیں اٹھا کر لے گئے ہیں۔"

حمیدا کی بجائے میں نے جواب دیا۔

"آؤ تم سب اندر آؤ۔" والد صاحب نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد سب بڑے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے اب ملازم بھی اپنے کوارٹروں سے باہر نکل آئے تھے اور چاروں طرف دوڑتے پھر رہے تھے۔

"ایسا لگتا ہے جیسے تم سب ڈاکوؤں کی آمد کے لیے تیار تھے۔" والد صاحب نے کہا۔

حمیدا اور دوسرے لوگ میری طرف دیکھ کر رہ گئے۔"

تم بتاؤ حمیدا تم درخت پر کہاں سے پہنچ گئے اور تمہارے بیٹے اس کے علاوہ بندوقیں اور رائفلیں۔"

"چھوٹے مالک کی ہدایت تھی بڑے مالک مگر ہمیں نہیں معلوم تھا کہ مقابلہ کرن سنگھ سے ہوگا ہم تو بڑی مصیبت میں پھنس گئے ہیں مالک' کرن سنگھ ہم لوگوں کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"کرن سنگھ۔" والد صاحب سرسراتی آواز میں بولے۔





"ہاں وہی تھا مالک۔"

"مگر' مگر شاہو تمہیں اس کے بارے میں کیسے معلوم ہوا۔"

"اگر ابا میاں میں ان لوگوں کو بتا دیتا کہ کرن سنگھ سے مقابلہ کرنا ہے تو ان میں سے کوئی بھی تیار نہیں ہوتا ان کے نزدیک اس کی بڑی اہمیت ہے مگر میں اسے کچھ نہیں سمجھتا۔"

"مگر تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"اس بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا یوں سمجھ لیں میں نے خواب دیکھا تھا اور میرا خواب بالکل سچا نکلا۔" میں نے جواب دیا۔

بہر حال والد صاحب کو میں نے کوئی تفصیلی بات نہیں بتائی سوائے چند باتوں کے ویسے انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ میں نے ہی یہ مکمل پروگرام ترتیب دیا تھا اور اپنی حویلی کو کرن سنگھ سے بچانے میں میرا ہاتھ تھا۔

دوسری صبح بستی والوں کے لیے بڑی سنسنی خیز تھی میری دلیری اور چالاکی' کہانی بچے بچے کی زبان پر تھی والدہ صاحبہ کی گردن فخر سے اکڑی ہوئی تھی کسی کو خاطر ہی میں نہیں لا رہی تھی نانا جان کے پاس قاصد بھیج دیا گیا' سینکڑوں بار میری نظر اتاری گئی' لوگ مبارک بادیں دینے آ رہے تھے غرض بہت کچھ ہو رہا تھا' ویسے میں نے اور میرے ساتھیوں نے کرنا کو شدید نقصان پہنچایا تھا کم از کم چھ جگہ خون کے بڑے بڑے ڈھیر ملے تھے جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ کرن سنگھ کے تقریباً چھ ساتھی مارے گئے ہیں اس کے علاوہ چاروں طرف خون کے لوتھڑے بکھرے پڑے تھے گویا زخمی بھی بہت ہوئے تھے دوسرے الفاظ میں کرن سنگھ کرنا کو زندگی میں پہلی بار بدترین شکست سے دو چار ہونا پڑا تھا۔

اس کے بعد بڑے بڑے تماشے ہوتے رہے نانا جان آئے نجانے کیا کیا لائے صدقات دیئے جاتے رہے ہزاروں روپے غریبوں میں تقسیم کیے گئے میرے نام کے بہت سے وظیفے بیواؤں اور یتیموں کو جاری کیے گئے۔

اسلحہ خانے کے منتظم مولوی امام بخش کو دوسرے دن عبداللہ نے ہی کھولا تھا۔ ان کی شکایت پر خود

والد صاحب نے ان سے معذرت کی تھی اور کہا تھا کہ درحقیقت اگر شاہو باقاعدہ اسلحہ طلب کرتا تو شاید اسے نہ دیا جاتا اور اگر اسلحہ نہ دیا جاتا تو نجانے کیا ہو جاتا۔

بہرحال یوں سمجھ لیں کہ میری ساری خطائیں معاف ہو گئی تھیں والد صاحب نے خصوصی طور پر حمیدا اور اس کے گھر والوں کے لیے انعامات بھیجے تھے میرے تینوں دوستوں کو بھی انعامات سے نوازا گیا تھا۔

تین دن تک یہ ہنگامے رہے اور میں دولہا بنا رہا مجھے ان فضول باتوں سے الجھن ہو رہی تھی نہ دوستوں سے ملنا نہ کوئی دوسرا کام' ہر وقت گھر والوں کے سامنے رہو چنانچہ تیسرے دن میں نے والدہ صاحبہ سے صاف کہہ دیا۔

''بس اب یہ ہنگامے ختم کیے جائیں کل سے میں گھر پر نہیں رہوں گا۔''

''پھر کہاں جاؤ گے بیٹے؟'' والدہ صاحبہ نے پوچھا۔

''اپنے دوستوں سے ملوں گا اور اپنے مشاغل شروع کروں گا۔''

''لیکن ابا جان کہہ رہے تھے کہ اب تمہیں تنہا نہ چھوڑا جائے۔'' والدہ صاحبہ نے کہا۔

''خیریت۔ ابا جان کو کیا سوجھی۔''

''ان کی بات بھی ٹھیک ہے میرے لال' خدا تجھے ہر آفت سے بچائے چشم بددور' تو نے کام ہی ایسا کیا ہے کہ دوست دشمن جو سنتا ہے دانتوں میں انگلی دبا کر رہ جاتا ہے لیکن بیٹے موذی زخمی ہو کر نکل گیا ہے۔''

''کون موذی۔''

''وہی منحوس کرن سنگھ۔''

''تو پھر۔''

''تو نہیں سمجھتا میرے لال اب وہ تیرا دشمن ہو گا۔''

''ٹھیک ہے اگر اس نے کوئی حرکت کی تو میں اسے منہ توڑ جواب دوں گا۔'' میں نے کہا۔

''مان جا میرے لال' تیرے اباجی فکر مند ہیں اور میں نے سنا ہے کہ حمیدا کے گھر والے سامان



باندھ رہے ہیں۔''

''ارے کیوں۔''

''چپکے سے کہیں روپوش ہو جائیں گے۔ کرن سنگھ سے ڈرتے ہیں۔ وہ انہیں جیتا نہیں چھوڑے گا۔''

''لاحول ولاقوۃ۔ میں حمیدا کو اس قدر بزدل نہیں سمجھتا تھا۔''

''موذی سے سبھی ڈرتے ہیں حمیدا کے گھر تو اس دن سے ہانڈی بھی نہیں چڑھی۔''

''انتہائی بے وقوف ہیں وہ سب کے سب میں ابھی حمیدا کے گھر جاؤں گا۔'' میں نے کہا۔

''ارے نہیں ابھی کیا ضرورت ہے' سن تو۔۔۔ سن تو۔۔۔'' والدہ صاحبہ مجھے پکارتی رہ گئیں لیکن میں نے ان کی ایک نہ سنی حمیدا کے بستی چھوڑنے کی خبر سن کر مجھے غصہ آ گیا تھا میں اسے اس کی بزدلی پر لعن طعن کرنا چاہتا تھا میں تیزی سے باہر آیا اور اپنا گھوڑا لے کر حمیدا کے مکان کی طرف چل پڑا فاصلہ ہی کتنا تھا جلد ہی میں حمیدا کے مکان پر پہنچ گیا۔ دروازہ کھلا تھا۔ میں نے دروازے پر دستک دی لیکن اس وقت عالم علی جو حمیدا کے سامنے والے گھر میں رہتے تھے باہر نکل آئے انہوں نے جھک کر مجھے سلام کیا۔

''حمیدا تو چلا گیا میاں۔ گھر خالی پڑا ہے۔''

''ارے کب چلا گیا کہاں چلا گیا۔'' میں نے حیرت و افسوس سے پوچھا۔

''آج ہی ظہر کے بعد گیا ہے اس نے کسی کو کچھ نہیں بتایا کہ کہاں جا رہا ہے، وہ پانچوں باپ بیٹے تو گھر میں چھپے بیٹھے تھے۔''

''بزدل کہیں کا۔'' میں نے غصے سے دانت پیستے ہوئے کہا اور پھر وہاں سے پلٹ پڑا ابھی زیادہ دور نہیں نکلا تھا کہ دو سوار آتے نظر آئے وہ ہمارے ملازم تھے۔ دنوں رائفلوں اور پستولوں سے مسلح تھے چند ساعت میں وہ میرے نزدیک پہنچ گئے۔

''کیا بات ہے۔ خیریت۔'' میں نے انہیں گھورتے ہوئے کہا۔

''مالکن نے بھیجا ہے، چھوٹے مالک۔ آپ کے اکیلے آنے سے پریشان ہو گئی تھیں۔''

"اوہ۔احمق ہیں سب کیا تم لوگ مجھے بزدل سمجھتے ہو حمیدا کی طرف۔" میں نے غرا کر کہا اور دونوں نے سر جھکا لیا۔"اب تم میرے پیچھے پیچھے پھرو گے؟"

"کیوں؟"

"مالکن کا حکم ہے مالک۔ہم تو صرف غلام ہیں۔"

"سنو کل سے اگر تم مجھے نظر آئے تو دونوں کو گولی مار دوں گا۔"

"مگر اس میں ہمارا کیا قصور ہے مالک۔آپ خود سوچیں؟" ان دونوں نے سہم کر کہا اور میں نے سوچا واقعی یہ تو دوسروں کا قصور ہے۔تب میں نے کسی قدر نرم لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے تم ان کی بات مانو مگر باہر نکل کر تمہیں میری بات ماننی پڑے گی میرے پیچھے لگے رہنے کی ضرورت نہیں ہے نہ ہی میری کوئی بات کسی سے کہنے کی۔ورنہ تم میری عادت جانتے ہو۔"

"بے فکر رہیں مالک، ہماری زبان بند رہے گی۔"

"ویسے میں ابا میاں سے بات کر لوں گا آؤ۔"

میں نے کہا اور واپس چل پڑا رہ رہ کر حمیدا پر غصہ آ رہا تھا۔لیکن بات حمیدا ہی کی نہیں تھی میرے دوستوں کی بھی وہی کیفیت تھی سب کے سب گھروں میں گھسے ہوئے پڑے تھے تب اچانک مجھے دیپو کا خیال آیا اور میں نے گھوڑے کا رخ دیپو کے مکان کی طرف کر دیا۔

دروازے پر ہی مجھے احساس ہوا کہ کوئی خاص بات ہے دیپو کی ماسی باہر نکلی تھی مجھے دیکھ کر اس کا رنگ زرد ہو گیا اور اس نے کئی سلام کر ڈالے۔

"سلام چاچی۔دیپو گھر میں ہے۔" میں نے پوچھا۔

اور وہ کوئی جواب دیئے بغیر اندر گھس گئی، چند منٹ کے بعد بنواری لعل باہر نکلا یہ دیپو کا باپ تھا اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا اس نے بھی مجھے سلام کیا اور بولا۔

"کیا بات ہے، بنواری چاچا۔" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"اندر نہیں آؤ گے مالک؟ پر یہ کیوں آئے ہیں۔" بنواری لعل نے بدحواسی سے سواروں کو دیکھتے



ہوئے پوچھا۔

"اوہ کوئی بات نہیں دیپو گھر میں ہے؟" میں نے پوچھا

"ہاں۔اندر آؤ مالک۔" بنواری لعل نے کہا۔اور میں گھوڑے سے اتر گیا پھر میں بنواری لعل کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔

"کیا بات ہے بنواری چاچا۔" "تم سب پریشان کیوں ہو۔" میں نے پوچھا۔

"بری صحبتیں، برا حشر مالک نہ جانے کس سے جھگڑا کر لیا ہے بری طرح زخمی ہو کر گھر آیا ہے۔" بنواری لعل نے دکھ سے کہا اور میرا ماتھا ٹھنکا نا جانے کیوں میرے ذہن میں خیال آیا کہ دیپو کرن سنگھ کے عتاب کا شکار ہو گیا ہے اور حقیقت یہی تھی دیپو کا پورا بدن زخموں سے چور تھا ان زخموں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں بہرحال چہرہ بچا ہوا تھا لیکن اس پر بھی دو تین جگہ چھوٹے چھوٹے زخم تھے جو یقیناً جلنے کے نشان تھے لیکن باہمت اور دلیر دیپو کی آنکھوں میں وہی چمک وہی مسکراہٹ تھی۔

مجھے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اٹھ نہیں سکتا بھیا معاف کر دینا۔" اس نے کہا اور میں خاموشی سے اسے گھورنے لگا میرے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے "بیٹھ جاؤ" اس نے پھر کہا اور بنواری لعل نے مونڈھا میرے قریب کھسکا دیا۔میں خونخوار نگاہوں سے دیپو کو دیکھ رہا تھا اور میرے پورے وجود میں آگ بھڑکتی جا رہی تھی۔

"بھیا کے لیے کچھ جل پانی لے آؤ بابا۔" دیپو نے کہا۔

"ہاں ہاں ابھی لایا۔" بنواری لعل نے کہا اور باہر نکل گیا اب کمرے میں دیپو اور میں رہ گئے تھے۔میں نے دیپو کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پھنکار کر کہا۔

"تو اسے شبہ ہو گیا؟"

☆......☆......☆

دیپو نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا پھر مسکراتا ہوا بولا۔

"ہونا ہی تھا بھیا۔ چالاک تو وہ ہے۔"

"تم نے منع کیا تھا؟"

"کیا تھا۔ مگر اسے بے وقوف بنانا کوئی آسان ہے کیا۔ اسی وقت شبہ ہو گیا تھا۔ بڑے پیار سے مجھے لے گیا اور پھر۔۔۔" کچھ لمحوں کے لیے خاموش ہو گیا۔ غالباً اذیت کے ان لمحات کو یاد کر رہا تھا۔ پھر وہ ایکدم چونک کر بولا۔

"مگر یار۔ بھگوان کی سوگند۔ مجھے ذرہ برابر افسوس نہیں ہے اس بات کا۔"

"کیا مطلب؟"

"کہہ رہا تھا۔ ابراہیم باگا اتنا چالاک نہیں ہے۔ یہ کام کسی اور کا ہے۔"

"ہوں پھر کیا ہوا؟"

"بس مجھ سے کہتا رہا کہ زبان کھولوں۔ اس کے آدمی میری مرمت کرتے رہے۔"

"کیا پوچھ رہا تھا۔"

"کہہ رہا تھا بس یہ بتا دوں کہ یہ جال کس جیالے نے پھیلایا تھا۔ بس اس کا نام بتا دوں۔"

میں کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر میں نے آہستہ سے کہا۔

"تو نے اسے بتا کیوں نہیں دیا دیپو۔"



دیپو اس طرح چونکا جیسے کسی نے اس کے جلے بدن پر مرچیں چھڑک دی ہوں۔ اس کے چہرے سے اذیت ٹپکنے لگی۔ پھر وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"بتا دیتا؟"

"ہاں۔ میرے لیے تو نے اتنی اذیت کیوں اٹھائی۔" میں نے دلسوزی سے کہا۔

دیپو کچھ لمحے خاموش رہا۔ پھر بولا۔

"بھگوان کی سوگند۔ اس سے بڑی گالی کوئی اور مجھے نہیں دے سکتا۔ اس کے لگائے ہوئے زخموں سے اتنی تکلیف نہیں ہوئی جتنی تیری بات سے۔"

"اور مجھے جو تیرے ان زخموں سے تکلیف ہو رہی ہے۔ ایسی کی تیسی ان زخموں کی یہ زخم میں نے اپنے یار کے لیے کھائے ہیں۔" اس نے کہا۔

"آگے بتا دیپو۔"

"بس اور کیا کرتا وہ۔ تھک گیا تو مجھے پہاڑی سے نیچے پھنکوا دیا۔ سمجھا ہو گا میں مر گیا ہوں۔" میں نے گہری سانس لی۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد میں نے کہا۔ "دیپو۔ تیرے خیال میں کیا اس بستی میں اس کے گروہ کے اور لوگ بھی ہیں۔"

"بظاہر ہیں بھیا لیکن۔"

"ہاں لیکن کیا۔"

"کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کون کون اس کے لیے مخبری کرتا ہے۔ یہ بات مجھے معلوم ہے کہ اس نے مخبروں کا بھی جال پھیلایا ہوا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اسے تیری زندگی کی خبر مل گئی ہو گی۔"

"خیال تو میرا بھی یہی ہے۔"

"تو گھر تک کیسے پہنچا؟"

بھگوان نے میری ہڈیاں بڑی مضبوط بنائی ہیں۔ بس کوئی ہڈی نہیں ٹوٹی اور سارے کام ٹھیک

ہو گئے۔ میں کھسکتا ہوا سڑک تک پہنچا اور پھر ایک بیل گاڑی میں یہاں آ پہنچا۔"

"بیل گاڑی والے سے کیا کہا تو نے!"

"بیل گاڑی والے کو میں نے ایک فرضی کہانی سنادی تھی کہ ڈاکوؤں نے میری رقم لوٹ کر مجھے مارا تھا۔" دیپو مسکرانے لگا! اس وفادار دوست کے اس ایثار نے مجھے بہت متاثر کیا تھا۔ یوں تو میرے ذہن میں بہت سے خیالات آئے تھے، لیکن اس وقت ان کے بارے میں سوچنا مناسب نہیں تھا۔ دیپو کی حالت کافی خراب تھی۔

"میں ابھی آیا۔" میں نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا اور دیپو چونک پڑا لیکن میں اس کا انتظار کئے بغیر باہر نکل آیا۔ جہاں میرے باڈی گارڈ مستعد کھڑے ہوئے تھے میں نے ان میں سے ایک کو حکم دیا کہ فوراً جائے اور گھوڑا گاڑی تیار کرا کر لے آئے۔ "کسی سے کچھ پوچھنے یا کہنے کی ضرورت نہیں ہے، بس سائیں کو میرا نام لے دینا!" اور سوار نے گردن جھکا دی۔ میں اندر واپس پہنچ گیا۔ بنواری لعل ایک گلاس میں دودھ لے آیا تھا۔ مجھے خواہش نہیں تھی۔ دیپو کو خوش کرنے کے لیے میں نے دودھ لے لیا۔

"دیپو کو اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں، بنواری چاچا۔" میں نے کہا۔

"ایں۔ بنواری لال چونک پڑا" کہاں چھوٹے۔

"مالک؟"

"اپنے گھر۔ اس کا علاج کراؤں گا۔"

"یہ بھی تو تمہارا گھر ہے مالک۔"

"وہاں اسے آرام رہے گا۔ تم فکر مت کرو، دیپو میرا دوست ہے، میں ہر طرح سے اس کا خیال رکھوں گا۔" میں نے کہا۔

"جیسی مرضی مالک۔ میں منع کرنے والا کون۔" بنواری لعل نے جواب دیا۔



"ہاں۔ تمہیں تکلیف ہوگی۔" دیپو نے تکلف کیا اور میں نے اسے ڈانٹ دیا۔ گھوڑا گاڑی آ گئی تو میں دیپو کو گھر لے آیا۔ دیپو نے زیادہ پس و پیش نہیں کی تھی نہ ہی میرے معاملے میں والد صاحب اور والدہ صاحبہ نے دخل دیا۔ کوئی بری بات تو تھی نہیں، اور پھر ان معاملات میں والد صاحب بھی پیش پیش تھے، چنانچہ دیپو کی تیمارداری میں انہوں نے بھی کافی دلچسپی لی۔ ذرا ذرا سی چیزوں کے لیے سوار شہروں میں دوڑا دیئے جاتے تھے۔

ایک ہفتے کے اندر اندر ہم نے دیپو کو ٹھیک کر دیا میرے جیسی وحشت فطرت کے مالک شخص کی، اس دلچسپی نے دوسروں کو حیران کر دیا تھا، خود دیپو بے حد شکر گزار تھا۔ ان دنوں دوستوں کی محفل بھی نہیں جم رہی تھی اور میری دوسری دلچسپیاں بھی تقریباً ختم ہو گئی تھیں۔ یہاں تک کہ دیپو اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا۔

"اب مجھے آگیا دو بھیا۔ تم نے میرے اوپر جتنی کرپا کی ہے۔ میں اسکا جواب نہیں دے سکتا۔"

"اگر تو نے فضول باتیں کیں تو اس بار میں تجھے لنگڑا ہی کر دوں گا۔"

"تمہارے ہاتھوں موت بھی آ جائے تو چنتا نہیں ہے۔"

"دیپو مجھے تجھ سے ایک ضروری کام ہے۔" میں نے دل کی بات اس سے کہہ دی۔

"حکم دو بھیا۔ پران تیاگ دوں گا۔ تمہارے ایک اشارے پر۔"

"مجھے کرن سنگھ کا پتا بتا دو۔"

"ایں۔" وہ چونک پڑا۔

"میں جانتا ہوں کہ تجھے اس کے بارے میں اچھی طرح معلوم ہوگا۔" میں نے دیپو کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا، دیپو کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔

"مگر۔۔۔ مگر، اس کی کیا ضرورت ہے بھیا۔" اس نے پریشانی سے کہا۔

"میں اس سے تیرا انتقام لوں گا۔" میں نے کہا اور دیپو جھٹ سے مسکرا دیا۔

"اس کی ضرورت نہیں بھیا۔ تم نے تو اسے اس رات ہی بہت بڑا سبق دے دیا تھا، تمہیں شاید

اندازہ بھی نہ ہو۔ اسکے چھ ساتھی تو مارے گئے اور چار شدید زخمی ہو گئے تھے، ایسے کہ ان میں سے کوئی کسی وقت بھی مرسکتا تھا۔"

"وہ تو ہونا ہی تھا، لیکن میرا انتقام اپنی جگہ ہے۔"

"نہیں بھیا۔ میں تمہیں یہ خطرہ مول نہیں لینے دوں گا۔" دیپو نے جواب دیا۔

"مگر اس کی ضرورت نہیں ہے بھیا۔ آخر تم نے کونسی کسر چھوڑ دی، کرن سنگھ نے جہاں کہیں ڈاکا ڈالنے کا پروگرام بنایا، پوری طرح کامیاب رہا، تم نے پہلی بار اس کا غرور توڑا ہے۔"

"دیپو۔ تمہاری ساری باتیں بیکار ہیں۔ میں تم سے صرف اس کا پتا معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں نہیں بتاؤں گا بھیا۔" دیپو نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا میرے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ٹھیک ہے دیپو، تھوڑی سی وفاداری تو اس کے لیے بھی ہونی چاہیے، آخر تم نے اس کا نمک کھایا ہے۔"

"یونہی سمجھ لو!"

"پھر ہماری تمہاری دوستی بے معنی ہے میں ہر چیز کو اپنی ملکیت سمجھتا ہوں۔ ایک چیز یا تو صرف میری ہو سکتی ہے۔ یا پھر مجھے اس سے کوئی واسطہ نہیں ہوگا۔"

"تم سمجھتے کیوں نہیں بھیا!" دیپو پریشانی سے بولا۔

"تم جا سکتے ہو دیپو اور اسے دیکھ لو، میں اسے تلاش کر لونگا۔"

"وہ ایک نہیں ہے بھیا۔ وہ بے حد چالاک ہے۔ بہت ہی خطرناک ہے وہ۔ میں تو۔۔۔۔۔؟"

"تم جا سکتے ہو دیپو اور آج کے بعد مجھے ملنے کی کوشش نہیں کرو گے۔"

"اگر تم نے کرن سنگھ کو تلاش کرنے کی کوشش کی تو میں مجبوراً زمیندار صاحب سے بات کروں گا۔" دیپو نے دھمکی دی۔

"اگر تم نے کرن سنگھ کی تلاش شروع ہی کرنی ہے تو جو تمہارا دل چاہے کرو۔" اس نے کہا۔ میں



نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا اور دیپو کے پاس سے چلا آیا۔ میری ضدی فطرت اس کے خلاف نہیں چاہتی تھی۔ دیپو نے مجھے تلاش کیا ہوگا لیکن میں اس کے سامنے نہیں آیا اور کرن سنگھ کی تلاش کے پروگرام بنانے لگا۔

میرے ذہن میں اب صرف ایک بات تھی، کسی طرح کرن سنگھ کو تلاش کر کے اسے للکاروں اور اس دھن میں، میں نے دوسری ساری تقریبات ترک کر دی تھیں، یہاں تک کہ مولوی کرامت کی لڑکی کو بھی فراموش کر بیٹھا تھا۔ دیپو کے بارے میں، میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ کسی طور پر کرن سنگھ کا پتا نہیں بتائے گا، اس سلسلے میں میں نے مختلف انداز میں سوچا تھا، میں نے سوچا تھا کہ دیپو کو پکڑ کر والد صاحب کے سامنے پیش کر دوں اور انہیں سب کچھ صاف صاف بتا دوں کہ دیپو کیا کرتا تھا، ان کے ذریعے دیپو کی زبان کھلواؤں لیکن پھر دیپو انہیں اس کی وجہ بھی بتا دے گا اور والد صاحب جیسے صلح جو انسان، اس سے اتفاق کر لیں گے نہیں۔ یہ مناسب نہیں ہوگا، پھر اس کمبخت کو تلاش کرنے کی کون سی ترکیب کی جائے۔

کئی دن تک سوچ میں ڈوبا رہا اور ایک ترکیب ذہن میں آ ہی گئی۔ والد صاحب نے میرے دو باڈی گارڈ مقرر کیے تھے، آخر کیوں؟ یقیناً اس خدشے کے تحت کہ کرن سنگھ کو پتا چل جائے گا کہ اسے بدترین شکست کس نے دی تھی اور پھر وہ میرے خلاف کارروائی کرے گا۔ تو کیا اس احمق کو اب تک اس بات کا پتا نہیں چل سکا ہوگا؟ جبکہ دیپو کے قول کے مطابق وہ ایک تعلیم یافتہ اور چالاک آدمی ہے، چنانچہ اگر وہ واقعی ذہین ہے اور اس شکست کو اس نے بھی آن کا سوال بنا لیا ہے، تو اب تک میرے بارے میں پتا چلا چکا ہوگا اور یقیناً میری تاک میں ہوگا۔ چنانچہ اس سے ملاقات ہو سکتی ہے، اور اس تصور سے میرے ذہن میں مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی۔

تم اسے دیوانگی ہی کہہ سکتے ہو، میں انتہائی احمقانہ انداز میں کرن سنگھ کے پیچھے پڑ گیا تھا۔ اس کی فکر تو کرن سنگھ کو ہونی چاہیے۔ چوٹ تو اس نے کھائی تھی اور پھر تن تنہا اگر میں اس کی کچھار میں گھس جاتا تو اسکا نتیجہ کیا نکلتا لیکن جوانی آپ سب پر آئی ہوگی یا آنے والی ہوگی اور جوانی کی

سوچ، طاقت کا نشہ، آپ نے بھی محسوس کیا ہوگا کس بات کی پروا ہوتی ہے، کرن سنگھ کے نام سے پورا علاقہ کانپتا تھا، لوگ اس کے سائے سے بچنے کی کوشش کرتے تھے، لیکن میں اس کی تلاش میں تھا اور جنون اس حد تک سوار ہو گیا تھا کہ باقی سب کچھ بھول گیا۔

کافی دن گزر گئے۔ دیپو نا جانے کہاں روپوش ہو گیا تھا۔ باڈی گارڈز اب بھی میرے پیچھے لگے پھرتے تھے، لیکن میں کچھ اور ہی سوچ رہا تھا اور پھر ایک دن میں نے فیصلہ کر لیا۔ اچھی خاصی تیاریاں کی تھیں۔ میں نے، کھانے پینے کا سامان امی چند کے ہاں پہنچا دیا تھا۔ ایک پستول اور کارتوس وغیرہ بھی اسلحہ خانے سے مار لیے گئے تھے اور ساری چیزیں امی چند کے ہاں چھپا دی گئی تھیں۔

اس دن تیار ہو کر نکلا۔ باڈی گارڈ حسب معمول میرے ساتھ تھے، رحیم الدین کے بنگلے پر پہنچ کر میں گھوڑے سے اتر گیا اور پھر میں نے باڈی گارڈز سے کہا کہ وہ میرا دوسری طرف انتظار کریں اور جب تک میں آواز نہ دوں، اس طرف نہ آئیں۔ آج تک میں نے ان سے تعاون کیا تھا، اس لیے کسی کو میری طرف سے شبہ نہیں ہوا۔ میں گھوڑے کی لگام پکڑے دوسری طرف چلا گیا، اور دونوں بے وقوف آرام سے بیٹھ گئے۔ دوسری طرف پہنچتے ہی گھوڑے پر سوار ہوا اور میں ایک لمبا چکر لے کر گھوڑا بستی کی طرف چھوڑ دیا۔

نگلا بستی سے زیادہ دور نہیں تھی۔ میں سیدھا امی چند کے ہاں پہنچ گیا اور پھر میں نے اس سے سارا سامان طلب کیا۔ امی چند اندر سے سامان لے آیا۔

''کہیں جا رہے ہو چھوٹے مالک۔۔۔؟'' اس نے پوچھا۔

''ہاں۔۔۔۔۔'' میں نے جواب دیا۔

''کہاں۔۔۔'' امی چند نے پوچھا اور میں نے اسے گھور کر دیکھا۔

''بیکار سوال نہیں کرتے۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا اور امی چند خاموش ہو گیا۔ سامان گھوڑے پر بار کر کے میں نے امی چند کو گھورا۔



''ان چیزوں کے بارے میں کسی کو بتانے کی ضرورت نہیں۔ اگر اس کے خلاف ہوا تو۔۔۔''

''نہیں ہوگا مالک۔۔۔۔ پر۔۔۔۔ کب تک واپس آ جاؤ گے؟''

''جلد ہی۔۔۔ پروا نہ کرو۔۔۔'' میں نے کہا اور گھوڑے کو ایڑھ لگا دی، نہ جانے کیوں دل میں انوکھی طرح کی خوشی تھی۔ جیسے کسی اہم اور دلخوش کن کام پر جا رہا ہوں۔

اور میں نے گھوڑے کو ہوا کی طرح چھوڑ دیا۔ کسی سمت کا تعین میں نہیں کر سکتا تھا۔ اور سچی بات ہے کہ میں خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا، آج اس وقت کے بارے میں سوچتا ہوں تو ہنسی آتی ہے۔ کیسی احمقانہ حرکت تھی اور کیسی خطرناک اور پھر کرن سنگھ کا یوں مل جانا تو یوں ممکن نہیں تھا۔ کوئی تک کی بات ہی نہیں تھی۔

بہر حال چلتا رہا، راستے میں چھوٹی چھوٹی بستیاں پڑیں لیکن میں ان سے دور نکل گیا۔ بہت سے لوگ مجھے جانتے تھے، میں کوئی نشان نہیں چھوڑنا چاہتا تھا، پھر شام ایک جنگل میں ہوئی، اور وہیں آرام کرنے کا فیصلہ کیا۔ گھوڑے کے لیے بھی سبز گھاس تھی اور میرے لیے بھی کھانے پینے کے سامان کی کافی مقدار تھی۔ کسی بھی قسم کی فکر نہیں تھی سوائے اس کے کرن سنگھ کا نشان مل جائے۔ کھانے پینے کے بعد میں سکون سے لیٹ گیا۔ ذہن میں بہت سے خیالات تھے، لیکن خوف و دہشت کا کوئی شائبہ بھی نہیں تھا۔

بلاشبہ میری فطرت کے پہلو ابتدا ہی سے شاندار تھے اور شاید یہی فطرت مجھے اس منزل تک لے آئی تھی۔ جو آج بہر حال ہر نگاہ میں میری شخصیت کو گرا دیتی ہے، خیر زیادہ تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔۔۔ بے چینی سی تھی، نیند نہیں آ رہی تھی خیر کافی دیر کے بعد میں حیرت انگیز طور پر مطمئن ہو گیا اور پھر سکون کی نیند آئی۔ دوسری صبح دن چڑھے جاگا۔ تو طبیعت بے حد خوشگوار تھی۔

میرا گھوڑا مجھ سے کچھ فاصلے پر تھا، مجھے جاگتے دیکھ کر ہنہنایا، شاید صبح بخیر کہہ رہا تھا۔ میں نے اس کی طرف ہاتھ ہلایا اور پھر ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد ناشتا وغیرہ کیا۔ سامان درست کر کے گھوڑے کو بلایا اور سامان اس پر بار کر کے چل پڑا۔ کوئی منزل نہیں تھی۔ ذہن میں صرف ایک

احساس تھا اور آنکھیں کچھ تلاش کر رہی تھیں۔

دوپہر۔۔۔شام۔۔۔رات اور پھر صبح ذہن میں ہلکا سا خاکہ آیا۔ کہرام مچ گیا ہوگا۔ نانا جان بلوائے گئے ہوں گے تفتیش کی جا رہی ہوگی۔ بے چارے باڈی گارڈز کی شامت آ گئی ہو گی۔ منتیں مانی جا رہی ہوں گی۔ چڑھاوے چڑھائے جا رہے ہوں گے۔ خاص طور پر اماں بی نے آسمان سر پر اٹھا رکھا ہوگا۔ نہ جانے کیا کیا ہو رہا ہوگا کمال کے لوگ ہیں دنیا والے بھی۔ اس پر اپنا حق جتاتے ہیں۔ جن پر ان کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ ٹھوکر لگی، گر گئے۔۔۔مر گئے۔۔۔کہانی ختم۔۔۔لیکن کوئی ماں ہے، کوئی باپ ہے، کوئی چچا ہے، کوئی نانا ہے، سب کے سب محبتوں کے گودام، لیکن کس قدر محتاج ہوتے ہیں۔ یہ سب، کچھ بھی تو نہیں کر سکتے، اس کے لیے جس پر اس کے سارے دعوے رکھتے ہیں۔ پھر ساری محبتوں کو مٹی کے انبار تلے دبا دیتے ہیں اور مطمئن ہو جاتے ہیں۔
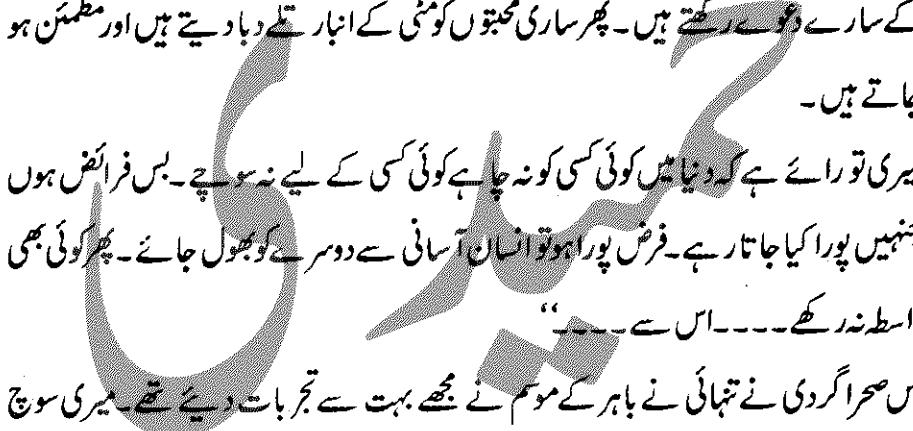
میری تو رائے ہے کہ دنیا میں کوئی کسی کو نہ چاہے کوئی کسی کے لیے نہ سوچے۔ بس فرائض ہوں جنہیں پورا کیا جاتا رہے۔ فرض پورا ہو تو انسان آسانی سے دوسرے کو بھول جائے۔ پھر کوئی بھی واسطہ نہ رکھے۔۔۔اس سے۔۔۔"

اس صحرا گردی نے تنہائی نے باہر کے موسم نے مجھے بہت سے تجربات دیئے تھے۔ میری سوچ گہری کر دی تھی۔ میں بستیوں سے کتراتا تھا۔ ویرانوں کی خاک چھانا کرتا تھا۔ جہاں میں ہوتا اور میرا گھوڑا۔ کسی سے تبادلہ خیال نہیں تھا۔ کوئی مونس نہیں تھا، ایسے میں یہ الٹے سیدھے خیالات ہی میرے ساتھی تھے۔

اندازاً پندرہ بیس دن ہو گئے تھے، گھر سے نکلے ہوئے۔ انتہائی احتیاط سے خرچ کی جانے والی خوراک اب ایک آدھ دن کے لیے اور رہ گئی تھی، ویسے پیسے میرے پاس کافی تھے۔ خوراک ختم ہو جانا کوئی مسئلہ نہیں تھا، کسی دن کیا، بلکہ دوسرے ہی دن کسی بستی سے کھانے پینے کی چیزیں خرید لوں گا۔



رہی پانی کی بات، تو اس کی کوئی شکل نہیں تھی خدا ترس انسانوں نے گزرگاہوں پر کنویں کھدوائے ہوئے تھے۔ جہاں پانی با آسانی حاصل ہو جاتا تھا۔ چنانچہ میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ دوسرے دن کوئی اور بستی تلاش کروں گا اور یہ شام میں نے ایک بستی سے تھوڑے سے فاصلے پر گزاری بستی یہاں سے کافی دور تھی کونسی بستی ہے۔ اس کے بارے میں مجھے اندازہ نہیں تھا۔ بس میں نے کھلیانوں کے ڈھیروں اور ترکاریوں کے کھیتوں سے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ کوئی بستی نزدیک ہے۔۔۔

گھوڑے کو میں نے کھلیانوں میں چھوڑ دیا۔ اب میرے پاس کھانے کے لیے کچھ نہیں تھا، پلکیں ایک دوسرے سے جڑی ہوئی تھیں لیکن ذہن نیند سے بغاوت کر رہا تھا۔ اچانک میں نے آہٹ سنی اور آنکھیں کھل گئیں۔

دور نگاہ دوڑائی۔ گھوڑے کا ہیولا وہیں نظر آ رہا تھا جہاں میں نے اسے لیٹنے سے قبل دیکھا تھا لیکن آہٹ نزدیک سنائی دی تھی۔ میں سنبھل گیا۔ پستول کے دستے پر میرے ہاتھ پہنچ گئے اور آہستہ سے میں نے پستول نکال لیا اور پھر دم سادھ کر دوبارہ آہٹ سننے لگا۔ اب باقاعدہ قدموں کی چاپ سنائی دینے لگی۔ پھر ایک انسانی ہیولا کھلیانوں کے اس طرف نظر آیا اور اس کے ساتھ ہی ایک آواز سنائی دی۔

"سروپ۔" میں نے گہری سانس لی، اس آواز نے کانوں میں شیرینی گھول دی تھی اور میں نے عرصے کے بعد کسی انسان کی آواز اتنے قریب سے سنی تھی، وہ بھی نسوانی بدن میں ایک انوکھی سی سنسنی پھیل گئی۔

"سروپا، آواز اس بار تیز تھی۔ کہاں چھپ گیا ہے، باہر نکل آ، مجھے ڈر لگ رہا ہے، آواز آئی، اور میں بے آواز کھڑا ہو گیا، میں نے تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھا۔

جوان عورت تھی، دیہاتی لباس میں ملبوس تھی، لیکن اتنی رات گئے؟ ان کھلیانوں میں، ضرور کوئی گڑبڑ ہے، مجھے بستی یاد آ گئی، میری زندگی کی پہلی عورت وہ کمبخت بھی کسی دوسرے کے چکر میں

تھی، اور یہ۔۔۔

عورت نے مجھے دیکھا، وہ کھلیانوں کی دوسری طرف نکل گئی۔ میں اسے دیکھتا رہا اور میرے ذہن میں شیطان کروٹیں بدلنے لگا۔ بچ کر نہیں جانی چاہیے اتنے دن کی خشک سالی کے بعد تو بارش کے چند چھینٹے پڑے ہیں اگر میں اب بھی پیاسا رہوں تو یہ مناسب تو نہیں ہوگا، لیکن پھر ایک بار مجھے سنبھلنا پڑا۔ کھلیانوں کی دوسری طرف کوئی اور آ رہا تھا۔ یقیناً سروپ ہوگا اور جب یہ دونوں ہوں گے تو میری کیا حیثیت ہوگی، سروپ کو نہیں ہونا چاہیے۔ میں نے سوچا اور میں تیار ہو گیا۔ پھر جب سروپ میرے نزدیک پہنچا، تو میں نے اطمینان سے عقب سے اس کی گردن میں ہاتھ ڈال دیا، دوسرے ہاتھ سے میں نے اس کا منہ بھینچ لیا تھا۔

دبلا پتلا مریل سا آدمی تھا، منہ سے شراب کے بھبکے اٹھ رہے تھے۔ دو چار بار ہاتھ پاؤں ہلائے اور پھر میرے ایک گھونسے میں حواس چھوڑ بیٹھا اور مردہ چھپکلی کی مانند اوندھے منہ گر پڑا۔

اب کوئی خطرہ نہیں تھا، میں نے اسے کھلیانوں کے ڈھیر میں اس طرح ڈال دیا کہ دم گھٹنے سے مر نہ جائے۔ پھر میں کھلیانوں کی آڑ سے نکل آیا اور اسکے بعد میں نے جان بوجھ کر قدموں کی آہٹ پیدا کی، نتیجہ خاطر خواہ ہوا، دوسرے لمحے عورت دوڑتی ہوئی میری طرف آئی تھی۔

''یہ تیرے آنے کا سمئے ہے، کتنی دیر سے تیری باٹ تکوں ہوں، عورت جات ہوں، اندھیرے میں اتنا ڈر لگ رہا تھا۔ کہ کیا بتاؤں۔ اتنی دور آنا آسان بات نہیں ہے پر تیرے پریم میں دوڑی آؤنگی۔ آج تو کتے بھی بھونکنے لگے۔'' وہ ایک ہی سانس میں اتنا کہہ گئی۔

لیکن میں خاموش رہا تھا۔

''بولتا کیوں نہیں رے۔ منہ میں گھونگھیاں ڈالے خاموش کیوں کھڑا ہے'' وہ ایک قدم اور آگے بڑھ آئی پھر خوب دارو چڑھا آیا ہوگا۔ کتنا کہوں کہ دارو تیری جوانی کو گھن کی طرح کھا جائے گی، مگر۔۔۔ پاپی مانتا ہی نہیں۔ اب وہ میرے بالکل قریب آ گئی تھی۔

''بولتا کیوں ناھے رے۔'' اس نے میرے یبان پر ہاتھ ڈال دیا۔



''کیا بولوں، سمجھ نہیں آتا'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا لیکن میرے بدلے ہوئے لباس ہی نے اس کے اوسان خطا کر دیئے یا گریبان پر ہاتھ ڈالتے ہی اسے احساس ہو گیا تھا، کہ میں اس کا سروپ نہیں ہوں۔

اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ وہ کئی قدم پیچھے ہٹ گئی۔ ''تت تو کون ہے؟ رے۔'' اس کے منہ سے بمشکل آواز نکل سکی تھی۔

''کوئی بھی ہوں، سروپ نہیں ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

''یہاں کیوں آیا ہے۔'' اب اس نے خود پر کسی حد تک قابو پالیا تھا۔

''تو [illegible] رہی ہے، میں نہیں آیا، تو آئی ہے۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''مجھے جانے دے، بھگوان کے لیے مجھے جانے دے'' اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

''عجیب پاگل ہے، میں نے تجھے کب روکا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''تو میں جاؤں۔''

''تیری مرضی ہے۔ پھر تیرا سروپ تو نہیں آیا اور شاید آئے گا بھی نہیں، وہ دارو کے نشے میں کہیں اوندھا پڑا ہوگا۔ ہاں تو اگر چاہے تو آج رات مجھے سروپ سمجھ لے، ہم اندھیرے کے ساتھی ہوں گے نہ تو اس تاریکی میں میری شکل دیکھ سکے گی نہ میں تیری۔۔۔ ہم اندھیرے ہی میں ملیں گے اور اندھیرے میں دور ہو جائیں گے۔ بول کیا خیال ہے؟'' میں آگے بڑھ آیا۔

''ہائے رام۔۔۔ جانے دے مجھے جانے دے۔''

''شور مت مچا۔ میں تجھے کھا نہیں جاؤں گا۔ اب آ ہی گئی ہے تو نامراد کیوں جا رہی ہے۔''

''میں تیرا کھون کر دونگی مجھے ہاتھ مت لگا۔ پیچھے ہٹ جا۔۔۔ پیچھے ہٹ جا'' وہ مست سی آواز میں بولی۔

''سروپ تیرا کون ہے۔۔۔؟'' میں نے پوچھا۔

''کوئی بھی ہو؟ تجھے کیا؟''

''اب تو بہت کچھ ہے میری جان، اب نخرے مت کرنا۔ آ دیکھ میری بانہیں سروپ سے زیادہ

مضبوط ہیں اور میں دارو بھی نہیں پیتا۔‘‘ میں چھلانگ لگا کر اس کے قریب پہنچ گیا۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ آسانی سے شکار نہیں ہوگی اور میں ہاتھ آئے ہوئے شکار کو ہاتھ سے نہیں نکلنے دینا چاہتا تھا۔ خاص طور سے ایسی صورت میں جب کہ مجھے کافی دنوں سے انسانوں کا قرب نہیں ملا تھا۔ عورت تو دور کی بات ہے۔

اس نے ایک زوردار چیخ ماری۔ گو بستی بہت دور تھی لیکن اس کا چیخنا کسی حیثیت سے خطرناک بھی ہو سکتا تھا۔ میں نے پستول نکال کر اس کی گردن پر رکھ دیا۔

’’اگر تم نے دوسری چیخ ماری تو میں تمہیں گولی مار دوں گا سمجھیں؟‘‘ میں نے غراتے ہوئے کہا۔ پستول دیکھ کر اس کی آواز گم ہوگئی۔ اس کی آنکھیں خوف سے پھٹ گئیں۔ ہلکی سی کپکپاہٹ طاری ہوگئی۔ آؤ میرے ساتھ۔‘‘ میں نے اس کے شانے پر دباؤ ڈالتے ہوئے کہا۔

اب اس میں کسی قسم کے انکار کی جرات نہیں تھی، میں اسے کھلیانوں میں لے آیا۔ اور پھر وہ خوفزدہ انداز میں میرے احکامات کی تعمیل کرتی رہی، جسمانی طور پر الہڑ دوشیزہ نہیں تھی۔ میرے اندازے کے مطابق اس کی عمر 28,27 سے کسی طور کم نہ ہوگی۔ نہ جانے سروپ سے اس کا کیا رشتہ تھا۔ بہر حال ابتدا خوف اور مجبوری سے ہوئی تھی لیکن تھوڑی دیر کے اندر وہ بھول گئی کہ میں سروپ نہیں ہوں۔ اس کے دل نے مجھے سروپ مان لیا تھا، جس کا عملی مظاہرہ بھی ہونے لگا۔ پھر جب پچھلے پہر کے چاند نے سر ابھارا تو وہ میری آغوش میں منہ چھپائے لیٹی اور جاگ رہی تھی۔

نیند میری آنکھوں سے دور تھی، اس کے نرم بدن کی لطیف حرارت میرے رگ و پے میں سرایت کر رہی تھی اور فطرت کے راز ہائے سربستہ ظاہر ہو رہے تھے۔ عورت صرف مرد کے جذبات کی تسکین کا ذریعہ نہیں ہے۔ اس کا نرم لمس روح کو بھی سرور بخشتا ہے، ہمارے سوچنے کا انداز ہے گلیوں میں، سڑکوں پر، مکانوں پر، کھڑکیوں میں، تفریح گاہوں میں، کلبوں میں، پارکوں میں، ہماری پراثر ہوس نگاہیں اسے ٹٹولتی ہیں۔ ہمارے انداز میں صرف درندگی ہوتی ہے، پھاڑ کھانے کا جذبہ ہوتا ہے۔ حالانکہ اگر غور کیا جائے تو اس حقیقت کو تلاش کرنے میں دقت نہیں ہوتی کہ



عورت مرد کی مردانگی کی بقا ہے، وہ قدرت کا عظیم تحفہ ہے جو مرد کو دیا ہے، حضرت آدم نے تو صرف تنہائی کی شکایت کی تھی، ان کے ذہن میں عورت نہیں تھی، لیکن خالق کائنات نے ان کی پسلی سے ایک ایسی صنف تخلیق کی، جو ابد تک مرد کے لیے، باعث تسکین ہوگی۔ صرف پرکشش بدن کی حامل نہیں محبت کرنے والی بھی، ماں بھی، بہن بھی، بیوی بھی، بیٹی بھی، جتنے رشتے اس کی ذات سے منسوب ہیں۔ سب کے سب مقدس، ہر رشتے میں عظمت ہے، ہر رشتے میں محبت کا سبق ہے، یوں خالق عظیم کا یہ تحفہ ہمارے لیے اس قدر حقیر تو نہیں کہ ہماری جو نگاہ اس کی جانب اٹھے غلاظت میں لتھڑی ہو۔

لیکن اگر غور کیا جائے۔۔۔۔ اور غور شاذ ہی کیا جا سکتا ہے، میں تمہیں نصیحت کر رہا ہوں، شاید میرے جذبات میں پاکیزگی بھی ہے، لیکن میں نے انصاف سے کام لیا ہے، میں نے خود کو خوبصورت غلاف میں ملفوف کر کے تمہارے سامنے پیش نہیں کیا ہے، بلکہ پہلے میں نے اپنی فطرت، اپنی شخصیت، کے گھناؤنے پہلو بے نقاب کیے ہیں، جنہوں نے مجھے تجربہ بخشا ہے، اور میری دلی خواہش ہے کہ تم میرے تجربات سے فائدہ اٹھالو تو میرا مقصد پورا ہو جاتا ہے، ضروری نہیں ہے کہ وہ خود کو آزمائشوں میں ڈال کر اپنی زندگی کے بیش قیمت لمحات ضائع کرے۔۔۔

بہر حال اس نے گردن اٹھائی اور چاندنی میں میری شکل دیکھنے لگی پھر اس کے ہاتھ میرے چہرے پر پہنچ گئے۔ کون ہو۔۔۔۔ بڑے سندر ہو۔‘‘ اس نے آہستہ سے کہا۔

’’سروپ سے اچھا۔‘‘ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

’’سروپ تو تمہارے چرنوں کی دھول بھی نہیں ہے۔‘‘

’’ہوں؟‘‘ میں نے کہا۔

’’ہاں بس وہ پاپی ایسے ہی میرے من میں آ گیا تھا، مگر اب۔۔۔‘‘

’’اب تم نے اسے من سے نکال دیا؟‘‘

’’میں نے نہیں! وہ شرما کر بولی۔

''پھر۔۔۔''

''تم نے۔۔۔''

''اوہ!''میں نے طنزیہ انداز میں گردن ہلا دی۔

''کیا نام ہے تمہارا؟''اس نے پوچھا۔

''میرا نام۔۔۔''میں نے جلدی سے سوچا''میرا نام لال کنور ہے۔۔۔''

''لال کنور۔''اس نے میرا نام ٹافی کی طرح چوستے ہوئے کہا۔

''تیرا کیا نام ہے؟''

''لاجو۔۔۔''اس نے جواب دیا۔

''بستی میں رہتی ہے؟''

''ہاں۔۔۔''

''تیری بستی کا کیا نام ہے؟''

''جوالا پور۔''اس نے جواب دیا اور میں خاموش ہو گیا۔

''تم کہاں سے آئے ہو۔''اب اس کی باری تھی۔

''بہت دور سے بس آوارہ پھرتا ہوں۔''

''راجکمار ہو۔''اس نے پوچھا۔

''جو تو سمجھ لے۔''میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''صورت سے تو راجکمار ہی لگو ہو۔''

''تو بستی میں کیا کرتی ہے؟''

''تیلن ہوں۔''اس نے صاف گوئی سے کام لیا۔

''پتی نہیں ہے تیرا؟''

''تھا۔۔۔''



''کہاں گیا؟''

''مر گیا۔۔۔''

''اوہ بیوہ ہے۔۔۔؟''

''ہاں۔۔۔''

''کتنا عرصہ ہو گیا۔۔۔؟''

''پانچ سال۔۔۔''

''سروپ کون ہے؟''

''گنگو بنیئے کا بیٹا میرے پیچھے پڑ گیا ہے ورنہ میں تو کولہو سے تیل نکالتی ہوں' بیچتی ہوں اور پھر پیٹ بھر لیتی ہوں پر اس پاپی نے دھرم شٹ کر دیا۔''لاجو نے بتایا۔

''مگر تم بستی سے اتنی دور کیوں آتے ہو؟''

''کسی کو پتا چل گیا تو نکال دیئے جاؤ گے دونوں کے دونوں ودھوا کا پاپ تو معافی کے قابل بھی نہیں ہوتا۔ پھر اب میں کیا کروں، پاپی سروپ نے بدن کی چتا پھر جلا دی ہے، میں نے تو اس چتا کے شعلوں کو چار سال سے بجھا رکھا تھا، پر اب۔''وہ خاموش ہو کر کچھ پوچھنے لگی، پھر چونک پڑی۔''اب میں جاؤں، بہت دیر ہو گئی ہے۔ بستی میں کتے بہت ہیں، کوئی جاگ گیا تو برا ہو گا۔''

''جیسی تیری مرضی۔''

''مگر تم یہاں کب تک رہو گے؟''

''کیوں؟''میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''کل نہیں ملو گے؟ وہ پرشوق انداز میں بولی۔

''اور سروپ کا کیا ہو گا؟''میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''چولہے میں جائے کرموں جلا، میں اسے بتا دوں گی اب تمہارے بنا من نا ہیں لاگے گا پریتم۔''وہ میرے شانے سے سر لگا کر بولی۔

"ٹھیک ہے کل مجھے یہاں آواز دے دینا۔" میں نے جواب دیا۔ دل میں سوچا تھا کہ اس بارے میں سوچوں گا اگر کل رات تک یہاں رکنے کی ضرورت پڑی تو لاجو کے لیے ایک رات اور سہی۔

"تو اب میں جاؤں لال کنور؟" اس نے پیار سے پوچھا اور اس کی آواز کے جواب میں ایک دھماکا سنائی دیا اور پھر اس کے بعد لاتعداد دھماکے۔۔۔۔

"ہائے رام۔" لاجو کے منہ سے نکل پڑا اور پھر وہ مجھ سے لپٹ گئی۔ دوسری طرف شاید کھلیانوں میں سروپ ہوش میں آ رہا تھا۔ اس کی کراہ کی کئی آوازیں ابھریں لیکن میں ان دھماکوں کے بارے میں سوچ رہا تھا، دھماکوں کی یہ آوازیں کان آشنا تھیں۔ بندوقیں ہی چل رہی تھیں لیکن فائرنگ اس انداز میں ہو رہی تھی، جیسی میں ایک بار اور سن چکا تھا، یعنی اس وقت جب کرن سنگھ میری بستی میں داخل ہوا تھا اور بستی والوں کو دہشت زدہ کرنے کے لیے ہوائی فائر کیے گئے تھے۔

"اوہ تو کرن سنگھ اس بستی میں ڈاکا ڈالنے آیا ہے۔ میرے بدن میں بجلیاں بھر گئیں، ڈاکا یقیناً وہ کرن سنگھ ہے اور میں تو اس کی تلاش میں ہی بھٹک رہا تھا۔۔۔ لیکن۔۔۔ کیا کروں، اس انوکھی شکل میں کیا کروں، لاجو مجھ سے لپٹی ہوئی تھی لیکن اس وقت میں سب کچھ بھول گیا تھا، اور اس وقت مجھے صرف یہ یاد تھا کہ میں کرن سنگھ کی تلاش میں بھٹک رہا ہوں، مجھ سے تھوڑی دوری پر ہے۔

"لاجو۔۔۔ اری او لاجو" سروپ کی آواز سنائی دی، وہ مکمل طور پر ہوش میں آ گیا تھا اور لاجو ایک بار پھر سہم گئی۔

"ہائے یہ پاپی کہاں سے آ مرا؟" اس نے کہا اور مجھ سے علیحدہ ہو گئی، میں اس وقت ان دونوں میں دلچسپی نہیں لے سکتا، میرے ذہن پر کرن سنگھ سوار تھا۔ اس لیے میں تیزی سے اپنے مختصر سے سامان کے قریب پہنچا۔ اسے اٹھا کر میں نے گھوڑے کو سیٹی کے شارے سے بلایا اور اس پر پھرتی سے زین کسی۔

"یہ کون ہے؟" سروپ کی آواز سنائی دی" اور تو کہاں چلی گئی تھی؟ مجھے کیا ہو گیا تھا؟" سروپ کا



نشہ اب بھی نہیں اترا تھا، میں گھوڑے پر سوار ہو گیا اور میں نے گھوڑا بستی کی طرف چھوڑ دیا۔ گھوڑے کو میں نے کافی تیز بھگایا تھا تھوڑی دیر کے بعد بستی کے قریب پہنچ گیا۔

اور میرا اندازہ درست نکلا، وہ کرن سنگھ ہی تھا، اس کے آدمی چیخ رہے تھے۔

"گاؤں والو اپنے گھروں سے نکلے تو گولی کا نشانہ بن جاؤ گے، اپنے گھروں میں رہو، یہ کرن سنگھ کا حکم ہے۔ اگر کسی گھر سے پتھر بھی پھینکا گیا تو اسے راکھ کا ڈھیر بنا دیا جائے گا۔"

اور بستی والے سہمے ہوئے اپنے گھروں میں گھسے ہوئے تھے، کسی گھر سے کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی، سوائے ایک مکان کے، میں ایک تاریک گوشے میں کھڑا ٹھنڈے دل سے اپنے آئندہ اقدام کے لیے سوچ رہا تھا! میں سوچ رہا تھا، درحقیقت مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوئی ہے، میں نے کوئی پروگرام بنایا ہی نہیں۔ میں نے سوچا ہی نہیں کہ اگر کرن سنگھ مجھے مل جائے گا، میرے سامنے آ جائے گا تو۔۔۔۔ میں کروں گا کیا، اور اس وقت یہی کیفیت تھی۔

لیکن بہرحال میں نے اس کیفیت پر قابو پا لیا۔ کرن سنگھ کے مسلح ساتھیوں کے سامنے کوئی قدم نہیں اٹھایا جا سکتا۔ حماقت کا کوئی کام مناسب نہیں تھا، اب انتہائی چالاکی سے کرن سنگھ کا تعاقب کرنا چاہیے۔ وہ صرف نگاہوں میں رہے۔ اور پھر کسی ایسے موقع پر اسے جا لیا جائے، جب وہ تنہا ہو۔

میں نے بستی کے نکاسی کے راستے کا اندازہ لگا لیا اور پھر کرن سنگھ کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔ کرن سنگھ نے زیادہ دیر نہیں لگائی تھی اور تھوڑی ہی دیر کے بعد مجھے سیٹیاں سنائی دیں۔ یہ واپسی کی سیٹیاں تھیں جنھیں میں نے دوسری بار سنا تھا، اور میرے ذہن کے بہت سے خانے اچانک روشن ہو گئے، میرے ذہن میں ایک خوبصورت ترکیب آئی تھی۔

اور میں دل ہی دل میں مسکرا اٹھا۔ کرن سنگھ کے طریقہ کار کو میں کسی حد تک سمجھ گیا۔ بلاشبہ وہ تعلیم یافتہ آدمی تھا اور نفسیاتی طریقوں سے کام کرتا تھا، وہ اچانک کسی بستی میں داخل ہو گیا اور کسی ایسی بستی کا انتخاب کرتا جہاں اسکے نام کی ہیبت بیٹھی ہوتی تھی، اسکے آدمی فائرنگ کرتے اندر داخل ہوتے اور بستی والوں کو دہشت زدہ کر دیتے پھر منتخب شدہ مکان میں لوٹ مار کرتے اور جلد از جلد

واپس ہو جاتے۔ تاکہ بستی والے ہوش میں نہ آسکیں۔ کسی جگہ زیادہ دیر رکنے کا مطلب تھا، خطرہ مول لینا۔ ممکن ہے بستی والے تیاریاں کر کے مقابلے پر آ جائیں۔

بہر حال عمدہ ترکیب تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد میں نے گھوڑوں پر بیٹھے ہوئے، ڈاکوؤں کو پلٹتے دیکھا۔ وہ بڑی تیزی سے پلٹے تھے۔ سیٹی کا یہی مطلب تھا کہ کام ہو گیا ہے، یہ پھر زبردست خطرہ ہے۔ فوراً واپس چلو۔ ظاہر ہے تاریک راتوں میں ایک دوسرے کی شناخت اور انتظار تو نہیں کیا جا سکتا تھا۔

جب آخری آدمی بھی بستی سے باہر نکل گیا تو میں نے اپنا گھوڑا ان کے پیچھے ڈال دیا۔ میں انتہائی ہوشیاری سے ان کا تعاقب کرتا رہا میرا گھوڑا زبردست تربیت یافتہ تھا۔ وہ انتہائی برق رفتاری سے سفر کرتا رہا۔ رات کی تاریکی میں، میں راستے کا تعین بھی کھو بیٹھا، لیکن بہر حال میری نگاہوں سے انکے گھوڑے، اوجھل نہ ہوتے۔

پھر ہم اونچی اونچی پہاڑیوں کے علاقے تک پہنچ گئے اور میں نے ان پہاڑیوں سے علاقے کا اندازہ لگا لیا۔ یہ ترنتا کا علاقہ تھا، ایک بار پہلے بھی میں یہاں آ چکا تھا۔ یہاں سے میرے نانا کے گاؤں قریب تھے، اور درحقیقت ڈاکوؤں کو پوشیدہ رہنے کے لیے اس سے عمدہ اور کوئی جگہ نہیں تھی۔

میں نے گہری سانس لی اور پھر میں نے ٹیلے کا رخ کیا۔ گھوڑا جتنی بلندی تک چڑھ سکا۔ میں نے اسے چڑھایا۔ پھر اس سے اتر کر خود ٹیلے کی چوٹی پر پہنچ گیا اور اس وقت میری خوشی کی انتہا نہ رہی جب میں نے ایک پہاڑی کے روزن میں روشن شعاع کو لہراتے دیکھا۔

مشعل تھی، جسے لہرا لہرا کر راستے کی نشاندہی کی جا رہی تھی، اور پھر میں نے دیکھا، ڈاکو گھوڑے پر سوار ہی غار میں داخل ہو گئے جس کے دروازے پر مشعل لہرائی جا رہی تھی۔ میرے پورے بدن میں مسرت کی لہریں دوڑ رہی تھیں۔ میں نے ایک زبردست کارنامہ سرانجام دیا تھا، کرن سنگھ کا ٹھکانا معلوم کر لینا کوئی آسان بات نہیں تھی۔ ویسے مجھے یقین ہو گیا تھا۔ کہ ان غاروں کے علاوہ





ان کا کوئی اور ٹھکانا نہیں تھا۔ اس لیے میں مطمئن ہو گیا تھا۔

چنانچہ میں ٹیلے سے نیچے اتر آیا۔ اب مجھے ایک اور سفر کرنا تھا۔ گھوڑے نے سخت محنت کی تھی، لیکن میں اسے ایک اور تکلیف دینا چاہتا تھا۔ میں اس پر سوار ہو کر اپنے نانا کے گاؤں صمد پور کی طرف چل پڑا۔ رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی، جس وقت میں گاؤں میں داخل ہوا۔ راستے میں نے اچھی طرح ذہن میں رکھے ہوئے تھے، گاؤں اس وقت سنسان پڑا ہوا تھا۔۔۔۔ گلیوں کے آوارہ کتے بھونک رہے تھے، ظاہر ہے اس وقت کہیں کچھ نہیں مل سکتا تھا، صبح ہونے کا انتظار کرنا تھا، چنانچہ میں نے گاؤں کے آخری سرے کے پھیلے ہوئے درخت کو منتخب کر کے اس کے نیچے ڈیرا ڈال لیا، گھوڑے کو میں نے اس وقت تک باندھ دینا مناسب سمجھا تھا اور پھر میں بھی سو گیا۔

جس وقت جاگا خوب دھوپ نکل آئی تھی۔

سامنے ہی پنگھٹ تھا، جس پر پنہاریاں پانی بھرنے کے بجائے دور ہی سے میری طرف اشارہ کر کے تبصرے کر رہی تھیں۔

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، حسین چہرے نظر آئے، طبیعت پر خاص خوشگوار اثر پڑا۔ اور مجھے لاجو یاد آ گئی اور پھر اس کا محبوب سروپ۔ نا جانے بعد میں ان دونوں میں کیا فیصلہ ہوا۔ میں اٹھ کر بیٹھا تو پنہاریاں گھبرا کر اپنے کام میں مصروف ہو گئیں۔

تب میں نے گھوڑے کو کھولا اور آہستہ آہستہ ان کے قریب پہنچ گیا۔

''لڑکیو تھوڑا سا پانی مجھے دو، اور تھوڑا سا میرے گھوڑے کو۔'' میں نے کہا۔

بہت سی لڑکیوں نے مجھے خوفزدہ نگاہوں سے دیکھا تھا، بہت سی ایسی تھیں جو نڈر تھیں اور بے خوفی سے میری شکل دیکھ رہی تھیں۔ پھر ایک پنہاری نے پانی کا کلسا میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''بیٹھو۔'' میں بیٹھ گیا، میں نے کلسے کا پانی اوک سے پیا۔ کئی گھونٹ پانی پیا اور پھر کھڑا ہو گیا۔

''کیا تمہارا گھوڑا بھی منہ دھوئے گا؟'' ایک شوخ سی لڑکی نے پوچھا۔

''نہیں۔۔۔۔ یہ صرف پیاسا ہے۔''

"تو اسے اس طرف لے جاؤ جہاں پانی پینے کی جگہ ہے۔"

"اوہ۔" میں نے اس کے اشارے کی طرف دیکھا پتھر کی سل میں گڑھا ڈال کر اسے گھوڑوں کے پانی پینے کی جگہ بنا دیا گیا تھا۔ کئی لڑکیوں نے اپنے کلسے اس میں الٹ دیئے۔۔۔۔ میں نے ان سب کا شکریہ ادا کیا۔

"مسافر ہو بابو؟" ایک لڑکی نے قریب آ کر پوچھا۔

"ہاں کیوں؟"

"لکشمی کہہ رہی تھی کہ تم ڈاکو ہو۔" اس نے بے دھڑک کہا۔

"لکشمی کون سی ہے۔" میں نے لڑکیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور ایک لڑکی سہم کر دوسری لڑکیوں سے پیچھے ہو گئی۔ میں گھوڑے کی لگام پکڑے اس کی طرف ہوا، اور لڑکیوں کے چہرے فق ہو گئے۔

"لکشمی سامنے آؤ۔" میں نے سنجیدگی سے کہا لیکن وہ لڑکیوں کے پیچھے چھپنے کی کوشش کرتی رہی۔

"اری۔۔۔۔ اب سامنے آ جانا۔۔۔۔ بڑی چالاک بن رہی تھی۔" جن لڑکیوں کے پیچھے وہ چھپی ہوئی تھی، ان میں سے ایک نے کہا اور دوسروں کو دھکیل کر خود بھی لکشمی کے سامنے سے ہٹ گئی۔

لکشمی تنہا کھڑی رہ گئی، خوبصورت سی لڑکی تھی چہرے پر شوخی ٹپکتی تھی لیکن اس وقت وہ سہمی ہوئی تھی۔ میں اس کے سامنے پہنچ گیا اور اس کی شکل دیکھنے لگا۔

"میں شکل سے ڈاکو معلوم ہوتا ہوں لکشمی؟" میں نے آہستہ سے پوچھا اور لکشمی نے خوفزدہ نگاہوں سے میرے اوپر نگاہ ڈالی۔

"سندر بھی تو ہوویں ہیں۔" وہ خوف کے عالم میں بھی جھوٹ نہیں بول سکی اور میں بے اختیار مسکرا پڑا۔

"تو تمہیں یقین ہے کہ میں ڈاکو ہوں۔" میں نے کہا اور لکشمی پریشان نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ "بہرحال لڑکیو تمہارا شکریہ تم نے مجھے اور میرے گھوڑے کو پانی دیا لیکن میں ڈاکو نہیں ہوں، بس ایک مسافر ہوں جو رات کو یہاں پہنچا تھا، ساری بستی والے سو رہے تھے، میں بھوکا پیاسا اس درخت کے نیچے لیٹ گیا۔ میں نے کہیں ڈاکہ نہیں ڈالا کسی کو نہیں ستایا۔"

لکشمی کے چہرے پر شرمندگی کے آثار نظر آئے تھے، پھر وہ بولی۔

"مجھے شما کر دیں۔ میں نے تو بس ایسے ہی کہہ دیا تھا۔"

"چلو پھر ٹھیک ہے، ویسے تمہارے بازار کس وقت کھل جاتے ہیں، مجھے کچھ چیزوں کی ضرورت ہے۔"

"چھوٹی دکانیں بازار کی تھوڑی دیر میں کھل جائیں گی۔" مگر۔۔۔۔ لکشمی کے چہرے پر عجیب سے تاثرات نظر آنے لگے۔

"مگر کیا؟"

"کچھ نہیں۔۔۔۔ کچھ بھی نہیں۔" اس نے گاگر کمر پر رکھتے ہوئے کہا اور پھر دوسری لڑکیوں نے بھی اپنی اپنی گاگریں اٹھائیں اور ایک ساتھ چل پڑیں۔ میں ان لڑکیوں کو جاتے دیکھتا رہا۔ کئی لڑکیوں نے مجھے دیکھا، لکشمی بھی ان میں شامل تھی لیکن اس کی نگاہوں میں عجیب سے تاثرات تھے۔ پھر اس نے گردن پھیر لی۔

میرا مشن دوسرا ہے۔ گاؤں کی البیلیوں۔ ورنہ میں تمہارے درمیان کچھ وقت گزارتا۔ خوامخواہ مجھے ناناجان سے تعلقات اچھے ہی کیوں نہ کرنے پڑتے۔ میں زیر لب بڑبڑایا اور پھر اسی درخت کے نیچے جا کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر اور یہاں گزار کر میں واپس ان پہاڑوں میں جانا چاہتا تھا۔

تقریباً 15، 20 منٹ اسی طرح گزر گئے، بھوک لگ رہی تھی، میں اٹھا اور میں نے گھوڑے پر زین کسی، پھر میں گھوڑے پر سوار ہو کر چند قدم آگے بڑھا تھا کہ دور سے لکشمی آتی نظر آئی۔ وہ تیز تیز قدموں سے اسی طرف آ رہی تھی، میں چونک پڑا۔ گھوڑا آہستہ قدموں سے اسی طرف بڑھ رہا تھا۔ میں اس کے قریب پہنچ گیا اور لکشمی نے ہاتھ اٹھا لیا۔

میں نے گھوڑا اس کے قریب روک دیا۔ لکشمی کے ہاتھ میں ایک گٹھڑی سی تھی۔

"کیا بات ہے لکشمی؟ میں نے پوچھا۔

"تم۔تم جا رہے ہو بابو؟" وہ اداسی سے بولی۔

"ہاں لکشمی، میں نے کہا تھا نا، میں مسافر ہوں۔"

"مگر۔۔۔مگر تم بھوکے پیاسے بھی تو ہو۔"

"بازار کھل گیا ہوگا۔ کچھ لے کر کھا لوں گا۔"

"میں، میں تمہارے لیے۔۔۔" وہ خاموش ہوگئی۔

"ارے کیا لائی ہو؟"

"کھانا۔"

"اوہ تو تمہیں یقین ہے کہ میں ڈاکو نہیں ہوں۔" میں نے گھوڑے سے اترتے ہوئے بولا۔

"ہاں۔" اس نے جواب دیا۔

"مگر تم نے میرے لیے تکلیف کیوں کی لکشمی؟"

"میرا گھر بہت دور ہے، بھاگتی ہوئی آئی ہوں، ورنہ دیر ہو جاتی۔" اس نے میری بات کا جواب دینے کے بجائے کہا۔

"اچھا لاؤ۔ کیا لائی ہو؟" میں نے اس کے ہاتھ سے پوٹلی لے لی۔ باسی روٹیاں، گڑ اور مکھن تھا۔ اس کے علاوہ پیتل کی گڑوی میں تازہ دودھ بھی تھا لیکن ان تمام چیزوں میں ایک دیہاتی دوشیزہ کا خلوص شامل تھا۔ میں نے وہیں کھڑے کھڑے یہ چیزیں بڑی رغبت سے کھائیں اور خالی برتن اسے واپس کر دیے۔

"میں جا رہا ہوں لکشمی، لیکن تیری اس مہربانی کو ہمیشہ یاد رکھوں گا۔" میں گھوڑے پر سوار ہو کر بولا۔

"میں نے تمہیں ڈاکو بھی تو کہا تھا۔" وہ بولی۔



"میں بھول گیا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اوہ۔ پھر کبھی یہاں نہیں آؤ گے بابو۔ لکشمی بولی۔

"کہہ نہیں سکتا لکشمی۔" میں نے جواب دیا۔ اور گھوڑے کو ایڑھ لگا دی۔ لکشمی نوجوان تھی۔ میری آنکھوں کو بھا رہی تھی لیکن بہر حال اس وقت میرا مشن دوسرا تھا۔ نہ جانے ذہن میں کہاں سے شرافت آگھسی تھی۔ ورنہ۔۔۔

گاؤں کے چھوٹے سے بازار سے استعمال کی جو معمولی چیزیں مل سکی تھیں میں نے خرید لیں اور پھر میں راستے پر چل پڑا۔ جو مجھے میری منزل کی جانب لے جاتا تھا۔ اس بار یہ طویل سفر میں نے کسی حد تک سست رفتاری سے طے کیا اور اس علاقے میں پہنچ گیا۔ دن کی روشنی میں مجھے ایک ندی نظر آئی جو سست رفتاری سے بہہ رہی تھی۔ یقیناً قرب و جوار کے کسی پہاڑی جھرنے سے نکلی ہوگی دھوپ کے سفر نے پانی کی طلب پیدا کر دی تھی۔ میں نے گھوڑے کو ندی کے رخ پھیر دیا۔ لیکن اچانک میں ٹھٹھک گیا۔ جوں ہی میں ایک ٹیلے کی آڑ سے نکلا میری نگاہ ایک اور گھوڑے پر پڑی جو ندی کے پانی میں منہ ڈالے کھڑا تھا۔ اس کے قریب ہی اس کا سوار کھڑا تھا اور شاید گھوڑے کے پانی پی لینے کا انتظار کر رہا تھا۔ یہ غیر متوقع تھا۔ اس نے مجھے اچھی طرح دیکھ لیا تھا اور چونک پڑا تھا۔

اب چھپنے یا بھاگنے کی کوشش بے سود تھی۔ میں خاموشی سے آگے بڑھا اور ندی کے کنارے پہنچ گیا اور پھر میں نے اپنے گھوڑے کو ندی کے کنارے پانی پینے کے لیے چھوڑ دیا۔

تھوڑے فاصلے پر کھڑا یہ شخص میری طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ چند منٹ وہ اسی انداز میں کھڑا رہا۔ پھر اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے میری طرف بڑھا۔

یہ سوچنے میں کوئی عار نہیں تھی کہ وہ کرن سنگھ کا کوئی ساتھی تھا۔ وہ میرے قریب پہنچ گیا اور پھر گھوڑے کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا اس ندی کا پانی پینے کے قابل ہے۔" میں نے پوچھا۔

''ہاں۔ ہے۔'' اس نے بھاری آواز میں جواب دیا۔

''میں پیاسا ہوں۔''

''کون ہو؟'' اس نے اسی انداز میں پوچھا۔ ''آوارہ گرد۔'' میں نے جواب دیا اور گھوڑے کو دیکھنے لگا جو پانی میں منہ لٹکائے کھڑا تھا۔

''بچے ہو ابھی۔ ایسے راستے میں آوارہ گردی نہیں کرتے۔'' اس نے کہا اور میں ہنس دیا۔

''یا پھر جھوٹ بول رہے ہو۔'' وہ پھر بولا۔

''کیا مطلب؟''

''تم یہاں کسی خاص مقصد سے آئے ہو۔''

''اوہ، کیا مقصد ہو سکتا ہے؟'' میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''مطلب تو تم ہی بتاؤ گے۔'' بڑی بھیانک مسکراہٹ تھی اس کی شکل بھی خوفناک تھی۔

''مدد کرو گے میری؟'' میں نے پینترہ بدلا۔

''کیا مطلب؟'' اس بار وہ چونک کر بولا۔

''اگر اصل بات بتا دوں تو۔'' میں بدستور مسکرا رہا تھا اور وہ مجھے گھور رہا تھا۔

''بتاؤ۔''

''پہلے بتاؤ مدد کرو گے۔''

''لڑکے، تم مجھے نہیں جانتے، میں بہت برا انسان ہوں، ایک منٹ کے اندر اندر مجھے بتاؤ، تم اس طرف کیوں آئے ہو، ورنہ پھر ساری ذمہ داری تمہارے اوپر ہوگی۔''

''کیوں کیا اس طرف آنا منع ہے؟''

''ہاں۔''

''کس کے حکم سے؟''

''اس کا نام بتا دوں گا تو تمہارے حواس گم ہو جائیں گے۔''

''خیر میں تم سے جھگڑا نہیں کرنا چاہتا، میں پارس کی تلاش میں ہوں۔''

''کیا؟'' اس نے غراتے ہوئے کہا۔

''پارس پتھر، اصل میں میرے دوست، میں ایک مالدار شخص کی بیٹی سے پیار کرتا ہوں، میرا ہونے والا سسر بے حد کنجوس ہے، اس لالچی شخص نے کہا ہے کہ اگر میں اسے سو تولے سونا مہیا کر دوں تو وہ اپنی لڑکی کی شادی میرے ساتھ کر دے گا۔ ورنہ نہیں۔ اب تم خود سوچو میں اتنا سونا کہاں سے مہیا کر سکتا ہوں چنانچہ پارس کی تلاش میں نکل پڑا ہوں۔ اب اگر پارس مل گیا تو واپس جاؤں گا، ورنہ زندگی انہی پہاڑوں میں گزار دوں گا۔''

''اوہ۔'' اچانک وہ مسکرا پڑا۔

''تو یہ بات ہے؟''

''ہاں میرے دوست۔''

''بہت معصوم ہو، اس زمانے میں پارس کا وجود کہاں؟''

''لیکن میں بڑا عزم لے کر نکلا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''خیر، تم پانی پیو۔ اس کے بعد باتیں کریں گے۔''

''شکریہ۔'' میں نے کہا، لیکن بہر حال میں اس کی طرف غافل نہیں تھا۔ میں نے اس کی کمر سے لٹکی کلہاڑی بھی دیکھ لی تھی۔ میں پانی پینے کے لیے جھکا، لیکن اس کی طرف سے بے خبر نہیں تھا۔ پانی میں، میں نے اس کا عکس نگاہ کے سامنے رکھا، میں نے دیکھا کہ اس نے کلہاڑی کمر سے اتار لی اور پھر اسے اس نے الٹا پکڑ لیا۔ غالباً وہ میرے سر پر مار کر مجھے بے ہوش کرنا چاہتا تھا۔ جیسے ہی اس نے میرے اوپر وار کیا میں نے سانپ کی طرح پلٹ کر اس کا پاؤں پکڑا اور پوری قوت سے گھسیٹ لیا۔

وہ بڑے آرام سے چت ہو گیا تھا۔ دوسرے لمحے میں پلٹا اور اس پر حملہ کر دیا لیکن وہ بھی پھرتیلا تھا۔ اس نے میرا وار خالی دیا اور کروٹ بدل کر ایک طرف ہو گیا۔ دوسرے لمحے وہ اٹھا اور کلہاڑی

کو پوری قوت سے گھما کر میرے اوپر وار کیا لیکن میں نے ایک طرف ہٹ کر اس کا وار خالی کر دیا اور جونہی وہ جھکا میری ٹھوکر اس کے منہ پر پڑی۔ شاید اس کے دو تین دانت صاف ہو گئے۔ کیونکہ ایک لمحے کے لیے وہ چکرا گیا تھا اس کے منہ سے خون ابل پڑا تھا لیکن پھر وہ درندہ بن گیا۔ اس نے بری طرح کلہاڑی گھمانا شروع کر دی۔ وہ ہر قیمت پر مجھے قتل کر دینا چاہتا تھا لیکن بنوٹ کے استاد نے مجھے خوب گر سکھائے تھے۔ میں اس کے سارے وار خالی دیتا رہا۔ پھر میرا ایک داؤ لگ گیا۔ میں نے کلہاڑی والے ہاتھ پر گرفت کر لی اس نے پوری قوت سے جھٹکا مارا اور کلہاڑی الٹی اس کے پیٹ پر لگی۔ ضرب کافی زوردار تھی۔ اگر سیدھی کلہاڑی اس قوت سے لگتی تو کمر تک پہنچ جاتی۔ وہ بھینسے کی طرح ڈکرایا اور کلہاڑی اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی لیکن اب میں اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ میں نے اسے گھونسوں اور لاتوں پر رکھ دیا۔ چونکہ اس کے منہ اور پیٹ پر کافی وار لگ چکے تھے اس لیے اس کی قوت دم توڑ گئی تھی۔ اوپر سے میرے گھونسے اس کے حواس بگاڑ رہے تھے۔ چہرے پر ورم آ گیا اور آنکھیں تقریباً بند ہو گئیں، میں بھی ماحول سے بیگانہ ہو گیا تھا۔ نجانے میرے اندر اتنی وحشت کہاں سے آ گئی تھی۔ یا شاید یہ میری پوشیدہ وحشت تھی جس کے تحت بے چارا مولوی اور ہندو لڑکا مارا گیا تھا۔ وہ صرف معمولی حرکتیں تھیں، لیکن یہاں آزادی تھی۔ چنانچہ میں اپنے شکار کو خوب دھن رہا تھا۔ اور میں نے اس کی ساری کوششیں ناکام بنا دی تھیں اور پھر وہ بے جان ہو کر چاروں شانے چت جا گرا۔ تب میں پیچھے ہٹا اور پہلی بار میں نے ہولسٹر سے پستول نکال لیا۔ نہ جانے کیوں میرا دل چاہ رہا تھا کہ اپنے شکار کے پورے بدن میں سوراخ کر دوں۔ میں نے اس کا نشانہ لیا ہی تھا، کہ پیچھے سے آواز آئی۔

''نہیں شیر۔ نہیں بالکل نہیں۔'' اور میں سانپ کی طرح پلٹا۔ میری پشت پر چھ آدمی، دائرے کی شکل میں کھڑے تھے۔ پانچ کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں۔ ایک خالی ہاتھ تھا۔

''پستول رکھ لے میری جان۔ مرے ہوئے کو کیا مارے گا؟'' اس آدمی نے کہا جو خالی ہاتھ تھا۔ خاصی معقول شکل وصورت کا طویل قامت شخص تھا۔ عمر چالیس سال کے لگ بھگ تھی۔ بے حد جاندار آنکھوں کا مالک تھا۔ اس کے گھنگھریالے بال اس کی پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے اور وہ خاصا بارعب نظر آ رہا تھا۔ میں نے انہیں گھور کر دیکھا۔ سوچتا رہا اور پھر پستول ہولسٹر میں لگایا۔ ویسے میرے بدن میں سنسنی دوڑ گئی تھی۔ یقیناً یہ اس کے ساتھی ہوں گے، بلکہ کیا عجب کہ یہ طویل القامت ہی کرن سنگھ ہو۔

''او جیتا رہ میرے شیر جیتا رہ۔ بھگوان کی سوگند جی دار ہے اٹھ اوئے دو بے چند۔ تیرا مان ٹوٹ گیا نا آخر۔ میں نے کہا تھا غرور مت کر، اس کا سر ضرور نیچا ہوتا ہے۔'' طویل القامت کی آواز میں ایسی ہی چہکار تھی جیسے اب تک اس نے کوئی دلچسپ تماشا دیکھا ہو لیکن زمین پر پڑا شخص کوشش کے باوجود نہ اٹھ سکا۔

''دیکھو رے۔ اٹھاؤ اسے' کیا سالے کی ٹانگیں بھی بیکار ہو گئیں' طویل القامت نے اپنے ساتھیوں سے کہا اور وہ آگے بڑھ گئے' انہوں نے سہارا دے کر دو بے کو اٹھایا۔

''ابے'' طویل القامت نے قہقہہ لگایا۔

''ابے تیری تو شکل ہی بدل گئی' اس کی آنکھیں تو تلاش کرو' کہاں گئیں۔ مار مار کر ٹماٹر بنا دیا سالے کو' ابے دو بے چند یہ تو ہی ہے نا؟''

''میرا۔۔۔ میرا مذاق مت اڑاؤ سردار۔۔۔ مم۔۔۔'' اس نے خون کی کلی کر دی اور طویل القامت نے پھر ایک قہقہہ لگایا۔

''ارے جیو مکھن' سالے کے دانت بھی لے بیٹھے' ابے ہاتھ ہیں کہ فولاد کے گھن' ذرا دکھاؤ تو۔'' اس نے بے تکلفی سے میرے دونوں ہاتھ پکڑ لیے اور انہیں دبا دبا کر دیکھنے لگا۔

''بھگوان کی سوگند' جی خوش کر دیا۔ میں نے تیری پوری لڑائی دیکھی ہے' ٹماٹر۔ خوب لڑتا ہے' مگر یار یہ تو بتا تو ہے کون؟'' طویل القامت بولا۔

''پورنا اہیر۔'' میں نے جواب دیا۔

''اہیر ہے' واہ بیٹا' بھگوان کی سوگند جب تک من چاہے زندہ رہ اور زندہ ہی تجھ جیسوں کو رہنا

چاہیے۔ ہونہہ اسے لے جاؤ رے سالا گرا جا رہا ہے۔'' اس نے دو بے چند کی طرف دیکھ کر کہا اور دو آدمی دو بے کو سہارا دے کر لے جانے لگے۔

''ہونہہ' سالا اپنے آپ کو گینڈا کہتا تھا' آج ساری اکڑ نکل گئی۔ بانکے تو دو بے کا گھوڑا پکڑ لے۔ آجا مکھن' چنتا مت کر' تیرا گھوڑا بھی آجائے گا! آجا یار۔''

''کہاں۔'' میں نے پوچھا۔

''ابے آ بھی جا۔ اپن کا ٹھکانا یہیں ہے' چل پانی پی لے' چلے جانا' تو تو لونڈیا بھی نہیں ہے ٹماٹر کہ تیری عزت لوٹ لی جائے گی۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

''سردار' سردار۔ یہ تو معلوم کرلو۔ یہ ہے کون؟'' ایک آدمی نے دبی زبان سے کہا۔ ''اس طرح لے جانا ٹھیک نہیں ہے۔''

''کیوں؟'' سردار ایک طویل غراہٹ کے ساتھ بولا اور اس کے ساتھی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''تو نے یہ بات کیوں کہی؟''

''سردار۔ یہ حکومت کا آدمی نہ ہو۔'' وہ پھر بولا۔

''ابے کتیا کے جنے' کوئی بھی ہو' جی دار تو ہے سالے۔ جی دار کبھی پیچھے سے نہیں مارتے' اسے لکھ لے' اگر یہ دشمن نکلا تو میدان میں مقابلہ کرلیں گے۔ اس وقت کچھ مت بول' آجا مکھن تو ان لوگوں کی پرواہ مت کر۔'' وہ بے تکلفی سے میرا بازو پکڑ کر آگے بڑھ گیا۔ اس کا رخ انہی پہاڑیوں کی طرف تھا۔

میرے دل میں عجیب عجیب خیالات پیدا ہو رہے تھے۔ اس کے ساتھیوں نے اسے سردار کہہ کر پکارا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ کرن سنگھ ہی ہے۔ بہرحال حوصلے کا آدمی ہے۔ پروقار بھی ہے' میں دل ہی دل میں اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم اس غار میں داخل ہو رہے تھے جسے میں چھپ کر دیکھ چکا تھا۔ غار کیا تھا پورا محل تھا۔ پہاڑ اندر سے بالکل کھوکھلا تھا اور چند منٹ کے بعد میرے سامنے پھلوں اور خشک میووں کا ڈھیر لگا یا گیا۔



''اگر تو حکومت کا آدمی بھی ہے ٹماٹر۔ تو میری درخواست ہے کہ کرن سنگھ کے راستے مت آنا' بھگوان نے بدن میں جان ڈال دی ہے۔ ہر طرح کما کھائے گا' تیرے جیسے جیالوں کی عزت کرن سنگھ کے من میں ہے۔''

''تم کرن سنگھ ہو؟'' میں نے تعجب کا اظہار کیا۔

''ہاں' کرن سنگھ۔'' اس نے سینہ پھلا لیا۔

''اوہ۔۔۔ لیکن تم تو۔۔۔ تم تو ڈاکو ہو۔'' میں نے اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں اور اس نام پر شرمندہ نہیں ہوں' جو کچھ ہوں اس پر فخر کرتا ہوں۔''

''میں نے تمہارا نام بہت سنا ہے' مگر مجھے خیال بھی نہیں تھا کہ کسی دن تم سے اس طرح ملاقات ہو جائے گی۔''

''تو کون سی بستی کا رہنے والا ہے' پورنا۔'' کرن سنگھ نے پوچھا۔

''میں شہر کا رہنے والا ہوں۔'' میں نے دور دراز کے ایک شہر کا نام بتا دیا۔

''ابے تو اس علاقے میں کیسے آنکلا مکھن۔''

''بس تقدیر لے آئی۔'' میں نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

''ہوا کیا میرے ٹماٹر' کیا یار کو نہیں بتائے گا۔'' کرن سنگھ نے ہنستے ہوئے کہا۔

''محبت ہو گئی تھی۔'' میں نے گردن ٹیڑھی کر کے کہا۔

''دھت تیرے کی۔ آخر ایک خرابی نکل ہی آئی۔'' کرن سنگھ نے منہ بنا کر کہا۔ پھر بولا۔

''ابے کس سے ہو گئی تھی؟''

''اس کے باپ کا نام لالا گا پرشاد ہے۔''

''اور اس کا نام۔'' کرن سنگھ نے آنکھ دبا کر پوچھا۔

''سرسوتی۔''

''کہاں رہتی ہے؟''

''شہر میں۔اس کا باپ بزاز ہے' لکھوں پتی۔''

''تو بھی کروڑوں کا ہے' مگر ہوا کیا؟''

''لالچی نے شرط لگادی' کہنے لگا چڑھاوے میں سوتولے سونا دوں۔''

''اور نہیں تھا تیرے پاس۔''

''کہاں سے ہوتا' میرا باپ معمولی آدمی ہے۔''

''مگر تیرے بدن میں جان تو ہے۔''

''آج کل جان سے کچھ نہیں بنتا۔''

''بکواس کی الٹا ہاتھ دوں گا منہ پر' سالا گینڈوں کو پچھاڑ سکتا ہے' ایک لونڈیا کو اٹھا کر نہیں لا سکتا' اسے گھوڑے پر رکھتا اور لے آتا کسی سنسان علاقے میں' ٹماٹر کہیں کا۔''

''یار۔تم نہیں سمجھتے' لونڈیا اس بات پر تیار نہ ہوتی۔''

''پھر سالی پریم کیوں کرتی تھی۔ بہرحال تیری مرضی۔ یہاں کیوں جھک مارنے آیا تھا؟''

''ایک سادھو سے ملاقات ہوگئی تھی۔''

''اچھا۔پھر؟''

''اس نے کہا میرے ہاتھ میں پارس کی ملکہ ہے' مجھے پارس پتھر ضرور ملے گا' سو میں پارس کو تلاش کرتا ہوا ان علاقوں میں نکل آیا۔''

''بس بس خاموش ہوجا۔جتنی تیری عزت بنی تھی من میں سب سالی ختم ہوگئی۔ابے تجھے شرم نہیں آتی۔''

کرن سنگھ منہ بنا کر بولا اور میں نے سامنے رکھی پلیٹ اٹھا کر دیوار پر دے ماری۔دوسری پلیٹ کو میں نے کھڑے ہوتے ہوئے ایک زوردار ٹھوکر رسید کی تھی' اور پھر خونخوار نگاہوں سے کرن سنگھ کو گھورنے لگا۔اس کے انداز پر درحقیقت مجھے غصہ آ گیا تھا۔قرب وجوار میں موجود لوگ ساکت ہوگئے تھے ان کے ہاتھ پستولوں پر جا پڑے تھے۔





کرن سنگھ خاموشی سے مجھے گھورنے لگا۔میں نے بھی پلکیں نہیں جھپکائی تھیں اور آہستہ آہستہ کرن سنگھ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''میں باہر جاؤں گا۔''میں نے سخت لہجے میں کہا۔

''غلطی ہوگئی۔معاف کردے بیٹے میرا مطلب غلط نہیں تھا۔اب بیٹھ بھی جا۔''وہ اٹھا اور اس نے میرا بازو پکڑ کر مجھے نیچے بٹھا دیا۔

''میرے کہنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ ان سادھو سنتوں کی باتوں میں آ کر جیون نہیں کھوتے' یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو سارا جیون خود بھی کچھ نہیں کرتے اور دوسروں کو بھی خراب کرتے رہتے ہیں۔بھیک مانگنے والے کوئی کام کی بات بتا سکتے ہیں۔پارس تو خود تیرے پاس ہے ٹماٹر' تو نے اس طرف کیوں نہیں دیکھا۔''

''کیا مطلب!''میں نے نرم لہجے میں کہا۔

''تیرے بازو' ابے دیکھ تو سہی' تیرے مضبوط ہاتھ' یہ جتنا سونا بنا سکتے ہیں پارس پتھر نہیں۔''

''میں نے بہت کوشش کی کرن سنگھ پر کچھ نہیں ہوسکا۔''میں نے کہا۔

''ہاں سادھو کا دھرم جو اپنا لیا تھا۔''

''پھر کیا کرتا؟''میں نے بے چارگی سے کہا۔''کرے گا؟''کرن سنگھ بولا۔''کیا مطلب؟''

''سو تولے سونا لے کر جانا اب یہاں سے میں تجھے ایسے نہیں جانے دوں گا سمجھا۔اٹھ میرے ساتھ آ۔''وہ اٹھ کھڑا ہوا اور میں بھی اٹھ گیا۔کرن سنگھ غار کے اندرونی حصوں کی طرف جا رہا تھا۔سرنگ زیادہ لمبی نہیں تھی لیکن تاریکی بے پناہ تھی۔پھر کسی کھٹکے کی آواز سنائی دی اور گھٹن کا احساس کچھ بڑھ گیا۔کرن سنگھ نا جانے کیا کر رہا تھا لیکن چند لمحات کے بعد ایک مشعل روشن ہوگئی اور پھر کرن سنگھ اس مشعل سے دوسری مشعلیں روشن کرنے لگا۔جو دیواروں میں نصب تھیں اور چند لمحات کے بعد میں نے ایک گہری سانس لی۔بڑے بڑے صندوق کھلے پڑے ہوئے تھے۔سارے کے سارے سونے کے زیورات چاندی کے برتنوں اور دوسری چیزوں سے جگمگا رہے

تھے۔ میں منہ پھاڑے انہیں دیکھتا رہا اور پھر کرن سنگھ کی آواز ابھری۔ ''لیکن میں تجھے ان میں سے کچھ نہیں دوں گا' حرام کے نہیں ہیں!''

میں سر کھجانے لگا۔ اس خطرناک آدمی کی کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ درحقیقت میرے سامنے بیش بہا زیورات بکھرے پڑے تھے لیکن میں سیر چشم انسان تھا۔ ان جواہرات کی میری نگاہ میں کوئی وقعت نہیں تھی۔ کیا کرنا تھا مجھے۔ ان بے حقیقت چیزوں کا لیکن میں نے ایک ایسے انسان کی کہانی سنائی تھی' جسے سونے کی ضرورت تھی۔ اس لیے میں نے چہرے پر ایسے تاثرات پیدا کر لیے' جیسے اتنا بڑا خزانہ دیکھ کر میرے حواس جواب دے گئے ہوں۔ میں بت کی مانند ساکت رہ یا تھا۔

'ہوش کھونے کی ضرورت نہیں ہے' مکھن۔ تیری عمر اتنی چھوٹی ہے کہ میں تجھے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اگر کوئی دنیا دیکھا ہوا آدمی ہوتا تو سالے کی گردن مروڑ کر انہی زیوارت میں دفن کر دیتا۔ ویسے تیرے بازوؤں کے سامنے یہ چمکدار ڈھیر سونے کے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ دیکھ تو اگر لونڈیا کو اٹھا کر لے آئے تو پھر پرتھوی راج کہلائے گا' اور اگر تو نے لالچی بوڑھے کی شرط پوری کر دی تو بس تیری حیثیت ایک تاجر سے زیادہ کچھ نہیں ہوگی۔''

''کرن سنگھ۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں نے اسے سونے کا وچن دیا ہے۔''

''وچن دیا ہے۔'' کرن سنگھ نے پرخیال انداز میں کہا

''ہاں۔''

''وچن پورا کرنا بہت اچھی بات ہے میری جان'' مگر ایسے لوگوں سے جو غیرت مند ہوں۔ تو نے اس بنیے کو وچن دیا ہے۔ خیر میں تجھے منع نہیں کرتا۔ تیرے من میں کوئی بات ہے۔''

''کیسی بات۔''

''کہاں سے حاصل کرے گا سونا۔''

''ابھی تک تو کوئی فیصلہ نہیں کیا۔''



''ابے جان ہے تو مجھ سے لڑ لے۔ دوسرا کوئی نہیں بولے گا۔ اگر تو نے مجھے ہرا دیا تو جو کچھ لے جائے گا منع نہیں کروں گا۔'' کرن سنگھ نے کہا۔۔۔ درحقیقت ابھی عمر بہت سے تجربات سے ناآشنا تھی۔ میں نے خونخوار نگاہوں سے کرن سنگھ کو دیکھا۔ اور بھاری آواز میں کہا۔

''مجھے منظور ہے۔''

''ارے واہ۔۔۔ کیا یہ تیرے باپ کا مال ہے۔ میں نے اپنی محنت سے حاصل کیا ہے اگر تو نے مجھے ہرا دیا اور یہاں سے کچھ لے بھاگا' تو پھر کرن سنگھ ڈاکو میں اور تجھ میں کیا فرق باقی رہ جائے گا۔''

''مجھے بہرحال سونے کی ضرورت ہے۔ کرن سنگھ۔''

میں نے کہا۔

''دیکھو جیالے بھگوان کی سوگند ہم برے لوگ بھگوان کے ساتھ کوئی مذاق نہیں کرتے۔ جب ہم بھگوان کی سوگند کھاتے ہیں' تو ہمارے من میں سچ ہی سچ ہوتا ہے تو بھگوان کی سوگند تیری ضرورت پوری ہو جائے' تو میں یہ سارا خزانہ تجھے دینے کو تیار ہوں' مگر من نہیں کرتا۔ تیرے جیسے نوجوان کو حرام خور بنانا پاپ ہے۔ میری بات مان میری جان۔۔۔ تو خود اپنے بازوؤں کی قوت سے یہ سونا حاصل کر۔''

کرن سنگھ نے کہا۔

''میں تجھ سے بھیک مانگنا نہیں چاہتا' لیکن میں کیا کروں؟''

''میرے ساتھ ڈاکے پر چل صرف ایک بار اور اس کے بعد میں تجھے سونا دے دوں گا۔ اور تو یہاں سے چلا جانا پھر اپنی پریمیکا کو لے کر اگر تیرا من کرے تو میرے پاس آ جانا' میں تجھے اور تیری پتنی کو عزت دوں گا۔''

''ہوں۔'' میں نے گردن جھکالی' چند سیکنڈ سوچتا رہا اور پھر میں نے گہری سانس لے کر جواب دیا۔ ''مجھے منظور ہے!''

''ہے ناشیر ٹماٹر۔ بھگوان کی سوگند' مجھے تیرے اندر نہ جانے کیا نظر آرہا ہے۔ کیسے بتاؤں۔ اب آجا۔'' کرن سنگھ نے کہا اور میں اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔

''کرن سنگھ میرے ساتھ چل رہا تھا۔ پھر وہ مجھے ایک اور غار میں لے آیا۔ یہ شاید اس کی اپنی رہائش گاہ تھی۔ اس نے مجھے احترام سے بٹھا دیا۔ اور پھر گرجا ''کوئی ہے۔ اندر آجاؤ۔'' اور پھر دو آدمی اندر آگئے۔

''رات کا کھانا یہ میرے ساتھ کھائے گا! جانکی کو بھجوا دو۔'' اس نے حکم دیا۔ اور دونوں آدمی سر جھکا کر باہر نکل گئے۔

آرام سے بیٹھ ٹماٹر۔ اب باتیں کریں گے۔'' وہ بولا۔

اور میں نے جوتے اتار دیے۔۔۔ ''منہ ہاتھ دھونا ہو تو اندر چلا جا۔'' اس نے ایک سوراخ کی طرف اشارہ کیا۔ اور میں نے گردن ہلا دی' دوسری طرف پانی وغیرہ کا معقول انتظام تھا۔ میں نے منہ ہاتھ دھویا اور خاصا تازہ دم ہو گیا۔ باہر کسی نے کرن سنگھ کے سامنے حقہ بھر کر رکھ دیا۔ اور وہ حقہ گڑگڑا رہا تھا۔

''دارو پیتا ہے۔'' اس نے پوچھا۔

''نہیں۔''

''ہائے۔ کنوارا ہے ابھی ویسے ایک لونڈیا کو سر سے نہ باندھ جیون بھر کا روگ بن جاتی ہے' پھر سالے بچے پیدا کرے گا' اور کسی کام کا نہیں رہے گا۔''

''نہیں سردار۔'' میں اس سے پریم کرتا ہوں۔''

''ہاں۔ پریم بری شے ہوتی ہے' پیارے اور اچھا ہی ہے۔ بری باتوں سے بچا رہے۔ لیکن اگر تو چاہے۔ تیرا من کرے تو عیش کر سکتا ہے! کیا سمجھا۔''

''کچھ نہیں سمجھا سردار۔''

''سمجھا دا سے۔'' کرن سنگھ نے پھر کہا۔ اور اچانک غار میں موسیقی پھیل گئی۔ ڈھول' طبلہ' ہارمونیم'



گھنگھرو۔ میں نے چونک کر چاروں طرف دیکھا۔ سوراخوں سے دو لڑکیاں نکل پڑیں۔ انتہائی خوبصورت لباس' پیروں میں گھنگھرو' خود بھی کافی خوبصورت تھیں۔ اور پھر انہوں نے رقص شروع کر دیا۔

سازوں کی آوازیں سوراخوں ہی سے آرہی تھیں۔ دونوں لڑکیوں نے عجیب سے سا سماں باندھ دیا میں نے بہت مجرے دیکھے تھے' لیکن یہ لطف نہیں آیا تھا۔ کرن سنگھ میرے اوپر انعامات نچھاور کر کے انہیں دیتا رہا۔ اور جھوم جھوم دونوں لڑکیاں رقص کرتی رہیں۔ میرے سامنے تازہ پھل لا کر رکھ دیے گئے تھے۔

کافی دیر تک رقص جاری رہا۔ باہر شاید گہری رات ہو گئی تھی۔ بہر حال ان غاروں میں کوئی اندازہ نہیں ہوتا تھا۔ اور پھر کافی رات گزر گئی' اور کرن سنگھ نے ہاتھ اٹھا لیا۔

''بس۔ اب بھوک لگ رہی ہے۔'' وہ غرایا۔ اور ساز بند ہو گئے۔ رقاصاؤں نے ہاتھ جوڑے اور سوراخوں میں واپس چلی گئیں۔ اور پھر کھانے کا بندوبست ہونے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد مختلف کھانوں کے انبار لگا دیے گئے۔ اور کرن سنگھ نے مسکراتے ہوئے دعوت دے ڈالی۔ میں نے کوئی تکلف نہیں کیا' ظاہر ہے یہاں رہنا تھا۔ کام کرنا تھا۔ اس لیے کسی قسم کی تکلف کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم کھانے سے فارغ ہو گئے۔ اور پھر کرن سنگھ نے اپنا غار چھوڑ دیا۔ وہ دوسرے بڑے ہال میں آگیا۔ جہاں دوسرے لوگ موجود تھے۔ اور مختلف مشاغل میں مشغول تھے۔ شاید کرن سنگھ کی طرف سے انہیں اجازت تھی۔ کہ اپنے رنگ میں رہیں۔ بہر حال احترام اور خوف کی ہلکی سی فضا ضرور پیدا ہو گئی۔ لیکن لوگ تفریحات میں مشغول رہے۔ ایک بار پھر ساز ندے آئے۔ ان کے ساتھ خوبصورت عورتیں بھی تھیں۔ رقص کے ساتھ آواز بھی تھی اور بلاشبہ کرن سنگھ کو غزلوں کا خوب ذوق تھا۔ خوبصورت آواز میں گانے والیاں گاتی رہیں۔ اور کرن سنگھ انہیں بیش بہا انعامات سے نوازتا رہا۔ رات گئے تک یہ محفل جمی رہی تھی۔ تب کرن سنگھ نے میری طرف جھک کر کہا۔

''تھک گیا مکھن۔ کیا خیال ہے' نیند آ رہی ہے۔''

''ہاں۔'' میں نے کہا۔ اور کرن سنگھ نے ہاتھ بلند کر دیا۔ ساز رک گئے اور رقص کرنے والیاں تھم گئیں۔ اور پھر کرن سنگھ اٹھ گیا۔ غاروں کا یہ انتظام خوب تھا۔ میری خواب گاہ مجھے دکھا دی گئی اور میں شاندار خواب گاہ میں داخل ہو کر بستر پر لیٹ گیا۔

اور پھر میرے ذہن میں کھچڑی پکنے لگی' کرن سنگھ نے مجھے اپنے درمیان شامل کر لیا ہے' بلاشبہ ابھی تک اس نے میرے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا ہے' لیکن میں اپنا مقصد فراموش نہیں کروں گا۔ میں کرن سنگھ سے دیپو کا انتقام لینے آیا ہوں۔ انتقام ضرور لوں گا۔ لیکن میرے ذہن میں دو راستے تھے۔ اول تو یہ کہ پولیس کو اس گروہ کے ٹھکانے کی اطلاع دے دوں۔ دوئم یہ کہ خود کرن سنگھ سے مقابلہ کروں۔ ویسے میں اس سے مرعوب ضرور تھا۔ لیکن خوفزدہ نہیں تھا۔ کافی دیر تک جاگنے کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ گروہ کی نشاندہی ایک مزموم فیصلہ ہے یہ بزدلی بھی ہوگی' لیکن اگر یہ لوگ مجھے ان غاروں میں نہ لاتے۔ تو مجھے ان کے بارے میں اس قدر معلومات نہ حاصل ہوتیں۔ ان کے درمیان گھس کر اگر ان کے ساتھ یہ سلوک کیا جاتا۔ تو قابل عزت بات نہیں تھی۔ میری دشمنی صرف کرن سنگھ سے ہے۔ اور پھر آئندہ پروگرام کے لیے میرے ذہن میں خاکہ مرتب ہو گیا۔ پھر میں سکون سے سو گیا۔

دوسری صبح آنکھ کھلی' حالات معمول پر تھے۔ غاروں کے دن رات کا کوئی اندازہ ہی نہیں ہوتا تھا۔ ناشتے پر کرن سنگھ پھر میرے ساتھ تھا اور حسب معمول مہربانی سے پیش آ رہا تھا۔

''میں نے نیا پروگرام طے کر لیا ہے مکھن۔ آج رات۔۔۔ ہم پہاڑوں میں نہیں گزاریں گے۔''

''اوہ۔۔۔'' میں نے گردن ہلائی۔

''تجھے اعتراض تو نہیں ہے؟''

''نہیں۔'' میں نے مختصراً جواب دیا۔

''او۔۔۔ جیو۔۔۔ جیو۔۔۔ یار نہ جانے کیوں میں تیرے بارے میں سپنے دیکھنے لگا ہوں۔''



''کیسے سپنے کرن سنگھ؟'' میں نے پوچھا۔

''بڑے بڑے' تیر انداز۔ تیرے جوہر بتاتے ہیں ٹماٹر کہ' کرن سنگھ کے بعد ہی تو اس کا جانشین ہوگا۔ یہاں اتنے سارے ہیں' ایک سے ایک طاقتور ایک سے ایک سورما۔ مگر کسی میں وہ بات نہیں ہے جو تجھ میں ہے میری جان' تیرا اور اس گروہ کا مستقبل شاندار ہے!''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا' کرن سنگھ کی آنکھیں خواب میں ڈوب گئیں اور کئی سیکنڈ کھوئے رہنے کے بعد بولا۔

''کیا نام بتایا تھا تو نے مکھن پورنا۔ واہ کیا نام ہے تیرا میری جان۔ جس وقت تیرا نام گونجے گا۔ پورنا۔۔۔ اس وقت۔۔۔ بھگوان کی سوگند۔۔۔ لوگ کرن سنگھ کو بھول جائیں گے۔''

میں خاموشی سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ نا جانے کیسا آدمی تھا۔ یہ باتیں ایسی کرتا تھا کہ ذہن متاثر ہوتا تھا۔ لیکن بہرحال میں دشمنی نہیں بھول سکتا' نہیں بھول سکتا۔ کہ میں نے اس سے انتقام لینے کے لیے طویل عرصہ تک صحرا گردی کی ہے۔ کافی دیر تک کرن سنگھ باتیں کرتا رہا تھا۔ پھر وہ بولا۔

''میری جان۔ اب تھوڑی دیر تک آرام کر لو اس کے بعد نشانہ بازی کی مشق کرنے چلیں گے۔''

اور پھر وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔

میں تنہائی میں کرن سنگھ پر غور کرتا رہا اور اپنے پروگرام پر غور کرتا رہا۔ کچھ بھی ہو' میں اپنے پروگرام میں تبدیلی نہیں کر سکتا تھا' میں کرن سنگھ کو معاف نہیں کر سکتا تھا۔ بس ایک ضد تھی' اور میں ہر قیمت پر اسے پورا کرنا چاہتا تھا۔ نشانہ بازی کی مشق دوپہر کے کھانے کے بعد کی گئی اور میں نے نہایت مشاقی سے نشانے لگائے کرن سنگھ نے جوش و مسرت سے مجھے بری طرح بھینچ لیا تھا وہ خوشی کے نعرے لگا رہا تھا' کئی بار اس نے پورنا کی جے کے نعرے لگوائے۔

''ابے ٹماٹر' بلیدان ہو جاؤں تجھ پر۔ کہاں پیدا ہوا تھا۔ کس نے جنا تھا تجھے۔ بھگوان کی سوگند اب مجھے افسوس ہو رہا ہے۔ کہ میں نے بیس سال پہلے شادی کیوں نہ کر لی۔ اگر شادی کر کے تجھ جیسا

ایک لونڈا پیدا کر لیتا۔ آج میرا سر اس قدر اونچا ہوتا۔ مگر کسی اور نے تجھے پیدا کر دیا۔ جیون رہا اگر مکھن، تو ایک بار تیرے پتا سے ضرور ملوں گا۔ یقیناً وہ بھی جیالا ہوگا۔۔ کیونکہ بزدل باپ ایسا جیالا سپوت پیدا نہیں کر سکتا۔''

اور میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے میرے باپ کے بارے میں تفصیل نہیں پوچھ لی، ورنہ خاصی مشکلات پیش آ جاتیں۔ نشانہ بازی کی مشق کافی دیر تک جاری رہی۔ شام جھک آئی ہم واپس غاروں میں آ گئے۔ اور پھر رات کے پروگرام کی تیاریاں ہونے لگیں۔

''جگت پور۔'' رات کو تقریباً ۱۲ بجے، کرن سنگھ نے گھوڑے پر سوار ہوتے ہوئے کہا۔ ''ٹھاکر جگت سنگھ کی بستی ہے۔ ٹھاکر کو تو مرے ہوئے بہت سمے بیت گیا۔ اب اس کا پوتا بلرام سنگھ جگت پور کا مالک ہے۔ سنا ہے بڑی دولت کمائی ہے، اور بڑا ہی مغرور ہے۔ ہم آج اسے کنگال کر دیں گے، اور بلرام سنگھ کا مان توڑ دیں گے۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ میں بھی اپنے مخصوص گھوڑے پر سوار تھا۔

''تیرا نیا نیا کام ہے پورنا۔ اس لیے زیادہ بہادری مت دکھانا۔ اپنوں سے دور جانے کی کوشش مت کرنا، حملے کی اور واپسی کی سیٹیوں کے بارے میں، میں نے تجھے بتا ہی دیا ہے۔''

''بالکل۔'' تب مجھے کرن سنگھ اپنے ساتھ لے آیا اور آگے بڑھا، پھر رات کے راہی کرن سنگھ کی قیادت میں گھوڑے دوڑانے لگے۔ گھوڑوں کی رفتار کافی تیز تھی۔ ڈاکوؤں کے انداز میں کافی وحشت تھی۔ دوسری بات یہ بھی کہ سارے راستے ان کے جانے پہچانے تھے، جبکہ میرے لیے یہ راستے اجنبی تھے۔

گھوڑا دوڑاتے ہوئے میرے ذہن میں مختلف خیالات آ رہے تھے۔ بس بڑی عجیب سی کیفیات محسوس کر رہا تھا، میں ایک ڈاکو کی حیثیت سے ڈاکہ ڈالنے جا رہا تھا، ممکن ہے وہاں بھی کوئی شاہو استقبال کے لیے تیار ہو، بہرحال فاصلہ زیادہ دور نہیں تھا۔ مجھے جو کچھ کرنا تھا۔ اس کے لیے طویل انتظار نہیں کرنا پڑتا۔



تھوڑی دیر کے بعد ہم مطلوبہ بستی پہنچ گئے بستی کے باہر چند ساعت رکے، چاروں طرف تاریکی تھی۔ دور سے کتوں کے رونے کی آوازیں ابھر رہی تھیں۔ اور پھر ایک خوفناک آواز ابھری۔

''کرن سنگھ۔۔۔ کرن سنگھ۔۔۔ کرن سنگھ۔'' اور اس کے ساتھ ہی ہوائی فائرنگ شروع ہو گئی۔ چاروں طرف سے خوف کی چیخیں ابھریں۔ دروازوں کے بند ہونے کی آوازیں سنائی دیں۔ بچوں کے رونے کی آوازیں بھی ان آوازوں میں شامل تھیں۔ اور دھماکے ہوتے رہے۔

کرن سنگھ نے پہلے صورتحال کا جائزہ لیا۔ اور پھر ٹھاکر بلرام سنگھ کی حویلی کی طرف بڑھ گیا۔ حویلی سے مقابلہ نہیں کیا گیا تھا۔ کرن سنگھ نے دیوار پھلانگی، میں نے بھی اس کا ساتھ دیا تھا۔

ہمارے پیچھے ہمارے دوسرے بہت سے ساتھی بھی تھے، اور لوٹ مار شروع ہو گئی، کرن سنگھ نے ٹھاکر بلرام سنگھ کو پکڑ لیا اور اس سے اس کے خزانے کے بارے میں معلوم کرنے لگا! بلرام سنگھ نے انکار کیا تو اس نے اس کے دونوں بیٹوں کو پکڑ لیا۔ اور کنپٹی پر پستول رکھ دیا، محبت کے مارے باپ نے خزانہ قربان کر دیا، کافی بڑا خزانہ تھا۔ جسے قبضے میں کرنے کے بعد کرن سنگھ نے واپسی کی سیٹی بجا دی۔ اور مجھے اشارہ کیا۔

ہم دونوں باہر نکل آئے، اور ہم دونوں کے گھوڑوں نے بآسانی دیواریں پھلانگ لیں، کرن سنگھ نے لوٹا ہوا مال ساتھیوں کے حوالے کیا۔ اور میرے گھوڑے کو تھپکی دی۔ میں بھی حتی المقدور کرن سنگھ کے ساتھ لگا رہا اور ہر معاملے میں اس کی مدد کی تھی، کرن سنگھ بہت خوش تھا۔

ہم نے بستی چھوڑ دی اور کرن سنگھ نے رفتار سست کر دی۔

''مکھن۔۔۔'' اس نے چہکتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''کیا بات ہے کرن سنگھ۔''

''کیا محسوس کر رہے ہو پیارے۔''

''بہت لطف آیا کرن سنگھ۔''

''بابا۔۔۔ میں نہ کہتا تھا ٹماٹر۔ اب کیا خیال ہے۔۔۔ رہے گا میرے ساتھ۔۔۔؟'' کرن سنگھ

نے کہا۔

''ہوں۔اس لڑکی کا کیا ہوگا' کرن سنگھ؟''

''لڑکی۔۔۔؟ میری مانو تو تم اسے اٹھا کر یہاں لے آؤ ان غاروں میں اور ہاں۔اگر تم چاہو تو اس کے باپ کو اس کا مطلوبہ دے دو۔۔۔بس۔۔۔''

''جب اٹھا کر ہی لانا ہے کرن سنگھ' تو پھر اسے کچھ دینے کی کیا ضرورت۔۔۔''

''جیسا تم پسند کرو۔پورنا' مجھے کسی بات پر اعتراض نہیں ہے۔'' کرن سنگھ نے جواب دیا۔اور پھر خاموش ہو گیا۔گھوڑوں کی رفتار بہت سست تھی۔

''مکھن۔۔۔'' کرن سنگھ بولا۔

''ہوں۔''

''کیا سوچا' کیا ارادہ ہے۔میری جان۔''

''میں تیار ہوں کرن سنگھ۔''

''ارے جیو میری جان' ارے جیو میرے شیر جیتے رہو' سچ ہے شیر جنگل میں ہی دھاڑتا اچھا لگتا ہے۔میری جان ٹماٹر' تو آج ہی اسے اٹھا لا' دیر کس بات کی۔''

''تم میرے ساتھ چلو گے۔''

''ارے یہ بھی پوچھنے کی بات ہے ضرور چلیں گے۔''

''لیکن میں زیادہ لوگوں کو نہیں لے جاؤں گا کرن سنگھ۔''

''ابے ایک لونڈیا کو اٹھا کر لانا ہے' کسی فوج سے جنگ کرنے تو نہیں چل رہے' چل میری جان۔ میں ذرا اپنے آدمیوں سے کہہ دوں' ہے کہاں کی رہنے والی؟''

''بس گورکھ ناتھ۔'' میں نے جواب دیا۔

''اوہو' یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے' میں اس پر ہاتھ صاف کر چکا ہوں' ٹھہر جا' میں نے گھوڑا روک لیا۔کرن سنگھ نے اپنے آدمیوں کو ہدایت دی اور واپس میرے پاس آ گیا۔پھر ہم سست



رفتاری سے چل پڑے۔میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔خوف سے نہیں بلکہ اس خیال سے کہ بہرحال میں اپنے دشمن کو پھانسنے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔

''دن کی روشنی میں کام کرنے سے ڈرتا نہیں ہے مکھن؟''

''نہیں۔۔۔لیکن کیوں۔''

''رات کافی گزر گئی چکی ہے۔گورکھ ناتھ ہم صبح تک پہنچیں گے۔تیری وہ پنگھٹ پر تو آتی ہوگی۔''

''ہاں۔''

''بس وہیں سے اٹھا لیں گے۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے جواب دیا۔اور ہم چلتے رہے۔

''تو یقین کر لے پورنا' تیرے آ جانے سے میری زندگی بڑھ گئی ہے۔بڑا پیار ہو گیا ہے سالے تجھ سے۔'' کرن سنگھ نے کہا' اور میرے بدن میں ہلکی سی تھرتھری پیدا ہو گئی' لیکن میں نے خود کو سنبھال لیا تھا۔اس کے بعد خاموشی سے فاصلہ طے ہوتا رہا' گھوڑوں کو بہرحال ہم ایک حد تک بھگا سکتے تھے' اس وقت دن کی روشنی پھوٹ پڑی تھی۔جب ہم ایک ندی کے کنارے پہنچ گئے' دراصل گورکھ ناتھ بستی کا نام میں نے یونہی نہیں لے لیا تھا۔میں اس سے واقف تھا نانا جان کے اپنے علاقے میں تھی اور میں ایک دفعہ یہاں آ چکا تھا' اس ندی سے میں بخوبی واقف تھا۔

چنانچہ ندی کے کنارے ہم نے گھوڑے روک دیے۔''گھوڑے بہت پیاسے ہیں کرن سنگھ۔''

''آؤ۔پانی پلائیں اپنی کمر بھی سیدھی کر لیں تھک گیا ہوں۔'' کرن سنگھ نے اپنا گھوڑا روک دیا اور ہم دونوں گھوڑوں سے اتر آئے' کرن سنگھ نے اپنے گھوڑے کی زین اتار دی' اور میں نے اپنے گھوڑے کی اور پھر دونوں گھوڑوں کو پانی پر چھوڑ دیا۔ہم دونوں بھی اپنے بدن کا اسلحہ اتارنے لگے' اور اس کے بوجھ سے آزاد ہو گئے' اور اب میرے تیور بدل رہے تھے گو دل میں ذرا سی مروت کی جھجک تھی' لیکن بہرحال میں نے کرن سنگھ کو پھانسنے کی بڑی محنت کی تھی۔''

''کیا سوچ رہا ہے رے۔'' کرن سنگھ نے کہا۔

"بڑی بات ہے کرن سنگھ۔" میں نے بدلی ہوئی آواز میں کہا' جسے کرن سنگھ نے محسوس کر لیا' اس نے چونک کر میری شکل دیکھی اور حیران رہ گیا۔

"ابے تجھے کیا ہوا مکھن۔"

"میں تجھے کچھ باتوں سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں کرن سنگھ۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"میں تیرا بدترین دشمن ہوں' کرن سنگھ۔ اور کان کھول کر سن لے۔ میں تجھے پھانس کر بمشکل تمام یہاں لایا ہوں۔ میں نے تیری تلاش میں طویل عرصہ گزارا ہے۔"

کرن سنگھ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور پھر وہ ہذیانی انداز میں ہنس پڑا۔ "پھانس کر لایا ہے مجھے۔"

"ہاں کرن سنگھ۔"

"تو کیا پولیس نے مجھے چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے؟" وہ چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"پولیس!" میں استہزائیہ انداز میں ہنسا۔

"پولیس نہیں ہے۔" کرن سنگھ نے پوچھا۔

"نہیں کرن سنگھ۔ پولیس سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"پھر میرے یار تو کون ہے۔ اور تیری مجھ سے دشمنی کیا ہے۔" کرن سنگھ پرسکون ہوتا جا رہا تھا لیکن اس کی آنکھیں شیشوں کی طرح چمک رہی تھیں۔

"میں شاہو ہوں۔ دیپو کا دوست اور وہ جس نے اپنی حویلی پر تیرے آدمیوں کی لاشوں کے انبار لگا دیے تھے۔ میں وہی ہوں کرن سنگھ۔ جس نے تجھے اس رات بدترین شکست دی تھی۔"

"شاہو خان۔"

"ہاں۔"

"مسلمان ہے۔"

"ہاں۔"

"لیکن میں تو تیری حویلی میں ڈاکے میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔" کرن سنگھ آہستہ سے بولا۔



"لیکن تو نے میرے دوست دیپو کو مارا تھا۔"

"اس نے غداری کی تھی۔" کرن سنگھ غرایا۔

"اس نے دوستی نبھائی تھی۔ وہ میرا دوست تھا۔"

"تجھے کیسے معلوم ہوا کہ میں نے اسے قتل کیا تھا۔"

"خود اس نے مجھے بتایا تھا۔ کرن سنگھ۔"

"تو۔۔۔ تو کیا وہ زندہ ہے؟"

ہاں۔" اور اب وہ ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اور میں اسے خوش خبری سناؤں گا کہ میں نے اسے مار دیا ہے جس نے میرے دوست کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"ہائے مکھن۔ تیری اس اداؤں نے تو مجھے مار ڈالا ہے۔ سالے مسلمان نکلا۔ ابے جھوٹ کیوں بولا تھا تو نے؟" کرن سنگھ نے کہا۔ اور مجھے گھورنے لگا۔

"میں تمہیں تمہارے ساتھیوں سے دور کرنا چاہتا تھا۔"

"تاکہ مجھے آسانی سے مار لے۔ کیوں صحیح کہا میں نے۔"

"ہاں۔"

"اور تو کسی سے پریم نہیں کرتا؟"

"نہیں۔"

"تبھی سالے اتنا بہادر ہے۔ عورت کے چکر میں پھنس جاتا تو ساری بہادری نام نہ رہتی۔ سن تیرا دوست زندہ ہے مرا تو نہیں۔ آ صلح کر لیں۔ تجھے مارتے ہوئے مجھے دکھ ہو گا۔"

"اب تو بزدلی کی باتیں کر رہا ہے کرن سنگھ۔ اگر خوف محسوس کر رہا ہے تو اٹھ چل میرے ساتھ دیپو کے قدموں میں گر کر معافی مانگ لے۔ میں وعدہ کرتا ہوں' تیری جان بخشی کرا دوں گا۔"

"پورنا۔" کرن سنگھ غرایا۔ "بکواس بند کر لے پورنا ورنہ میں تجھے جیتا نہ چھوڑوں گا۔ سالے اپنے دوست کے لیے اپنی جان خطرے میں ڈال رہا ہے' میرے دل میں تیری اس بات کی عزت ہے

## پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

ورنہ تیری زبان گدی سے کھینچ کر تیرے دوست کو بھجوا دیتا۔''

''بزدل۔ مجھے ان باتوں سے متاثر کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ صاف کیوں نہیں کہتا کہ مجھ سے خوفزدہ ہے۔'' میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔ اور کرن سنگھ نے ہتھیاروں کی طرف چھلانگ لگا دی' لیکن میں غافل تو نہیں تھا۔ میں نے اچھل کر اس کی کمر پر ایک زوردار لات ماری کہ وہ اوندھے منہ گر پڑا۔ ہتھیار اس کی زد سے باہر تھے لیکن وہ گرتے ہی سیدھا کھڑا ہو گیا تھا۔ اور اب اس کی آنکھوں میں خون ہی خون تھا' اس کے ہاتھ پھیلے ہوئے تھے' اور مجھے اپنا لباس تنگ ہوتا محسوس ہو رہا تھا' نہ جانے میرے بدن میں بے پناہ قوت ابھر آئی تھی' میرے دل میں خوف کا کوئی احساس نہیں تھا' اور اچانک اس نے میرے سینے پر زوردار ٹکر مار دی۔ میں نے اس کا وار خالی نہیں دیا تھا۔ ٹکر سینے پر جھیل کر میں نے پوری قوت سے گھونسا اس کے منہ پر جڑ دیا' اور اس کی گردن ٹیڑھی ہو گئی' دوسرے گھونسے نے اسے زمین دکھا دی تھی۔

کرن سنگھ وحشیانہ انداز میں اٹھا اور اس بار پوری قوت سے اس نے حملہ کر کے مجھے بازوؤں میں جکڑ لیا در حقیقت آہنی گرفت تھی۔ لیکن میری کیفیت اس وقت خود میری سمجھ سے باہر تھی۔ میرا لباس میرے بدن پر تنگ ہو کر پھٹ گیا تھا۔ میں نے اپنے بازوؤں کی قوت سے کرن سنگھ کی گرفت توڑ دی۔ اور ایک بار پھر میرے گھونسے نے اسے زمین چٹا دی۔ لیکن اس بار کرن سنگھ ہتھیاروں کے پاس گرا تھا۔ اس نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر رائفل اٹھالی تھی۔ لیکن میں نے اسے موقع نہیں دیا' رائفل نال کی طرف سے اس کے ہاتھ میں آئی تھی۔ میں نے اس کی ٹانگ پکڑ لی۔ اور اس نے رائفل لٹھ کی طرح گھما کر میرے کندھے پر ماردی۔ لیکن میں نے وار خالی کر دیا اور پھر وہ رائفل کو لاٹھی کے طور پر استعمال کرنے لگا۔ میں اچھل کر اس کے وار خالی دے رہا تھا۔ آخر کار ایک بار رائفل میرے کندھے پر لگی اور اسی وقت نا جانے کس طرح میرا ہاتھ اس پر جا پڑا۔ دوسرے لمحے ہی رائفل میرے ہاتھ میں تھی۔ میں نے بھی اسے لٹھ کی طرح ہی استعمال کیا۔ کرن سنگھ نے میرے وار کو کلائی پر روکا۔ اور پھر اس کی کراہ نکل گئی اس کی کلائی کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی'





دوسرا وار میں نے اس کے سر پر کیا اور کرن سنگھ کا منہ کھل گیا سر سے خون کا فوارا بلند ہوا اور مجھے محسوس ہوا کہ سر کا حصہ کئی حصوں میں بٹ گیا ہو اس نے ثابت ہاتھ سے سر پکڑ لیا اور زمین پر گر کر لوٹنے لگا۔ تب میں نے کئی وار اس کے بدن پر کیے۔ اور کرن سنگھ کی دھاڑیں گونجتی رہیں۔ اس کا بدن ماہی بے آب کی طرح تڑپتا رہا' پھر ساکت ہو گیا۔ اس کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں اور خون کی چادر پورے منہ پر پھیل گئی تھی۔ یقیناً وہ مر چکا تھا۔ میں نے گہری سانس لی۔ اور اپنے گھوڑے کی طرف بڑھ گیا۔ گھوڑے پر سوار ہو کر واپس اپنے علاقے کی طرف چل پڑا۔ نہ جانے کیوں میرا ذہن صاف نہیں تھا۔ میں نے وہ کام پورا کر دیا تھا' جس کا عہد کر کے میں چلا تھا' لیکن نا جانے کیوں میرا دل خوش نہیں تھا' اندر سے ایک آواز ابھری تھی۔ ٹھیک نہیں ہوا۔ بہر حال کرن سنگھ مر چکا تھا' میرا عہد پورا ہو گیا تھا۔ میں سرخرو ہو کر اپنی بستی کی طرف لوٹ رہا تھا' اتنے دن کی مشقتوں نے میرے چہرے میں کچھ تبدیلیاں بھی پیدا کر دی تھیں' بہر حال سب سے پہلے میں دیپو کے گھر گیا۔ بستی کے کسی فرد نے مجھے نہیں پہچانا تھا۔ میں نے دیپو کے دروازے پر دستک دی' اور دروازہ کھولنے والا دیپو ہی تھا' اسے اپنے قدموں پر کھڑے دیکھ کر مجھے مسرت ہوئی تھی۔

دیپو نے مجھے ایک نگاہ میں پہچان لیا تھا' وہ دوڑ کر میرے گلے لگ گیا تھا۔ ''ارے بھیا۔ یہ کیا حالت بنالی ہے تم نے؟ کہاں چلے گئے تھے؟ آؤ۔ اندر آؤ۔'' دیپو نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اندر گھسیٹ لیا اور پھر مجھے اپنی بیٹھک میں لے گیا۔ بڑے احترام اور پیار سے بٹھایا اور میرے لیے گرم دودھ لے آیا۔ دودھ کا پیالہ میرے ہاتھ میں دے کر وہ میرے سامنے بیٹھ گیا۔

''گھر ہو آئے بھیا۔ بڑے سرکار تو سخت ناراض ہوں گے؟'' دیپو نے پوچھا۔

''نہیں ابھی گھر نہیں گیا۔ سیدھا تمہارے پاس آیا ہوں۔''

''ارے۔'' دیپو گھبرا سا گیا۔ ''مگر بھیا گھر کے لوگ تو سخت پریشان ہیں۔ آپ کے نانا جان اور نانی جان بھی آئے ہوئے ہیں' سوار چاروں طرف دوڑے ہوئے ہیں' اور تمہیں تلاش کر رہے ہیں۔''

''چلا جاؤں گا۔ اب تم ٹھیک ہو بالکل۔''

''ہاں بھیا' زخم بھر چکے ہیں' مگر تم کہاں چلے گئے تھے؟''

''کرن سنگھ کی تلاش میں۔'' میں نے جواب دیا۔

''ایں۔'' دودھ کا پیالہ دیپو کے ہاتھ میں سے گرتے گرتے بچا۔

''میں نے تم سے وعدہ کیا تھا' دیپو' میں کرن سنگھ سے بدلہ لوں گا۔''

''ارے۔ مگر پھر کیا ہوا بھیا۔ کیا۔۔۔ کیا' کرن سنگھ ملا۔

''دیپو سخت پریشان نظر آ رہا تھا۔

''ہاں۔ اس کی لاش جگت پور کی ندی میں پڑی ہوئی ہے۔''

''بھیا۔'' دیپو پاگلوں کی طرح اٹھ کھڑا ہوا۔

''یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ یہ سب کیسے ہوا؟''

''جگت پور کا فاصلہ طے کرو اور جا کر دیکھ لو میں نے اسے خون میں نہلا دیا ہے۔''

''تو نے۔۔۔ تو نے کرن سنگھ کو مار ڈالا؟''

''ہاں دیپو۔'' میں نے آہستہ سے جواب دیا۔ اور دیپو مجھ سے لپٹ گیا۔ وہ بے حد خوش نظر آ رہا تھا' بمشکل تمام وہ خود پر قابو پا سکا' اور پھر تعجب سے بولا۔

''لیکن کیسے بھیا۔ مجھے تفصیل تو بتا۔''

اور میں نے دیپو کو پوری تفصیل بتا دی۔ پوری تفصیل سن کر دیپو فکر مند ہو گیا تھا' پھر وہ آہستہ سے بولا۔

''میرے لیے خطرات اور بڑھ گئے ہیں بھیا۔''

''کیا مطلب؟''

''ہمیں زمیندار صاحب سے بات کرنا ہوگی' بڑے سرکار کو یہ تفصیل بتانا ضروری ہے۔''

''کیا بکواس کرتا ہے' میرے والد صاحب کو اس بات کا پتہ نہیں چلنا چاہیے۔'' میں نے جھنجھلاتے ہوئے انداز میں کہا۔

''مگر بھیا اس کے جھلائے ہوئے ساتھی انتقام ضرور لیں گے' مجھے خطرہ ہے کہ وہ بستی ہی کو نہ پھونک دیں۔''

''اپنے طور پر ہم کوئی انتظام کر لیں گے' مگر بڑے سرکار کو اس بارے میں کچھ نہیں معلوم ہونا چاہیے۔''

میں نے کہا اور دیپو کسی خیال میں ڈوب گیا' پھر وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔

''مگر بھیا۔۔۔ بھگوان کی سوگند۔ تو بڑا ہی جیالا ہے۔ کرن سنگھ جیسے پاپی کو ختم کرنا آسان کام نہیں تھا۔''

''لیکن دیپو۔۔۔ مجھے عہد پورا کرنا تھا' اس لیے میں نے اسے مار دیا' سچی بات یہ ہے کہ وہ مجھ سے بہت محبت کرنے لگا تھا۔ اسے مار کر مجھے زیادہ خوشی نہیں ہوئی ہے۔''

''اس میں یہ بات ہے بھیا۔ جو اس کے من کو بھا جائے اس کے لیے موم ہو جاتا ہے۔''

''اب اچھا دیپو اجازت دے مجھے۔ گھر جا رہا ہوں۔''

میں نے کہا۔ اور پھر میں دیپو کے گھر سے نکل آیا۔ اپنی حویلی میں داخل ہوا تو کہرام مچ گیا۔ والدہ صاحبہ۔۔۔ نانی جان نانا جان وہ واویلا کیا کہ توبہ۔۔۔ نہ جانے کتنے نذرانے دیے گئے' ایک طوفان برپا ہو گیا۔ والد صاحب سنجیدہ تھے۔ ظاہر ہے وہ میری بات سے کیسے خوش ہو سکتے تھے۔ کہ میں بغیر کسی اطلاع کے شکار کھیلنے چلا گیا تھا۔ لیکن دوسرے لوگ میرے اس حق کو تسلیم کرتے تھے' آخر کار ایک بڑے باپ کا بیٹا تھا۔

اس کے بعد میں نے اپنے ساتھیوں کو جمع کیا۔ خفیہ طور انہیں بندوقیں دیں اور رات کو خفیہ پہرہ ہونے لگا' ہم سب پوری طرح چوکنے تھے اور کرن سنگھ کے آدمیوں کے حملے کا انتظار کر رہے تھے' دو دن' چار دن' آٹھ دن اور مہینہ گزر گیا۔ لیکن کرن سنگھ کے آدمیوں کا کچھ پتہ نہیں تھا۔

تب دیپو نے اور میں نے ایک فیصلہ کیا کہ گروہ ٹوٹ گیا یا پھر کوئی نیا سردار بن گیا۔ نئے سردار کو کیا

پڑی کہ وہ پرانے سردار کا انتقام لے۔ اور ہم کافی حد تک مطمئن ہو گئے۔ یہ دن خوب گزر رہے تھے۔ میرے نوجوان دوستوں میں کافی دلچسپی پائی جاتی تھی' پھر کافی عرصے تک کرن سنگھ کا نام بھی کہیں نہیں سنائی دیا گیا۔ ابھی تک والد صاحب کو اس بارے میں کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔ میرے بارے میں کوئی شکایت بھی انہیں موصول نہیں ہوئی تھی اس لیے گھر کے لوگ بھی خوش تھے۔

پھر ایک شام میرے مخصوص دوستوں کی میٹنگ ہوئی۔ اس میٹنگ میں دیپو بھی شامل تھا۔ دیپو کو بھی اب مکمل طور سے یقین آ گیا تھا کہ کرن سنگھ مر چکا ہے اور وہ خوش تھا۔ میٹنگ میں میں نے پوچھا۔

''تو دوستو! اب کیا ارادے ہیں؟''

''جو بھیا کے ارادے۔''

''میرا خیال ہے یہ روز روز کے پہرے لامعنی ہیں یا تو کرن سنگھ کا گروہ ٹوٹ گیا ہے' یا پھر کوئی نیا سردار بن گیا ہے اور اس نے ادھر کا رخ کرنا پسند نہیں کیا ہے۔''

''کچھ بھی ہو' بہرحال کرن سنگھ خاموش ہو گیا ہے۔''

''بس تو اب عیش کرو' میں بھی آج خود کو بندوقوں سے آزاد کرتا ہوں۔ اب پہلے کی طرح محفلیں جمیں گی' عیش ہوں گے' کیا سمجھے؟''

''بالکل ٹھیک بھیا لگے دم مٹے غم'' اور بے تکے لوگ احمقانہ قہقہے لگانے لگے! لیکن دیپو خاموش تھا۔ پھر جب ہم وہاں سے واپس ہوئے تو دیپو میرے ساتھ تھا۔ راستے میں اس نے گھمبیر آواز میں کہا۔

''شاہو بھیا۔ ایک بات کہوں' برا تو نہیں مانو گے۔''

''کیا بات ہے کہو؟'' میں نے کہا۔

''تم اس ٹولی میں مت بیٹھا کرو۔''



''کیوں؟''

''بھیا۔ ان میں ایک بھی اس قابل نہیں ہے جو تمہیں ڈھنگ کی بات سمجھائے' سب کے سب غلط ہیں۔ تم جو کچھ ہو بھیا۔ وہی رہو۔۔۔ بس میرا من نہیں مانتا۔''

''بے وقوفوں کی سی باتیں مت کرو دیپو۔ ان کے ساتھ نہ رہوں تو پھر کہاں جاؤں۔ دوسرے دوست کہاں ملیں گے اور پھر ان چاروں میں کیا خرابی ہے۔ خواہ مخواہ مجھے ان کے خلاف بھڑکا رہے ہو۔''

''بھڑکا نہیں رہا بس سمجھا رہا تھا۔''

''اب زیادہ سمجھ دار بننے کی کوشش مت کرو' جو کچھ ہے ٹھیک ہے' میں ان کے بارے میں کوئی ایسی ویسی بات سننے کے لیے تیار نہیں ہوں۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا اور دیپو خاموش ہو گیا۔ اس وقت تو نے غور نہیں کیا۔ لیکن واپس آنے کے بعد میں دیر تک دیپو کی اس بات پر غور کرتا ہوں' نہ جانے کیوں اس نے یہ بات کہی تھی۔ بہر حال میں نے اس پر زیادہ توجہ نہیں دی۔ اور آرام سے سو گیا۔ دوسرا دن حسب معمول تھا۔

سارے جھگڑے نمٹ چکے تھے' چنانچہ اب میرے دل میں وہی پرانی خواہشات جاگ رہی تھیں۔ یوں بھی طویل عرصہ گزر چکا تھا۔ کسی کا قرب نہیں حاصل ہوا تھا۔ آخری عورت کھلیان والی تھی۔ میرے ذہن میں کئی بار اس کی شکل ابھری تھی لیکن جنوں نے بھی ایسی شکل اختیار نہیں کی تھی کہ میں اتنا طویل سفر کرنے کا سوچ لوں۔ لیکن اسی شام دوستوں میں ایک پری وش کا ذکر نکل آیا۔ اور یہ وہ تھی جس کے تذکرے میں پہلے بھی سن چکا تھا۔

''آج تو کرامت کی دکان ہی بند تھی۔'' غفور نے کہا۔

''ارے کیوں۔۔۔؟'' کسی دوسرے نے پوچھا۔

''اس کی بیٹی کے رشتے کے لیے کچھ لوگ آئے تھے۔''

''کہاں سے۔۔۔؟''

''عالم کے بنگلے سے۔ دو بیل گاڑیوں میں آدمی اور عورتیں بھر کر آئے ہیں۔'' ''اوہ''

''مولوی کرامت کی بات ہو رہی ہے؟'' میں نے مداخلت کی۔

''ہائے چھوٹے سرکار۔ دیکھی ہے اس کی بیٹی؟''

''ارے کہاں۔ تم لوگ بس تذکرہ کر کے ہی رہ گئے۔''

''آئے ہائے بھیا۔ اسے نہ دیکھا تو کچھ بھی نہ دیکھا'' غفور نے ٹھنڈی آہ بھر کے کہا۔

''اچھا بے۔ اکیلے۔۔۔ اکیلے۔'' میں نے غفور کو گھورا۔

''بھیا نے توجہ ہی نہیں دی تھی' پھر اپنے کو وہ لونڈیا اتنی پسند آ گئی ہے کہ بس' سچی بھیا۔ اپنے اماں ابا ان سے بڑے ناراض رہتے ہیں۔ ورنہ کرامت علی کے ہاں رشتہ کرا دیں۔'' غفور نے جواب دیا۔

''کبھی نہ کرائیں گے۔'' اجن نے کہا۔

''ہاں یار نکھٹوؤں سے شادی کون کرتا ہے۔'' غفور نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''تم لوگوں نے تو کہا تھا' دوپہر کو کرامت علی سونے چلا جاتا ہے اور اس وقت سودا وہ دیتی ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں!''

''تو نے کبھی اس سے بات بھی کی ہے۔ غفور۔''

''ہمت نہیں پڑی بھیا آج تک۔'' غفور نے جواب دیا اور سب ہنس پڑے۔

''عاشق کو دیکھو۔ بات تک کرنے کی ہمت نہیں پڑی۔''

''غفورے۔ کل تو اکیلا نہیں جائے گا۔'' میں نے کہا۔

''بھیا بھی چلیں گے۔'' غفور نے خواہ مخواہ دانت نکال دیے۔

''ہاں یار۔۔۔ میں بھی دیکھوں' بہت دنوں سے تعریف کر رہے ہو تم لوگ۔'' میں نے جواب دیا۔ اور پھر بہت دیر تک اس موضوع پر گفتگو ہوتی رہی' واپسی پر غفور سے پروگرام بن گیا تھا' آج



دیپو جو پال پر نہیں آیا تھا۔ نہ جانے کیوں' بہر حال ایسا اکثر ہو جاتا تھا' اسی لیے میں نے زیادہ توجہ نہیں دی۔

دوسرے دن سخت دھوپ میں غفور میرے پاس پہنچ گیا۔ میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔

''چلیں بھیا۔'' اس نے پوچھا۔

''ہاں۔ چلو وقت ہو گیا ہے۔''

''ہاں' بھیا۔ مگر دھوپ بڑی سخت ہے۔'' غفور میرے ساتھ چل پڑا۔ راستے میں ہم دونوں کرامت علی کی لڑکی کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے اور پھر بہت دور سے غفور نے مجھے کرامت کی دکان دکھائی اور کہنے لگا۔

''وہی بیٹھی ہے بھیا۔''

''ہوں۔ بس تو یہاں رک' میرا انتظار کر!''

''میں نہیں چلوں؟'' غفور بولا۔

''ابے نہ' جس چیز میں' میں دلچسپی لے رہا ہوں' اس میں کسی اور کی کیا گنجائش۔'' میں نے غفور کو گھورا۔

''ہاں۔۔۔ ہاں بھیا' ٹھیک تو ہے اب تو وہ میری بہن ہے' وہ میری ماں ہے۔''

''چل آرام سے بیٹھ کسی درخت کے سائے میں ادھر آنے کی کوشش مت کرنا۔'' اور پھر میں کڑی دھوپ میں طویل فاصلہ طے کرنے لگا۔

تھوڑی دیر میں کرامت کی دکان پر پہنچ گیا' لیکن اتنا فاصلہ طے کرنے سے چہرہ سرخ ہو گیا تھا' گرمی نے پریشان کر دیا تھا' پھر جب دکان میں نگاہ ڈالی تو ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگیں' دھوپ ڈھل گئی' اور روح خوش ہو گئی۔ بلاشبہ وہ بے حد حسین تھی' دودھ کا سا رنگ' غزالی آنکھیں' تیکھے خدوخال' میلے کچیلے کپڑوں نے اس کے حسن کو اور دوبالا کر دیا تھا۔ بھورے بال بکھرے بکھرے تھے' اسے بھی گرمی لگ رہی تھی۔ قریب پہنچا تو وہ کھڑی ہو گئی' اور مجھے تعجب سے دیکھنے لگی۔

''بڑی سخت گرمی ہے' تھوڑا سا پانی مل سکے گا۔'' میں نے کہا۔

''ہاں۔۔ہاں' کیوں نہیں۔'' وہ جلدی سے بولی' اور اس نے قریب رکھی ہوئی ایک کوری مٹکی سے کٹورے میں پانی انڈیلا' اور میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے دونوں ہاتھوں میں کٹورا لے لیا' اوہ' وہ آہستہ سے بولی۔ ''چھاؤں میں آ جائیں چھوٹے سرکار۔ تھوڑے سے آگے آ جائیں۔''

''ارے تم مجھے جانتی ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''آپ کو نہ جانیں گے چھوٹے سرکار۔ پانی پی لیں۔''

اس نے کہا اور میں نے کٹورا خالی کر دیا۔

''اور دوں چھوٹے سرکار۔''

''ابھی نہیں۔۔۔ہاں اگر یہاں چند منٹ دم لینے کی اجازت دے دو تو۔۔۔''

''آپ کہیں تو بابا تو کو جگا دوں؟ وہ بیٹھک کھول دیں گے۔'' وہ بولی۔

''ارے نہیں۔۔۔ بالکل نہیں۔۔۔اس کی ضرورت نہیں ہے۔ بس دو منٹ تم سے باتیں کروں گا اور چلا جاؤں گا۔''

میں نے کہا' اور اس نے معصومیت سے گردن ہلا دی۔

''کرامت علی سو رہے ہیں؟'' تھوڑی دیر کے بعد میں نے پوچھا۔

''ہاں۔''

''جب کرامت چچا سوتے ہیں تو دوکان بند کیوں نہیں کر دیتے؟''

''اور گاہک جو آتے ہیں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے' مگر تمہیں دکان پر بٹھانا بھی تو اچھا نہیں ہے۔''

''کیوں؟''

''تم بڑی جو ہو گئی ہو۔'' میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا اور اس نے دوپٹہ سینے پر برابر کر لیا۔

''کیا نام ہے تمہارا؟''





''رقیہ۔'' اس نے جواب دیا۔

''تمہیں یہ بات پتہ نہیں ہے رقیہ کہ تم اب بڑی ہو گئی ہو۔''

''پتہ ہے چھوٹے سرکار۔'' اس نے جواب دیا۔

''اور بے حد خوبصورت ہو۔'' میں نے کہا اور وہ اور خوبصورت ہو گئی۔ اس کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔ ''کوئی تمہیں' اور کرامت علی کو پریشان بھی کر سکتا ہے۔'' میں نے کہا۔ اور وہ چونک پڑی۔

''مگر پھر کیا کریں چھوٹے مالک۔ ہمارا کوئی چھوٹا بھائی تو ہے نہیں' بابا پورا دن تو نہیں بیٹھ سکتے۔ ہمیں ہی سنبھالنا پڑتا ہے۔''

''گھر کا کام بھی کرتی ہو گی؟''

''تو اور کیا۔''

''بڑی محنت کراتے ہیں کرامت چچا تم سے۔''

''اس سے کیا ہوتا ہے چھوٹے مالک۔۔۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''لیکن کرامت چچا سوچتے کیوں نہیں' تمہاری شادی ہو جائے گی' تو وہ کیا کریں گے؟'' میں نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا' اور رقیہ پھر سرخ ہو گئی' میں اسے دیکھتا رہا' رقیہ درحقیقت بے حد خوبصورت تھی' اس کا عضو عضو خوبصورت تھا۔ اور اس کی جوانی پھوٹتی تھی۔ مجھے یہ لڑکی بہت پسند آئی تھی اور پہلی بار خود میں نے کسی لڑکی کے حصول کے بارے میں سوچا تھا۔ بلاشبہ رقیہ اتنی حسین ہے کہ اس کے لیے بہت کچھ کیا جا سکتا ہے' اچھا ہو یا برا۔۔۔

''خاموش کیوں ہو گئیں رقیہ؟''

''کیا کہیں چھوٹے سرکار۔۔۔؟''

''تم بھی سوچ رہی ہو گی' نا جانے کہاں سے آ گیا ہے' باتیں کیے جا رہا ہے۔''

''نہیں چھوٹے سرکار۔۔۔ آپ تو ہمارے اپنے ہیں۔۔۔ ہمیں تو اچھا بھی نہیں لگ رہا کہ آپ کھڑے ہیں۔ پر ہم۔۔۔''

''اوہ نہیں رقیہ۔۔۔ اگر تمہیں میری باتیں بری نہیں لگ رہی ہیں تو سب ٹھیک ہے۔''

''بری نہیں لگ رہی چھوٹے سرکار۔'' اس نے شرماتے ہوئے انداز میں کہا۔

''شکریہ رقیہ۔۔۔ تم تم بتاؤ نا۔۔۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے سرکار۔۔۔ پر کیا بھی کیا جا سکتا ہے۔''

''کرامت علی سونے کی عادت چھوڑ دیں۔''

''پر بابا سے یہ بات کون کہے؟''

''اور کسی دن اونچ نیچ ہو جائے تو۔۔۔؟''

''نہیں ہو سکتی نا۔ بڑے سرکار کے ہوتے ہوئے' کس کی مجال ہے کہ بستی کی کسی لڑکی کو کچھ بھی ہو جائے۔''

''اوہ۔۔۔ بڑے سرکار تو ہر وقت یہاں نہیں رہتے۔''

''ان کا خیال تو رہتا ہے۔''

''بہر حال رقیہ' میں نے ایک بات کہی تھی' ارے ہاں تمہارا رشتہ بھی تو آیا تھا کہیں سے؟'' اور رقیہ پھر شرما گئی۔

اس نے شرمگیں نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے گردن ہلا دی۔ اور مجھے اس کی یہ ادا بے حد پسند آئی۔

''پھر کیا ہوا۔۔۔؟''

''ہمیں معلوم نہیں۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''معلوم تو ہوگا۔ بتا نہیں رہیں۔ یہ اور بات ہے۔''

''چھوٹے سرکار۔۔۔'' اچانک وہ سنجیدہ ہو گئی ''ہم نہیں چاہتے' چھوٹے سرکار!۔''

''کیا نہیں چاہتیں۔۔۔''

''یہی۔ کہ بابا یہ رشتہ منظور کریں'' اس نے کہا اور دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا۔۔۔



''اوہ۔۔۔'' میں نے اسے غور سے دیکھا' دیر تک دیکھتا رہا۔ اور پھر میں نے کہا۔

''اگر تم نہیں چاہتیں رقیہ' تو ٹھیک ہے یہ رشتہ نہیں ہوگا۔''

''چھوٹے سرکار۔۔۔ چھوٹے سرکار' آپ ضرور ہماری مدد کر سکتے ہیں' یہ رشتہ نہ ہونے دیں۔ یہ رشتہ نہ ہونے دیں۔۔۔''

''نہیں ہوگا رقیہ۔۔۔ بے فکر ہو جاؤ' یہ رشتہ نہیں ہو سکے گا۔'' اسی وقت کرامت علی کی کھانسی کی آواز سنائی دی' اور رقیہ چونک پڑی' اس نے سہمی ہوئی نگاہوں سے اندر کی طرف دیکھا۔ اور پھر آہستہ سے بولی۔

''بابا جاگ گئے۔''

''اوہ۔ ڈرنے کی کیا بات ہے' تاہم میں چلتا ہوں ہاں ایک بات اور بتا دوں۔''

''کیا چھوٹے سرکار۔۔۔؟''

''کل آؤں گا۔۔۔ انتظار کرو گی۔''

''اس وقت؟''

''ہاں!'' میں نے کہا اور اس نے گردن ہلا دی۔ میں وہاں سے چل دیا۔ اس وقت دھوپ کا کوئی احساس نہیں رہ گیا تھا۔ رقیہ کی آواز کانوں میں کھنک رہی تھی۔ یہ سب کچھ زندگی میں پہلی بار ہوا تھا۔ اس سے قبل عورتیں ملیں تھیں۔ لیکن وہ صحیح معنوں میں عورتیں نہیں تھیں' کنواری نہیں تھیں۔ معصوم نہیں تھیں۔ وہ زندگی کی ابتداء بہت پہلے کر چکی تھیں' جبکہ رقیہ ابھی ابھی جوان ہوئی تھی۔ لیکن پسندیدگی کی جذبات کوئی بہت بڑی حیثیت نہیں اختیار کر سکتے تھے' بس وہ مجھے ایک خوبصورت لڑکی کی حیثیت سے پسند آئی تھی۔ اور میں اس کے حسین جسم کی لطافتوں سے محظوظ ہونا چاہتا تھا۔ اور بس۔۔۔۔

غفور میرا انتظار کر رہا تھا' نہ جانے اس کے دل میں کیا تھا' لیکن بظاہر وہ مسکرا رہا تھا' مجھے دیکھ کر ہاتھ ملتے ہوئے بولا۔

"مبارک ہو چھوٹے سرکار۔کام بن گیا؟"

"آؤ۔" میں نے کہا اور ہم واپسی کے لیے چل پڑے۔غفور غور سے میری شکل دیکھ رہا تھا،وہ میری زبان سے کچھ سننا چاہتا تھا،تب میں نے کہا۔

"واقعی وہ بہت خوبصورت ہے۔"

"ہے نا چھوٹے سرکار۔۔۔کیا کہہ رہی تھی۔" غفور بولا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔"

"مر گئی نا تمہارے اوپر۔"

"بکواس مت کرو۔ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"باتیں تو بہت گہری کر رہی تھی۔پانی بھی پلایا تھا۔"

"ہوں" میں نے گردن ہلا دی۔اور پھر میں نے غفور کو چھٹی دے دی،اور خود حویلی کی طرف چل پڑا۔تھوڑی دیر کے بعد میں حویلی میں تھا۔

"اس کڑی دوپہر میں سب لوگ خس کی ٹٹیوں میں گھسے ہوئے آرام کر رہے تھے۔میں بھی اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔دھوپ میں سے آنے کی وجہ سے بدن جلنے لگا تھا۔دل چاہا کہ نہا لوں لیکن گرم جسم کو ٹھنڈے پانی سے نقصان بھی پہنچ سکتا تھا،اکثر یہ بات کہی گئی تھی،اس لیے میں نے نہانا پسند نہیں کیا،اور کپڑے تبدیل کر کے لیٹ گیا۔آنکھیں بند کیں تو ذہن میں رقیہ کی شکل ابھر آئی۔اس کا سراپا نگاہوں میں گھومنے لگا اور دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔

رقیہ۔نہ جانے کب اس کا قرب حاصل ہو سکے گا کب اور کیسے؟ میرے ذہن میں پروگرام بنتے رہے،اچھی لڑکی ہے۔یہاں اس حویلی میں بھی لڑکیاں موجود تھیں بیشمار۔ان میں سے کچھ ایسی بھی تھیں جو ایک اشارے پر چلی آتیں۔لیکن ان سے ربط ختم ہو چکا تھا،اب دوبارہ انہیں سر پر سوار کرنا مناسب نہیں تھا۔۔۔لیکن۔۔۔اس وقت رقیہ کے خیال نے،اس ویران دوپہر میں،خاصا پریشان کر دیا تھا،بدن ٹوٹ رہا تھا۔ذہن میں عجیب عجیب خیال آ رہے تھے،بے چین





ہو کر اٹھ گیا۔در دل راہ کھول کر باہر نکل آیا۔سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کہاں جاؤں،کیا کروں،اسی وقت ملازمہ نظر آئی۔جو پندرہ سال کی لڑکی تھی۔گھر کے متفرق کام کرتی تھی۔بالکل نوخیز،جوانی آہستہ آہستہ آ رہی تھی۔

"سن!" میں نے اسے اشارہ کیا،اور وہ ٹھٹک گئی۔پھر میرے پاس آ گئی۔

"جی سرکار!" اس نے آہستہ سے کہا۔

"کہاں جا رہی ہے۔"

"اپنے کوارٹر میں سرکار۔" اس نے سہمے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"ارے تو ڈر کیوں رہی ہے۔کھا جاؤں گا تجھے؟" میں نے کہا۔

"آ۔اندر آ۔" میں نے کہا اور وہ جلدی سے اندر آ گئی۔میں نے دروازہ بند کر لیا،لڑکی نے کچھ نہ کہا۔

"میرے بدن میں درد ہو رہا ہے،دبائے گی،انعام دوں گا۔"

"جی سرکار!" اس نے سادگی سے جواب دیا،اور میں بستر پر لیٹ گیا۔وہ ہانپتی بیٹھ گئی۔اور پھر اس کے ہاتھ بدن پر رینگنے لگے،وہ کافی زور سے دبا رہی تھی اور میں اس کے چہرے اور جوانی کا جائزہ لے رہا تھا۔لیکن میں نے اس کے چہرے پر کوئی تغیر محسوس نہ کیا،سوائے حیرت و خوف کے!

اور مجھے اس پر جھنجھلاہٹ ہونے لگی،اب اس سہمی ہوئی لڑکی کو میں کس طرح راہ پر لاؤں۔کسی شاہین کی طرح اس چڑیا کو دبوچ لوں تو یہ بے چاری چیخ بھی نہ سکے گی۔لیکن اسے فائدہ کیا؟ کیا جنس صرف درندگی کا نام ہے؟ ہرگز نہیں،جب دونوں طرف لطیف جذبات نہ ہوں،جنس کا یہ فعل بے مزہ ہے۔ممکن ہے یہ نوخیز لڑکی ابھی جوانی کے رموز سے واقف ہی نہ ہو،اوہ۔ایسی لڑکی کو اس دوپہر میں اپنے کمرے میں بند کر کے خوامخواہ کی بدنامی مول لینے سے کیا فائدہ؟ اس کے جذبات نہیں ابھریں گے،چنانچہ میں نے پاؤں کھینچ لیے۔

''سن۔''میں نے اسے مخاطب کیا۔

''جی۔چھوٹے سرکار۔''

''انعام لے گی۔''میں نے پوچھا،اور اس نے گردن جھکالی۔تب میں نے کچھ نوٹ نکال کر اسے دیئےاور وہ بچوں کی طرح خوش ہوگئی۔

''چل بھاگ یہاں سے۔''میں نے کہااور وہ تتلی کی طرح دروازہ کھول کر بھاگ گئی۔میں کچھ اور بور ہوگیا تھا۔بلاوجہ وقت ضائع کیا۔میں نے کمرہ بند کیا اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔نیند نے آکر ساری کیفیتوں کو بھلا دیا۔

اور پھر شام چوپال تھی۔دیپو آج بھی غائب تھا آج میں نے اس کی غیر موجودگی کو محسوس کیا۔اور دوسروں سے اس کے بارے میں سوال کیا۔لیکن کسی کی دیپو سے ملاقات نہیں ہوئی تھی،جب میں نے روپ چند کو دیپو کے گھر بھیجا کہ اسے بلا لائے تو روپ چند نے آکر بتایا کہ دیپو دو دن سے کہیں گیا ہوا ہے۔

''دو دن سے۔''میں سوچ میں ڈوب گیا،میں نے رقیہ کے بارے سوچا تھا۔آج تک جس انداز میں عورتوں کا قرب ملتا رہا تھا۔رقیہ کا معاملہ اس سے مختلف تھا اور تھوڑا سا خطرناک بھی۔بہرحال میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ آج رقیہ سے کچھ کھل کر باتیں کروں گا!میں نے محسوس کیا تھا کہ رقیہ بھی مجھ سے کسی حد تک متاثر ہے۔

بڑی مشکل سے دوپہر کا وقت ہوااور جب سب گھر والے آرام کرنے چلے گئے،میں گھر سے باہر نکلااور کرامت علی کی دکان کی طرف چل پڑا،میں لوگوں کی نگاہوں سے بچتا ہوا چل رہا تھا،تاکہ کوئی سر نہ پڑ جائے۔لیکن تیز دھوپ نے میرا ساتھ دیا۔اس وقت عموماً لوگ گھروں میں دبکے ہوتے تھے،رقیہ کی گفتگو میرے کانوں میں گونج رہی تھی،آپ کوشش کریں گے تو یہ رشتہ نہیں ہو سکے گا!''

بھلا کون ہو سکتا ہے،میرے بغیر رقیہ کا رشتہ وہ میری منظور نظر تھی۔جس وقت میں رقیہ کے پاس



پہنچا تو میرا چہرہ دھوپ کی تمازت سے تمتما رہا تھا۔رقیہ نے مجھے دور سے ہی دیکھ لیا تھا،وہ میرا انتظار کررہی تھی۔

''آگئے چھوٹے سرکار۔''اس نے خوش ہوکر کہا۔

''ہاں رقیہ۔''

''ارے تمہارا چہرہ تو لال بھبھوکا ہو رہا ہے۔''

''دھوپ بہت سخت تھی۔''

''تو تم اس دھوپ میں صرف مجھ سے ملنے آئے ہو۔''

''تو اور کیا۔''

''کیسے اچھے انسان ہو تم چھوٹے سرکار۔چھاؤں میں آجاؤ،بابا اندر کے کوٹھے میں ہیں۔ابھی گئے ہیں۔دیر میں آئیں گے۔''رقیہ نے کہا،اور میں دکان میں چلا گیا۔رقیہ نے جلدی سے مٹکی سے ٹھنڈا پانی انڈیلا اور مجھے پیش کردیا۔وہ بہت مسرور نظر آرہی تھی۔

''ایک بات بتاؤ رقیہ۔''

''جی چھوٹے سرکار۔''

''اس کڑی دھوپ میں کون سودا لینے آئے گا۔کرامت علی چچا،اس وقت دکان کیوں کھولے رہتے ہیں۔''

''کیا بتاؤں،ہمارے حالات اچھے نہیں ہیں کوئی بھائی ہوتا تو۔۔۔۔''

''اوہ ہاں۔تمہارا کوئی بھائی بھی نہیں ہے۔''

''کہاں ہے۔''

''مگر یہ دکان کی بات۔۔۔۔''

''بابا سوچتے ہیں،ممکن ہے کوئی گاہک آہی جائے گاہک کا واپس لوٹنا ممکن نہیں ہے۔''

''اوہ،میں سمجھ گیا،کرامت علی لالچی آدمی تھا،میں نے پانی پیا اور کسی حد تک پرسکون ہوگیا۔میں

نے رقیہ کو دیکھا۔ وہ کل ہی کے کپڑے پہنے ہوئے تھی، اور کل ہی کی مانند حسین نظر آ رہی تھی۔

''ایک بات پوچھوں رقیہ۔''

''پوچھو چھوٹے سرکار۔''

''تمہیں وہ رشتہ کیوں پسند نہیں؟'' رقیہ کا سر جھک گیا، وہ دوپٹے کے پلو کو انگلی میں لپیٹ رہی تھی ''جواب دو رقیہ۔'' میں نے اسے خاموش دیکھ کر کہا۔

''ہم کیا بتائیں چھوٹے سرکار۔''

''کچھ تو بتاؤ۔''

''ہم نہیں بتا سکتے۔''

''آخر کیوں؟''

''ہماری زبان نہیں کھلے گی۔'' رقیہ نے کہا اور میں مسکرا اٹھا۔ رقیہ اپنے انداز میں اظہار محبت کر رہی تھی۔ اس سے زیادہ وہ کیا کہہ سکتی تھی۔

''زبان کھول دو رقیہ۔'' میں نے اسکے بازوؤں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''ہم نہ کھولیں گے سرکار''۔

''تمہیں کسی سے محبت ہے؟'' میں نے پوچھا اور اس نے گردن ہلا دی۔

''اوہ۔ کس سے۔''

''سرکار۔'' رقیہ اور شرما گئی۔ اس نے اپنے بازو سے میرا ہاتھ ہٹانے کی کوشش بھی نہیں کی، میں نے اس کے بازو کو پوری طرح گرفت میں لے لیا۔ ''ہم بھی تمہیں چاہتے ہیں۔ رقیہ ہم بھی تمہیں پسند کرتے ہیں، فکر مت کرو، کرامت علی کے حالات بدل جائیں گے۔ ہم اسے فکر معاش سے بے پروا کر دیں گے۔'' میں نے رقیہ کی کمر میں ہاتھ ڈال دیے۔

''سرکار۔'' رقیہ کی سہمی ہوئی آواز ابھری۔ اور وہ ایک جھٹکے سے میری گرفت سے نکل گئی۔

''نہیں۔ نہیں۔ نہیں سرکار۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔ نہیں'' وہ سخت ہیجان کے عالم میں بولی۔



''ارے کیا ہو گیا تمہیں۔ ابھی تو۔۔۔۔''

''ہم۔۔۔۔ ہم۔۔۔۔ ہم تو سرکار تمہیں، بھائی کی طرح چاہتے ہیں۔'' رقیہ نے کہا اور میرا سر گھوم گیا۔

''کیا کہتی ہو۔'' میں غرایا۔

''خدا کی قسم۔۔۔۔ خدا قسم۔۔۔۔ چھوٹے سرکار۔۔۔ میرے بیرن میں کوئی بھائی نہیں ہے میں تو۔۔۔۔ میں تو۔۔۔۔''

''بکومت۔۔۔۔'' میں نے اس کا منہ بند کر دیا، مجھے سخت غصہ آ رہا تھا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ اس کی گردن دبا دوں۔ کیا سمجھتی ہے خود کو، تو میری بہن بننے کی لائق ہے، میں دکان سے باہر نکل آیا۔

''سرکار۔'' رقیہ بلک بلک رو رہی تھی۔ ''ہمیں بہن بنا لو سرکار۔'' میں غصے سے کھولتا ہوا وہاں چلا آیا۔ دھوپ کچھ اچھی نہیں لگ رہی تھی، میرا بدن غصے کی شدت سے کھول رہا تھا، سیدھا گھر آیا، کسی کو یہ بات پتہ نہیں چل سکی تھی، یہ کیا ہو گیا، عجیب احمق لڑکی تھی، آخر کسے چاہتی ہے۔ بے وقوف، گدھی۔

اپنے کمرے میں آ کر میں ماہی بے آب کی طرح تڑپتا رہا۔ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی، میں چونک پڑا۔

''کون ہے؟'' میں نے غرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''مکھن سرکار۔'' جواب ملا اور میں نے دروازہ کھول دیا۔ کل والی نوخیز چھوکری میرے سامنے مسکرا رہی تھی۔ ''کیا بات ہے؟'' میں نے جلتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''بدن دبائیں گے سرکار۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور میرے پورے بدن میں چنگاڑیاں دوڑ گئیں وہ انعام کے لالچ میں آج پھر آ گئی تھی۔ لیکن میں کل کی طرح پرسکون نہ رہ سکا، آج میری ذہنی کیفیت درست نہیں تھی، اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اندر کھینچ لیا۔ زور سے بھینچ لیا۔ پھر میں

اسے گود میں اٹھا کر مسہری پر لے آیا مکھن سخت حیران تھی، میں نے واپس پلٹ کر دروازہ بند کیا اور مسہری پر پہنچ گیا۔

مکھن ایک بھرپور عورت کی مانند مسہری پر لیٹی ہوئی تھی، یا تو وہ میرے اس انداز پر ششدر رہ گئی تھی اور اٹھنے کی ہمت نہیں کر سکتی تھی، یا اس کا دل ہی اٹھنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔

''کیوں آئی تھی؟'' میں نے اس پر چھاتے ہوئے پوچھا؟

''بدن۔۔۔۔ بدن دبانے سرکار'' اس کی مسکراہٹ سکڑ گئی۔

''انعام کے لالچ میں۔''

''انعام؟ نہیں سرکار انعام نہیں۔'' اس نے اپنی میلی اوڑھنی کا پلو کھولا، اور جو کچھ میں نے اُسے کل دیا تھا، اس نے میرے سامنے ڈال دیا۔

''پھر کیوں آئی تھی مکھن۔'' میں نے نرم لہجے میں پوچھا۔

''سرکار خدمت کر کے سواد ملا تھا، لیٹ جایئے سرکار۔ بدن دبا دوں اس کے ہاتھ میرے بدن پر آئے اور وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ لیکن میں نے اسے دوبارہ مسہری پر گرا دیا۔ آج میں خود مکھن کا بدن دبانا چاہتا تھا۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کے بعد مکھن میرے کمرے سے باہر نکلی، تو مسکرا رہی تھی، وہ پر سکون تھی، اور میرے جلتے ہوئے ذہن کو بھی سکون مل گیا تھا، رقیہ نے جو آگ ذہن میں لگا دی تھی، وہ مکھن نے سرد کر دی تھی چنانچہ مجھے نیند آ گئی، اور میں شام کو کافی دیر تک سوتا رہا پھر اٹھا، نہانے دھونے کے بعد چائے وغیرہ پی، اور باہر نکل آیا۔ رقیہ کی باتوں سے ذہن ابھی تک مکدر تھا۔ لیکن ایک میلی کچیلی چودہ سالہ لڑکی نے میرے مکدر کو کافی حد تک دور کر دیا تھا۔ حویلی سے میں گھوڑے پر نکلا تھا، بس باہر ہی نکلا تھا کہ ذہن میں دیپو کا خیال آ گیا، اور میں نے گھوڑے کا رخ دیپو کے مکان کی طرف موڑ دیا، تھوڑی دیر کے بعد میں دیپو کے دروازے پر کھڑا ہوا تھا۔ میں نے دستک دی تو دیپو کا باپ باہر آ گیا، میں نے اس کے چہرے کی اداسی محسوس کی۔



''ارے چھوٹے سرکار۔ سلام چھوٹے سرکار'' اس نے میرے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔'' آؤ سرکار۔ نیچے اترو۔ آؤ'' اس نے محبت سے کہا۔

''دیپو ابھی نہیں آیا چاچا؟'' میں نے پوچھا اور بوڑھے کے چہرے پر غم کے تاثرات ابھر آئے۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا اور غمزدہ آواز میں بولا۔

''اندر نہیں آئیں گے چھوٹے سرکار؟''

''ہاں۔۔۔۔ ہاں کیوں نہیں چاچا'' میں گھوڑے سے اتر آیا۔'' آپ نے دیپو کے بارے میں نہیں بتایا'' میں نے اس کے ساتھ گھر میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

''دیپو، شاید اب کبھی نہیں آئے گا'' دیپو کے باپ نے جواب دیا اور میں چونک پڑا۔ بوڑھے کی آواز میں بھراہٹ تھی۔

''مگر کیوں چاچا؟ اسے کیا ہوا؟''

بوڑھے نے کمرے میں آنے تک کچھ نہیں بتایا، مجھے بیٹھک میں لے آیا اور پھر بولا۔

''دودھ لے آؤں چھوٹے سرکار۔''

''اس وقت کچھ نہیں پیوں گا چاچا۔ تم مجھے دیپو کے بارے میں بتاؤ''

''کا بتاؤں چھوٹے سرکار۔ زبان ناہیں کھلے ہے۔ پر تم سے چھپانے کو بھی دل نہیں چاہے۔ کسے بتا دیں آخر من روگ، کون سنے گا؟'' بوڑھے کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

''میں سنوں گا چاچا، تم جلدی بتاؤ'' میں پریشان ہوں، میں نے کسی قدر جھنجھلاہٹ سے کہا۔

''دیپو۔۔۔۔ دیپو برے راستے پر تھا۔ دیپو کے لچھن بہت بگڑ چکے تھے۔ پھر بھگوان کی سوگند، مجھے معلوم نہیں تھا، ورنہ میں یہ سب کچھ نہ ہونے دیتا، وہ ڈاکوؤں کا سردار تھا چھوٹے سرکار۔ وہ کرن سنگھ کے گروہ میں شامل تھا۔''

''تمہیں کیسے معلوم ہوا چاچا۔'' میں نے گہری نگاہوں سے بوڑھے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''پہلے تو نہیں معلوم تھا سرکار وہ اکثر راتوں کو چلا جاتا تھا، اور دو دو دن میں آتا تھا، اس نے بہت

مال کمایا، مگر چھپا چھپا کر اپنی ماتا کو دیتا رہا اس بے وقوف نے مجھے نہیں بتایا، بیٹے کی شادی کی خواہش میں ایسی مگن تھی، کہ بیٹا یہ مال کہاں سے لاتا ہے، پھر وہ زخمی ہو کر آیا اور میں پاگل اس سے بھی نہیں سمجھا کہ ماجرا کیا ہے، وہ ٹھیک ہو گیا اور پھر اس شام، وہ کھیتوں میں گیا، میں بھی ادھر ہی سے آ رہا تھا کہ گھوڑوں پر سوار چار آدمیوں نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا، ان کے پاس بندوقیں بھی موجود تھیں، میں اس سمے دیپو کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا، لیکن میں تاک میں ضرور تھا، تب میں نے دیکھا کہ وہ دیپو کو کچھ نقصان نہیں پہنچا رہے، بلکہ سب آپس میں کچھ باتیں کر رہے ہیں میں نے چپ چاپ آگے بڑھ کر ان کی باتیں سنیں تب بھید کھلا۔''

''کیا باتیں ہو رہی تھیں چاچا؟ میں نے جلدی سے پوچھا۔

''ان میں سے ایک کہہ رہا تھا، مگر دیپو بھیا، تم گرو کو کیسے چھوڑ سکتے ہو؟''

''گرو تو میں چھوڑ چکا ہوں لکھو، کرن سنگھ نے مجھے ختم کرنے میں کون سی کسر چھوڑی تھی۔''

''مگر تم مرے تو نہیں۔''

''ہاں اتفاق ہے۔''

''یہ بات تو تم جانتے ہو کہ جیون میں کرن سنگھ کا کوئی آدمی گروہ نہیں چھوڑ سکتا۔ جب گروہ میں رکھتے ہیں تو سوگند لی جاتی ہے۔''

''مگر کرن سنگھ نے میرا جیون ہی کہاں چھوڑا تھا۔''

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ بہرحال تم زندہ رہو، ڈاکو ہمیشہ ڈاکو رہتا ہے بھیا۔۔۔ چلو تمہیں سردار نے بلایا ہے۔''

''سردار نے؟'' دیپو اس خبر پر چونک پڑا تھا۔ وہ بہت دیر تک اس آدمی کو خاموشی سے گھورتا رہا تھا۔ اور پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

''میں نہیں جاؤں گا لکھو۔ اب میں نہیں جاؤں گا۔''

''مگر ہم تو تمہیں لینے آئے ہیں۔''




''زبردستی لے جاؤ گے؟'' دیپو نے ان سے پوچھا۔

''جیسے بھی بن پڑے گا۔ لکھو نے کہا اور باقی تینوں نے بندوقوں کی نالیں دیپو کے بدن پر رکھ دیں تم ہی بتاؤ ایسے سمے پر کیا بولتا؟''

''پھر کیا ہوا چاچا؟'' میں نے حیرت سے اضطراب کے عالم میں پوچھا۔

''ہوتا کیا، وہ دیپو کو لے گئے، جانے کیا کیا اس پاپی کا؟ کسی کو کیا بتاؤں، ہم سب تو رو بھی چپکے چپکے رہے ہیں تا کہ کسی کو پتا نہیں چل سکے۔'' بوڑھے نے سسکتے ہوئے کہا۔

میرا ذہن سنسنا اٹھا تھا۔ تو دیپو پھر ان کے چکر میں پھنس گیا۔ لیکن وہ کس سردار کی بات کر رہے تھے؟ کون سردار بن گیا؟ اور سردار بننے کے بعد اس نے دیپو کو اٹھوا لیا۔ بہرحال جو کچھ بھی ہوا اب کیا کیا جائے یہ تو بڑی احمقانہ بات ہو گی کہ میں دوڑا جاؤں اور انہیں غاروں میں جا گھسوں۔ اس بار زندگی واپس لانا بے حد مشکل ہو جائے گا۔ نہ جانے نیا سردار کون ہو؟ اور کس خصلت کا انسان ہو۔ سخت بے چینی پیدا ہو گئی تھی۔

''کا بتائیں چھوٹے سرکار۔ کچھ سمجھ میں نہیں آوے ہے۔''

''گھبرانے کی بات نہیں ہے چاچا، دیپو گھر واپس آ جائے گا۔'' اس کے علاوہ بوڑھے سے کچھ نہیں کہہ سکا، اور پھر وہاں سے اٹھ کر چلا آیا، لیکن میں ذہنی طور پر پریشان ہو گیا تھا، اب کیا کروں، ان لوگوں میں جا گھسنا، سیدھا موت کے منہ میں جانے کے مترادف ہے، خوشی تو بہرطور حماقت تھی۔ ہاں اگر دیپو کی زندگی کی ضمانت مل سکتی تو میں ایک بار پھر درندوں کی کچھار میں گھسنے کی ہمت کر سکتا تھا۔ رات کو چوپال میں بھی میرا دل نہ لگا، چوپال میں رقیہ کی باتیں ہوتی رہیں۔ لیکن میں نے اس میں زیادہ حصہ نہیں لیا، اور دوسرے لوگ سمجھ گئے، کہ میں اس بات میں زیادہ دلچسپی نہیں لے رہا ہوں، اس لیے خاموش ہو گئے۔

بہرحال میں واپس چل پڑا، میرا رخ حویلی ہی کی طرف تھا کہ چھوٹے تالاب سے گزرتے ہوئے میں نے اپنے گھوڑے کے علاوہ دوسرے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنی اور چونک کر

چاروں طرف دیکھنے لگا۔ایک گھوڑا میری طرف آ رہا تھا، میں نے چونک کر اپنے گھوڑے کو روک لیا۔تب مجھے دیپو کی آواز سنائی دی۔

''ارے بھیا۔بھگوان کی سوگند اس سے کچھ اور بھی مانگتا تو مل جاتا۔''

''اوہ دیپو۔تم آ گئے۔''

''ہاں بھیا۔مجھے یقین تھا کہ تم میرے لیے پریشان ہو گے۔'' دیپو نے گھوڑے سے اترتے ہوئے کہا۔میں نے بھی اپنے گھوڑے کی پشت چھوڑ دی تھی دیپو کے اس طرح آ جانے سے مجھے بے حد خوشی ہوئی تھی،لیکن اس وقت میرے ذہن میں تجسس ہی تجسس تھا۔میں جاننا چاہتا تھا کہ دیپو پر کیا گزری۔

(☆......☆......☆)
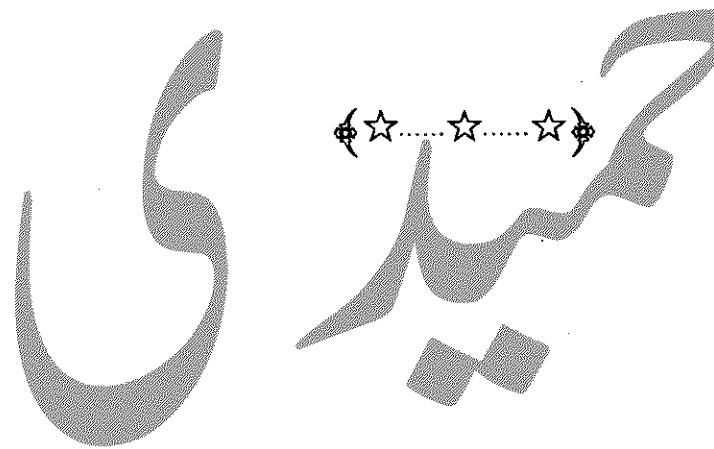




''لیکن دیپو۔مجھے پتا چلا تھا کہ تمہیں کچھ لوگ پکڑ کر لے گئے تھے۔'' میں نے بے چینی سے کہا۔

''کرن کے آدمی تھے وہ۔اور کون ہو سکتا تھا،تمہیں معلوم ہے کرن سنگھ زندہ ہے۔'' دیپو نے کہا اور میں اچھل پڑا۔

''زندہ ہے۔۔۔؟''

''ہاں۔ایک ہاتھ کٹ چکا ہے اس کا۔ٹانگ بھی خراب ہو گئی ہے۔مگر بالکل بدل گیا ہے وہ۔''

''کیسے۔۔۔؟'' میں نے سوال کیا۔

''پاگل تو وہ ہے۔تجھ سے مار کھا کر وہ اور عزت کرنے لگا ہے۔کہہ رہا تھا کہ ہمیں معلوم ہوتا کہ تیری بستی میں ایسا جیالا موجود ہے تو ہم اس کے احترام میں ادھر کا رخ کبھی نہ کرتے۔''

''اوہ۔'' میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''کرن سنگھ سچ مچ بڑا عجیب ہے۔کسی کے گھوڑے کی ایک ٹھوکر غلط ہو جائے تو کرن سنگھ اس کی ٹانگیں توڑ دیتا ہے۔اور کسی کی بات پسند آ جائے تو نہال ہو جاتا ہے۔تمہارے معاملے میں تو اس کی عجیب حالت ہے بھیا۔''

''کیا۔۔۔؟'' میں نے پوچھا۔

''بس تمہارا نام اس طرح لیتا ہے جیسے منہ میں مٹھائی گھل رہی ہو۔زخمی ہونے کے بعد اسے کئی گھنٹے کے بعد ہوش آیا تھا۔اس بستی میں بھی اس کا ایک آدمی رہتا ہے۔لکھو نے اسے دیکھ لیا۔اور

پھر وہ کرن سنگھ کو تیس گھڑی لے آیا۔ بیس دن تک کرن سنگھ کے حواس بحال نہیں ہوئے تھے۔ پھر اس کے آدمی شہر سے کسی بہت بڑے ڈاکٹر کو اٹھا لائے۔ اس نے جی توڑ کر علاج کیا۔ ایک ہاتھ کاٹا تب کرن سنگھ ٹھیک ہو سکا۔ ٹھیک ہو جانے کے بعد اس نے اپنے آدمیوں کو بتایا کہ اس کی یہ حالت بنانے والا کون تھا۔ تم نے وہاں اپنا نام پورنا بتایا تھا نا۔۔۔؟''

''ہاں۔'' میں نے جواب دیا۔

''کرن سنگھ نے بتایا کہ پورنا دراصل یوسف تھا۔ دیپو کی بستی کا رہنے والا۔ جس نے ان کے ڈاکے کی کوشش ناکام بنا دی تھی۔ تب اس کے آدمی دیوانے ہو گئے۔ انہوں نے قسمیں کھا لیں کہ وہ پوری بستی کو راکھ کا ڈھیر بنا دیں گے۔ کرن سنگھ کا انتقام لیں گے لیکن کرن سنگھ نے انہیں بہت برا بھلا کہا۔ اور بھیا! اس نے کہا کہ وہ اس جیالے انسان سے کیا انتقام لیں گے جس نے کرن سنگھ جیسے جیالے کی یہ حالت بنائی ہے۔ کرن سنگھ کے لوگوں کا یہ خیال تھا کہ اب یوسف پولیس کو اس جگہ کے بارے میں بتا دے گا۔ وہ بڑے مضطرب تھے۔ اور دن رات پہرا دے رہے تھے لیکن کرن سنگھ کو جب معلوم ہوا تو اس نے غراتے ہوئے کہا۔

''گدھے کے بچو۔ انسان کی تمیز کرو۔ بہادر آدمی کبھی گھٹیا پن نہیں کرتا۔ وہ پولیس کو خبر نہیں کرے گا۔ اطمینان رکھو۔ کیونکہ اس نے اپنی بستی سے کرن سنگھ کو بھگا دیا تھا۔ اور اس نے اپنے دوست کا بدلہ بھی لے لیا تھا۔ اگر وہ چاہتا تو چالاکی سے کرن سنگھ کا پورا خزانہ خالی کر دیتا مگر وہ جیالا ہے۔

''اور بھیا کرن سنگھ نے میری بڑی عزت کی۔ اپنے پاس بٹھایا اور کہا کہ تو بہت بڑا آدمی ہوا ہے دیپو کہ تجھے ایسا دوست حاصل ہے۔ یار ہم یہاں پوری زندگی کوشش کرتے رہے، ایک بھی دوست نہ مل سکا۔ وہ تم سے بہت متاثر ہے۔''

''ہوں۔'' میں نے ایک گہری سانس لی۔

''اس نے مجھ سے ایک درخواست بھی کی ہے بھیا۔''

''کیا۔۔۔؟''

''اس نے کہا ہے کہ یوسف کو کسی طرح اس سے ملا دوں۔ ایک بار تمہیں اس کے پاس لے



آؤں۔ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر یوسف ہمارے گروہ میں شامل ہو جائے تو گروہ کی تقدیر جاگ اٹھے۔ کرن سنگھ جوش میں بولا۔

''ارے میں اسے گروہ کی سرداری سونپ دوں گا اور خود اس کے ماتحت کی حیثیت سے کام کروں گا!''

''یہ اس کی چالاکی ہے دیپو۔'' میں نے کہا۔

''نہیں بھیا۔ وہ ذات کا ٹھاکر ہے۔ جو بات منہ سے نکالتا ہے اسے پورا کرتا ہے۔''

''ارے۔ تو تیرا کیا خیال ہے؟'' میں نے ہنس کر کہا۔

'میں کیا کہوں بھیا؟''

''تو چاہتا ہے میں کرن سنگھ کے گروہ میں شامل ہو جاؤں؟''

''سچی پوچھو بھیا تو وہ جتنا تم سے متاثر ہے اس کے تحت میں یہی چاہتا ہوں۔''

''نہیں دیپو، یہ ممکن نہیں ہے اور مجھے کیا پڑی ہے کہ ڈاکے مارتا پھروں۔''

''تمہاری مرضی ہے بھیا۔''

''میری مان دیپو۔۔۔۔ تو اب تو بھی یہ چکر چھوڑ دے۔ محنت مزدوری کر۔''

''مشکل ہے بھیا۔''

''کیوں؟'' میں نے پوچھا۔

''میں تمہیں بتا چکا ہوں کرن سنگھ کے جیون میں یہ ناممکن ہے وہ یہ بات کبھی پسند نہیں کرے گا کہ اس کے گروہ کا کوئی آدمی ایسی زندگی بسر کرے جو اس سے الگ ہو۔ اگر میں ایسا کروں گا بھیا، تو کسی دن خاموشی سے مجھے گولی مار دی جائے گی۔''

''برا پھنس گیا ہے تو۔ بہر حال تیری مرضی۔ اب گھر والوں سے کیا کہے گا؟''

''انہیں معلوم تو ہو ہی گیا ہے۔ اب میں دیکھوں گا کہ وہ خود مجھ سے کیا کہتے ہیں مگر بھیا۔''

''کہو۔ کیا بات ہے؟''

’’تم اس بارے میں نہیں سوچو گے؟‘‘

’’کرن سنگھ کے گروہ میں شامل ہونے کے بارے میں؟‘‘

’’ہاں۔‘‘

’’یار دیپو۔ ابھی عیش کی مل رہی ہے۔ اگر کبھی ڈاکے ڈالنے کی ضرورت پیش آئی تو کرن سنگھ کے گروہ میں شامل ہو جائیں گے۔‘‘ میں نے جواب دیا۔

’’مگر۔ میں اسے کیا جواب دوں؟‘‘

’’میری طرف سے اسے زندگی کی مبارک باد دے دینا۔ اور کہہ دینا کہ ضرورت پڑی تو اس کے پاس آ جاؤں گا۔‘‘ میں نے کہا اور دیپو نے گردن ہلا دی۔ پھر میں واپس گھر کی طرف چل دیا۔ رات کو بستر پر لیٹا تو بہت سے خیالات ذہن میں گڈمڈ تھے۔ دیپو، رقیہ اور مکھن۔ رقیہ کا خیال خون کھولا دیتا تھا۔ کیسی بے عزتی کی تھی اس نے میری۔ ہونہہ بھیا سمجھتی ہے۔ پھر عشق کس سے کرتی ہے۔ اوہ۔ یہ بات تو معلوم ہونی چاہیے۔ پتا تو چلے اس کا عاشق کون ہے۔ پھر دیکھوں گا یہ عشق کس طرح جاری رہتا ہے۔ دماغ درست نہ کر دیئے تو یوسف نام نہیں۔۔۔۔ پھر دیپو کے بارے میں سوچا۔ کرن سنگھ ذہن میں آیا۔۔۔۔ اور نہ جانے کیوں خوشی محسوس ہوئی۔ اچھا ہوا کہ کرن سنگھ کی زندگی بچ گئی۔ ویسے سچ مچ عجیب انسان ہے۔ میں نے تقریباً ناکارہ کر دیا۔ اس کی زندگی بچ جانے سے مجھے بھی خوشی ہوئی ہے۔ اور پھر نوخیز مکھن، کمال کی لڑکی تھی۔ ایک دن پہلے اتنی معصوم محسوس ہوئی کہ مجھے اپنے جذبات کو تھپکیاں دینی پڑیں۔ اور میں نے اسے بھگا دیا۔ لیکن آج یوں محسوس ہوا جیسے یہ چھوٹی سی لڑکی زندگی کے سارے رموز سے آشنا ہو۔ نہایت حیرت کی بات تھی۔ انہی خیالات میں نیند آ گئی۔ اور پھر صبح خوش گوار تھی۔ ذہن پر کوئی ناگوار بوجھ نہیں تھا۔ حسب معمول معمولات میں مشغول ہو گیا۔ کوئی خاص بات نہ تھی۔ دن گزرا، دوپہر ہوئی اور مکھن اندر آ گئی۔ حالانکہ مجھے اس کا انتظار نہیں تھا۔ لیکن نوخیز لڑکی نے جوانی کا پہلا پھل چکھ لیا تھا۔ وہ اس کی لذت سے سرشار ہو گئی تھی۔ اور اب وہ اس لذت کو بار بار حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اس سخت دوپہر میں وہ میرے لیے ذہنی شگفتگی کا باعث تھی۔ میں نے اسے اندر آنے سے



نہیں روکا۔ لیکن گڑبڑ ہو ہی گئی۔ حویلی کے ایک بوڑھے ملازم نے اسے میرے کمرے سے نکلتے دیکھ لیا۔ بات پوشیدہ نہ رکھی گئی۔ اور مجھے اسی وقت بلایا گیا۔ مکھن کو نہ صرف حویلی سے بلکہ بستی سے بھی نکال دیا گیا تھا۔ میری والدہ نے کڑی نگاہوں سے گھورتے ہوئے کہا۔

’’تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی۔۔۔۔؟‘‘

’’میں سمجھا نہیں۔۔۔۔؟‘‘

’’کیا تمہیں یہ احساس بھی نہ ہوا کہ وہ تمہارے معیار کی نہیں ہے؟‘‘

’’کون۔۔۔۔؟‘‘ میں نے حیرت سے کہا۔

’’مکھن کی بات کر رہی ہوں۔‘‘ والدہ نے کہا۔ اور ایک لمحے کے لیے تو میرے بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔ حالانکہ میں ان باتوں کی زیادہ پروا نہیں کرتا تھا۔ لیکن نہ جانے کیوں والدہ صاحبہ کے اس اچانک حملے سے میں بوکھلا گیا۔ فوری طور پر مجھ سے کوئی جواب نہ بن پڑا اور میں خاموش رہا۔

’’شادی کرنا چاہتا ہے؟‘‘ والدہ صاحبہ نے پوچھا۔

’’نہیں۔‘‘ میں نے جواب دیا۔

’’پھر یہ جوانی کیوں ہاتھوں سے نکلی جا رہی ہے۔‘‘

’’میری درخواست ہے۔ میرے کسی معاملے میں دخل نہ دیا جائے۔‘‘ میں نے بھاری آواز میں کہا۔

’’یوسف۔ یوسف ساری زندگی تیری وجہ سے ذلیل ہوتی رہی ہوں۔ پوری عمر گزار دی ہے۔ اپنے شوہر کی نگاہوں میں حقیر ہوتے لیکن برداشت کی بھی حد ہوتی ہے۔ میں تو ماں ہوں لیکن۔۔۔‘‘

’’کوئی برداشت کر سکے یا نہ کر سکے۔ مجھے پروا نہیں ہے۔‘‘ میں کھڑا ہو گیا۔

’’بیٹھ جا یوسف‘ تجھے سننا ہوگا۔‘‘

’’ہرگز نہیں امی۔ ہرگز نہیں۔ میں کہہ چکا ہوں کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ میرے کسی معاملے میں مداخلت نہ کی جائے۔‘‘ میں نے کہا اور باہر نکل آیا۔ پھر میں گھر میں نہیں گیا۔ چوپال

پر پہنچ گیا۔ ساتھیوں نے میرے بدلے ہوئے موڈ کو محسوس کیا لیکن کسی نے کچھ نہیں پوچھا۔ دیپو بھی تھا۔

رات کافی دیر تک چوپال میں رہا پھر واپس حویلی چل پڑا لیکن ذہن ٹھیک نہیں تھا۔ گھر میں آزادانہ طور داخل ہوا۔ اور اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ نوکروں نے اچھی طرح مجھے دیکھ لیا تھا لیکن دوسرے دن کوئی باز پرس نہیں ہوئی۔ اور میں دس گیارہ بجے ہی گھر سے باہر نکل گیا۔ ذہن پر شیطان سوار تھا۔ بس نہ جانے کیسی طبعیت ہو رہی تھی۔ اس وقت سروپ مل گیا۔ میں نے اسے اشارے سے بلایا۔ سروپ دوڑتا ہوا میرے پاس آ گیا۔

''ارے بھیا۔ کہاں چلے؟''

''کہیں نہیں سروپ۔ تم نے کسری پی ہے؟''

''نہیں بھیا کہاں! کئی دن سے ترس رہا ہوں۔''

''ایک بات بتاؤ سروپ۔''

''پوچھو بھیا؟''

''تمہارے پاس کوئی ایسی جگہ ہے جہاں کوئی نہ پہنچ سکے میرا مطلب ہے جہاں ہم اکیلے ہوں اور جو چاہیں کر سکیں؟''

''ارے بھیا۔ ہی ہی۔ تمہیں کیا ضرورت پڑ گئی؟''

سروپ ہنسنے لگا۔

''یہ میرے سوال کا جواب ہے؟'' میں غرایا۔

'ارے بھیا! بھیا۔ میرا مطلب ہے اپنے روپ رام کا گھر اسی کام تو آوے ہے۔''

''روپ رام۔'' میں زیر لب بڑبڑایا۔ روپ رام کا مکان میں نے دیکھا ہوا تھا۔ کافی دور سنسان جگہ پر تھا۔ اور روپ رام بھی میرے مصاحبوں میں تھا۔

''تو اور کیا بھیا۔''

''اسی کام سے تمہاری کیا مراد ہے؟''



''بس بھیا۔ کبھی کبھی وہاں کسری پی لیویں ہیں۔ اور کبھی کوئی ہاتھ لگ جائے تو۔۔۔''

''کون ہاتھ لگ جائے تو۔۔۔''

''ہی ہی ہی۔ کا بتاویں بھیا' یہ تمہاری سمجھ میں آنے والی باتیں نہیں ہیں۔'' سروپ بزرگانہ انداز میں بولا۔

''سروپ۔'' میں نے آگے بڑھ کر اس کا گریبان پکڑ لیا اور سروپ کے حواس ٹھکانے آ گئے۔ ''اور تم کہہ رہے ہو تم نے پی ہی نہیں ہے۔''

''بھیا۔ بھیا۔ سروپ گھگھیانے لگا۔

''جواب دے کون ہاتھ لگ جاتا ہے؟''

''وہ بھیا۔ مستی اور چھیما چمارن۔ جب ان کے پتی پینٹھ کو جاتے ہیں تو وہ آ جاتی ہیں۔ پھر سب اکٹھے ہوتے ہیں۔ اور دھیلی پاؤلی انہیں دے دیتے ہیں۔''

''اوہ۔'' میں نے ان گھناؤنی عورتوں کا تصور کیا۔ اور پھر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''تو یہ بات ہے مگر الو کے پٹھو۔ تم نے یہ بات آج تک مجھ سے چھپائی کیوں؟''

''ہی ہی۔۔۔ بس بھیا کا بتاتے۔''

''اچھا چلو ٹھیک ہے۔ راہو کہاں ملے گا؟''

''اس وقت اپنے گھر میں ہوگا۔''

''ہوں۔'' میں نے ایک گہری سانس لی ''آؤ۔'' اور میں سروپ کو ساتھ لے کر راہو کے گھر کی طرف چل دیا۔

راہو گھر پر ہی تھا۔ ہمیں دیکھ کر حیران رہ گیا۔

''راہو۔۔۔ تو نے مجھے پہلے کبھی اس بارے میں کیوں نہ بتایا؟''

''کس بارے میں بھیا؟'' راہو حیرت سے بولا۔

''میں نے بھیا کو سب کچھ بتا دیا ہے۔'' سروپ نے کہا۔

''ارے وہ۔۔۔ کچھ چھپانے کی بات نہیں تھی بھیا۔

بس ایسے ہی۔ اور تم کنجریوں کا کیا کرتے۔ تمہارے تو وہ قابل بھی نہ تھیں۔''

''چلو ٹھیک ہے راہو۔ مگر یہ بتاؤ تم میرے لئے کیا کر سکتے ہو؟''

''ارے خون گرا دیں گے سرکار۔ کچھ بولو تو سہی۔''

''میں تم دونوں کو پچاس روپے دوں گا۔ تمہیں میرا ایک کام کرنا ہوگا۔''

''حکم کرو بھیا۔ بھگوان کی سوگند، ہم تو جان بھی دے دیں گے۔''

''کرامت علی کو جانتے ہو؟''

''کون۔۔۔ وہ پرچون والا؟''

''ہاں۔''

''کبھی دوپہر کو ادھر سے گزرے ہو؟''

''ہاں بھیا۔ کیوں نہیں۔ اس کی لونڈیا دکان پر ہوتی ہے۔''

''ہوں۔۔۔ اسے یہاں لانا ہے۔''

''اٹھا کر؟'' دونوں منہ پھاڑ کر بولے۔

''ہاں۔ کیوں خوفزدہ ہو گئے؟'' میں نے زہریلے لہجے میں پوچھا۔

''نہیں بھیا۔ ایسی بات تو نہیں ہے۔ مگر کیا وہ خوشی سے نہیں آئے گی۔ ہمارا مطلب ہے کہ اگر اس سے کہا جائے۔ کہ تمہیں چھوٹے سرکار نے بلایا ہے تو کیا وہ انکار کر دے گی؟''

''ہاں۔'' میں نے کہا۔

''تب سسری کو ہم اٹھا لائیں گے۔ مگر بھیا کیا یہ بات بعد میں کھلے گی نہیں؟''

''تم فکر مت کرو۔ ہر بات کا ذمہ دار میں ہوں۔''

''بڑے سرکار کو پتا چل گیا تو؟''

''بہانے کر رہے ہو؟'' میں غرایا۔

''نہیں بھیا۔ بھگوان کی سوگند نہیں۔ تم جانو بھیا جو تم کہو گے وہی کریں گے۔''

''تب پھر تھوڑی دیر کے بعد جاؤ کیا کرو گے۔ کیا کہو گے؟''

''کرامت علی تو دوپہر کو سو جاتے ہیں۔''

''اور اس کی بیٹی دکان پر ہے۔''

''بالکل۔'' میں نے جواب دیا۔ ''تب تم کیا کرو گے؟''

''کچھ کر لیں گے بھیا۔ اب بھیا کا کام نہیں کریں گے کیا؟''

''یہ لو۔'' میں نے انہیں پچاس پچاس روپے دے دیئے۔

''ٹھیک ہے بھیا۔ تم یہیں انتظار کرو گے؟''

''ہاں۔'' میں نے جواب دیا۔

دونوں باہر نکل گئے۔ میرا ذہن بے حد خراب ہو رہا تھا۔ بہر حال میں انتظار کرتا رہا نہایت ہی بے تکا مکان تھا ڈھنگ کی ایک چیز بھی نہیں تھی بہر حال وقت تو گزارنا ہی تھا میں انتظار کرتا رہا تب بیل گاڑی کی گھنٹیاں سنائی دیں۔ اور پھر کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

''کون؟''

''دروازہ کھولو بھیا۔'' سروپ کی آواز سنائی دی۔ اور میں نے دوڑ کر دروازہ کھول دیا۔

''لے آئے بھیا۔ بھگوان کی سوگند لے آئے۔'' راہو نے کہا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ نشے میں چور تھا۔ میں نے چونک کر بیل گاڑی کی طرف دیکھا۔ رقیہ اس میں بندھی پڑی تھی۔

''اندر اٹھا لاؤ۔ جلدی کرو بے وقوف۔'' اور دونوں رقیہ کو نہایت بے دردی سے اٹھا لائے۔ میں نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا۔ ''یہ بیل گاڑی کس کی ہے؟'' میں ے پوچھا۔

''گوپال داس کی۔ باہر کھڑی ہوئی تھی۔ ہم اڑا لائے۔''

سروپ نے کہا اور ہنس دیا۔

''ارے کسی نے دیکھا تو نہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''کسی نے نہیں۔۔۔'' بھگوان کی سوگند کسی نے نہیں۔''

راہو شرابیوں کی طرح ہنس رہا تھا۔

میں نے رقیہ کی طرف دیکھا۔ وہ ہوش میں تھی لیکن اس کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ وہ سپاٹ

نگاہوں سے ہمیں دیکھ رہی تھی۔

''مگر تم اسے لائے کیسے؟''

''ارے بڑی آسانی سے۔ میں نے اسے باہر بلایا اور پھر ہم دونوں نے اسے گاڑی میں ڈال دیا۔''

''ہوں۔'' میں نے گہری سانس لی۔ ظاہر ہے ان دونوں نے شراب پی ہوگی۔ اور اس کے بعد یہ کام کیا ہوگا۔ کم بختوں نے کوئی الٹی سیدھی حرکت نہ کر دی ہو۔

میں نے سوچا۔

''ہم جائیں بھیا؟'' راہو نے پوچھا۔

''دفعان ہو جاؤ۔ بیل گاڑی کھڑی کر آنا۔''

''ہاں۔ ہاں۔ اور کیا ہم اس پر بیٹھ کر کال خانے جائیں گے۔'' راہو جھوم کر بولا۔ اور دونوں باہر نکل گئے۔ تب رقیہ کی طرف پلٹا۔ اور میں نے اس کے ہاتھ پاؤں کھول دیئے۔

رقیہ کے حواس بحال ہو گئے تھے۔ اور پھر اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ ''کیوں بلایا ہے بھیا۔'' بتاؤ کیا بھائی بہنوں کو اس طرح بلاتے ہیں۔ دیکھو یہ رسی کے نشان۔ کیا بہنیں بھائیوں کے پاس اسی طرح لائی جاتی ہیں؟''

''رقیہ۔۔۔ بکواس مت کرو رقیہ۔ میں تمہارا بھائی نہیں ہوں۔'' میں غرایا۔

''ماں جائے تو نہیں ہو۔ مگر خدا کی قسم۔ میں تمہیں بھائیوں جیسا سمجھتی ہوں۔'' وہ روتی ہوئی بولی۔

''مگر میں تمہیں پسند کرتا ہوں۔''

''بھائی کی طرح پسند کرو۔ بہن کی طرح دیکھو۔ اور جان مانگ لو۔ بہن کہہ دو ایک بار عزت بھی دے دوں گی۔ مر جاؤں گی۔ مگر تمہارا دل اندر سے کیا کہے گا بھیا؟ کیا تم بہن کی عزت لو گے؟ بتاؤ۔ میرا کوئی بھائی نہیں ہے۔ خدا کے سامنے مان کر تمہیں بھیا کہہ رہی ہوں۔ اگر بھائی بہن کی عزت لے سکتے ہیں تو لے لو بھیا۔ میری عزت لے لو۔ میرے بیرن۔ میری عزت لے لو۔''

رقیہ نے اپنا سینہ کھول دیا۔ وہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔ اور میرے ذہن میں لاوا ابل رہا تھا۔ شائد





ضمیر میں شرافت کی کوئی پھانس چبھی ہوئی تھی۔ میں نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

طوفان پرسکون ہو گیا۔ اور میں نے بھرائی آواز میں کہا۔

''رقیہ۔۔۔ سینہ ڈھک لو۔ ڈھک لو رقیہ۔ میں تم سے شرمندہ ہوں۔ میں تم سے بہت شرمندہ ہوں۔''

''ایسے نہیں ڈھکوں گی۔ پہلے مجھے بہن کہو۔ اپنے ہاتھوں سے میرے سر پر دوپٹا برابر کرو۔''

''سینہ ڈھک لے رقیہ بہن' ڈھک لے سینہ' ورنہ میں سر پھوڑ لوں گا۔'' میں نے تکلیف سے کہا۔

اور منہ پھیر کے کھڑا رہا۔ تب رقیہ نے دونوں ہاتھ پشت سے میرے کندھے پر رکھ دیئے۔

تب میں پلٹا۔ لیکن اسی وقت دروازے پر شور سنائی دیا۔ بہت زور سے دروازہ پیٹا جا رہا تھا۔ میں چونک پڑا۔ دروازے پر ٹھوکریں پڑ رہی تھیں۔ اور پھر وہ اندر آ پڑا۔

سب سے آگے گوپال داس تھے۔ ان کے پیچھے جگت لال' مولوی سلامت علی اور دوسرے بے شمار لوگ تھے۔ سب کے سب اندر گھس آئے۔ سب کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔ گوپال داس نے آگے بڑھ کر اپنا انگر چھا رقیہ کے سر پر ڈال دیا۔ اور اسے اپنے سینے کی آڑ میں کر لیا۔

''تم نے اسے اغوا کرایا ہے چھوٹے سرکار؟''

''تم نے ان حرام زادوں سے اسے اٹھوایا ہے؟''

پیچھے سے آواز آئی۔ اور انہوں نے سروپ اور راہو کو دھکیل کر سامنے کر دیا۔ میں نے ایک گہری سانس لی۔

بہر حال ان باتوں سے میں خوف زدہ نہیں ہوتا تھا۔

''اس سے پہلے اس بستی میں ایسا نہیں ہوا۔''

''اور آئندہ بھی نہیں ہوگا۔''

''ہم اس سانپ کا پھن کچل دیں گے۔ جو ہماری عزت کا دشمن ہے۔ بہت سی آوازیں ابھر رہی تھیں۔ میں نے رقیہ کی طرف دیکھا اور وہ سفید پڑ گئی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ میری صفائی میں وہ کچھ نہ بول سکے گی۔۔۔!

"باندھ لو۔۔۔اسے رسیوں سے باندھ لو۔ لے چلو بڑے سرکار کے پاس لے چلو۔" کسی نے کہا
میرا خون کھول گیا۔ یہ رمضان کن ملیلیا تھا۔ اس کے الفاظ پر میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔ میں
آگے بڑھ آیا۔ اور آہستہ آہستہ رمضان کے قریب پہنچ گیا۔

"کیا کہا تم نے؟"

"رسی۔رسی۔" رمضان نے مدد طلب نگاہوں سے دوسروں کی طرف دیکھا۔

"مجھے رسی سے باندھ کر لے چلو گے؟" میں نے کہا۔ اور رمضان پیچھے کھسک گیا۔ مگر میں نے اس
کا گریبان پکڑ لیا۔

"بول۔ کون کون مجھے رسی سے باندھ کر لے چلے گا؟" رمضان کٹتے ہوئے بکرے کی طرح چیخ
پڑا۔ سب گھبرا گئے۔ رمضان کے سامنے کے دانتوں کی لائن صاف ہو گئی تھی۔ اور وہ خون کی
کلیاں کر رہا تھا۔

"اور کون جیالا مجھے رسیوں سے باندھے گا؟" میں نے غرا کر پوچھا۔

"یہ ظلم ہے چھوٹے سرکار۔"

"یہ ناانصافی ہے۔ آپ کتنوں کو ماریں گے؟ ہم عزت دے کر زندہ نہیں رہیں گے۔"

"جاؤ۔۔۔ میں بڑے سرکار کے سامنے پہنچ جاؤں گا!"

"ہمارے ساتھ ہی چلو۔" کسی نے کہا۔

"کون ہے۔۔۔ سامنے آکر کہو۔" میں نے مجمع کی طرف دیکھا۔ لیکن کوئی سامنے نہیں آیا۔ جاؤ
تم لوگ۔ میں بڑے سرکار کے پاس پہنچ جاؤں گا!"

"چل بیٹی۔ ہم انصاف لے کر رہیں گے۔" گوپال داس بولے۔ اور پھر مجمع نے میری کسر
سروپ اور راہو کی پٹائی کر کے نکالی۔ وہ انہیں مارتے ہوئے لے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد میں
تنہا رہ گیا۔ میرا ذہن سائیں سائیں کر رہا تھا۔ جو کچھ ہوا تھا توقع سے کہیں زیادہ تھا۔ اب میرے
پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ دل نے کہا یہاں سے بھاگ جاؤں۔ لیکن یہ بزدلی تھی۔ فیصلہ
کچھ بھی ہو۔ اس کے بعد دیکھا جائے گا۔ لیکن بہرحال! عقل سے کام بھی لینا تھا۔ میں باہر نکل





آیا۔ اور سب سے پہلے میں دیپو کے پاس گیا۔ دیپو گھر پر موجود تھا۔ مجھے دیکھ کر اچھل پڑا۔

"یہ کیا خبر پھیلی ہوئی بھیا؟"

"پوری بستی میں پھیل گئی کیا؟"

"ہاں۔۔۔ لیکن۔۔۔؟"

"ٹھیک خبر ہے دیپو۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ اور دیپو پریشانی سے میری شکل دیکھنے لگا۔

"کیوں۔ تمہارا کیا خیال ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے تعجب ہوا ہے۔ اپنی بستی کی ہر لڑکی کی عزت اپنی ہوتی ہے۔"

"نصیحتیں کرے گا مجھے؟"

"نہیں بھیا۔ لیکن یقین کرو۔ یہ اچھا نہیں ہوا۔"

"ہاں دیپو۔ اچھا تو نہیں ہوا۔ لیکن اب مجھے تیری مدد کی درکار ہے۔"

"ہاں ہاں بھیا۔ حکم کرو۔ حکم دو بھیا۔" دیپو مستعدی سے بولا۔

"تیرے پاس اپنی رائفل ہے؟"

"گھر میں نہیں ہے بھیا۔"

"خیر۔ اس کا انتظام میں کر لوں گا۔ گھوڑا تو مل جائے گا؟"

"ہاں بھیا۔ گھوڑا موجود ہے۔"

"بستی والے والد صاحب کے پاس گئے ہیں۔ اور والد صاحب' میرا خیال ہے اس معاملے میں
وہ میرے ساتھ کافی سختی سے پیش آئیں گے۔ ممکن ہے صورت حال کافی بگڑ جائے۔ اس لیے
ایک گھوڑا حویلی کے بائیں طرف کے باغ کی دیوار کے دوسری طرف تیار رکھنا چاہیئے۔ ممکن ہے
فرار کی ضرورت پیش آجائے۔"

"اوہ۔ تو تم بستی چھوڑو گے بھیا؟"

"اگر ضرورت پیش آگئی تو۔"

"مگر کہاں جاؤ گے؟"

''اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔ میرا خیال ہے اب میں گھر جاؤں گا۔ تو جلدی سے یہ کر دے۔''

''ٹھیک ہے بھیا۔'' دیپو آہستہ سے بولا۔ اور میں واپسی کے لیے چل پڑا۔ حویلی میں داخلے کے لیے میں نے چور راستے کا انتخاب کیا تھا۔ اور پوشیدہ جگہ سے میں حویلی میں داخل ہو گیا۔ باہر مجمع کا شور سنائی دے رہا تھا۔ گویا بات کافی بڑھ چکی تھی۔ بہر حال میں چوری چھپے اسلحہ خانے میں پہنچا۔ اس وقت رائفل بے کار تھی۔ میں نے دو پستول حاصل کیے۔ کارتوس جیبوں میں بھرے پھر خاموشی سے اپنے کمرے میں پہنچا۔ میرے پاس جتنی رقم تھی۔ وہ احتیاط سے جیبوں میں ٹھونسی۔ اور پھر باہر نکل آیا۔ اب میں اس جگہ کی طرف جا رہا تھا۔ جہاں مجمع موجود تھا۔ ابا جان ان لوں کے سامنے مجرم کی طرح کھڑے تھے۔

''ہمیں انصاف چاہیے بڑے سرکار۔ ہم انصاف مانگنے آئے ہیں۔'' کرامت علی بولا۔ اور والد صاحب نے گردن اٹھائی۔

''اس حویلی کو آگ لگانے آئے ہو؟ کیا یہاں موجود لڑکیوں سے بدلہ چاہتے ہو؟ تو پھر انتظار کیوں کر رہے ہو۔ اندر گھس جاؤ۔ اپنے دل کی بھڑاس نکال لو۔'' والد صاحب گرجے۔

''نہیں سرکار۔۔۔ ہمیں۔۔۔ ہمیں۔'' آوازیں دب گئیں۔

''تمہیں معلوم ہے مسلح سوار اسے گرفتار کر کے لاتے ہوں گے اس کے بعد میں اسے تمہارے سامنے پیش کر دوں گا۔ تم اسے جو چاہو سزا دینا۔ مجھے اعتراض نہیں ہوگا!''

''اور میرے آتشی ذہن کو اتنی تاب کہاں تھی۔ میں آگے بڑھ کر ان لوگوں کے سامنے پہنچ گیا۔ کسے کسے انصاف چاہیے؟ کون مجھے سزا دے گا؟ ذرا سامنے آؤ۔'' اور مجمع منمنانے لگا۔

''میں نے رقیہ کو اپنے پاس بلایا ضرور تھا۔ مجھے اس سے کچھ باتیں کرنی تھیں۔ لیکن میں نے اس کی عزت کو ہاتھ نہیں لگایا۔ سروپ اور راہو شراب کے نشے میں تھے اس لیے انہوں نے ایسی حرکت کی۔ لیکن میں تمہارے سامنے صفائی نہیں پیش کر رہا۔ جاؤ رقیہ سے پوچھ لینا۔ اس کی عزت محفوظ ہے کہ نہیں۔ اور۔۔۔ اب تم سب اپنے گھروں کو بھاگ جاؤ۔ ورنہ میں تمہارا سارا جوش سرد کر دوں گا۔'' میں نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''ایسا تو کبھی نہیں ہوا سرکار۔ ایسا کبھی نہیں ہوا۔''

گوپال داس نے دہائی دی۔

''یوسف۔۔۔'' والد صاحب گرجے۔ ''تم اپنے آپ کو گرفتار سمجھو۔ رقیہ کے معاملے کی تفتیش ہوگی۔ اگر تم مجرم نکلے تو یہ سب تمہیں اپنی پسند کی سزا دیں گے۔''

''تب پھر۔۔۔ پہلے میں انہیں اپنی پسند کی سزا دے لوں؟''

میں نے دونوں پستول نکال لیے۔ اور پھر میں نے دو ہوائی فائر کیے۔ اور مجمع میں بھگدڑ مچ گئی۔ بہت کم تھے جو وہاں رکے تھے۔ لیکن والد صاحب کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

''ذلیل۔۔۔ کمینے۔۔۔ کتے۔۔۔ ناخلف میرے سامنے تجھے اس درندگی کی جرات کیسے ہوئی؟ پھینک دے پستول' ورنہ۔۔۔ میں۔۔۔ میں۔۔۔'' وہ غصے سے بے قابو ہو کر میری طرف بڑھے۔ اور میں پیچھے ہٹ گیا۔

''بہت عرصے سے میرے اور آپ کے درمیان معاملات ٹھیک نہیں چل رہے ابا حضور۔۔۔ اس لیے اب میں نے آپ کی یہ بستی چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ میں نے آپ پر احسان کیا ہے دس' بیس کو ختم نہیں کیا۔ بہر حال! ان کے اور میرے درمیان رنجش ہے۔ پھر ملاقات کروں گا۔'' میں اور پیچھے ہٹا۔

''گرفتار کر لو اسے۔'' ابا گرجے۔ اور ہچکچاتے ملازم میری طرف بڑھے۔ لیکن جونہی میں نے پستول سیدھے کیے۔ وہ کھکھیانے لگے۔ اور میں اپنی مطلوبہ جگہ پہنچ گیا۔ پھر میں نے دیوار کے دوسری طرف چھلانگ لگا دی۔ دیپو نے ایک عمدہ گھوڑا پہنچا دیا تھا۔ میں اس پر سوار ہو گیا۔ اور پھر میں نے گھوڑے کو سرپٹ چھوڑ دیا۔ حالات واقعی اب غیر مناسب ہو گئے تھے۔ اور پھر اس بستی میں کچھ بھی تو نہ تھا۔ لیکن بستی سے نکلتے ہی ایک اور گھوڑا میرے پیچھے لگ گیا۔ وہ کافی تیز رفتاری سے میرے برابر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ بستی سے میرا فاصلہ زیادہ سے زیادہ

ہو جائے اس لیے میں نے اس گھوڑے پر توجہ نہیں دی۔ لیکن گھوڑا مسلسل میرے پیچھے آ رہا تھا۔ آخر کار میں نے اپنے گھوڑے کی رفتار سست کر دی' پھر دیپو کو پہچاننے میں مجھے کوئی دقت نہیں ہوئی۔ اس کے اس طرح پیچھا کرنے پر مجھے غصہ تو بہت آیا تھا لیکن یہ بھی جانتا تھا میں کہ دیپو میرا سچا دوست ہے۔ چنانچہ میں نے گھوڑا روک لیا اور چند لمحوں میں دیپو میرے پاس آ گیا۔

''یہ کیا حرکت ہے دیپو۔''

''کون سی حرکت بھیا؟''

''تم میرے پیچھے کیوں آ رہے ہو۔''

''ارے کیسی باتیں کر رہے ہو بھیا' جو کچھ ہو رہا ہمیں معلوم ہے کیا ایسی حالت میں ہم تمہیں اکیلا چھوڑ دیتے۔''

''اوہ' تم بے وقوف ہو۔'' میں نے جھلا کر کہا۔

''سو وہ تو ہیں بھیا' کوئی نئی بات ہے۔'' دیپو ہنس دیا۔

''تم ہنس رہے ہو' مجھے غصہ آ رہا ہے۔''

''مگر کیوں بھیا۔'' دیپو نے کہا' میں نے کوئی جواب نہیں دیا اور گھوڑا آگے بڑھا دیا۔

ذہن پر شدید جھنجلاہٹ سوار تھی۔ دیپو کے اس طرح تعاقب کرنے پر مجھے غصہ آیا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب اس نے یہ سوال کیا کہ۔ ''غصہ مجھے کیوں آ رہا ہے تو؟'' تو میں نے اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیا تھا اور اس کی وجہ دیپو کا ماضی تھا۔ دیپو نے ایک لمحہ میرا ساتھ نہیں چھوڑا تھا اور میرے لیے بے شمار تکلیفیں اس نے برداشت کی تھیں۔ اب جب اس نے دیکھا کہ میں اپنی بستی' اپنا گھر چھوڑ رہا ہوں تو وہ میرا پیچھا کیسے چھوڑ سکتا تھا' لیکن بس اس وقت میری ذہنی کیفیت کچھ عجیب سی ہو رہی تھی اور رقیہ کو بہن کہنے کے بعد جس نقصان کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس کیفیت پر سخت جھنجلاہٹ سوار تھی۔ اس کے بعد میں نے خاموشی اختیار کر لی اور رفتہ رفتہ گھوڑے کی رفتار پھر تیز کرتا چلا گیا۔ میں جانتا تھا کہ ابراہیم بابا اس وقت کس کیفیت کا شکار ہو گئے ہیں۔ آخر میرے والد تھے۔ امن پسند تھے اور زندگی میں کبھی انہوں نے کوئی ایسا عمل نہیں کیا تھا جو کسی کے





لیے تکلیف کا باعث ہوتا' لیکن اس وقت ان کی کیفیت بہت مختلف تھی' میں ان کے ہاتھ نہیں آنا چاہتا تھا' کیونکہ ہاتھ آنے کے بعد وہ میرے ساتھ برا سلوک کرتے اور برا سلوک میں برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے بہتر یہ تھا کہ جتنی دور نکل سکتا ہوں نکل جاؤں اور پھر دیپو تھا ہی پاگل۔ میں نے آدھی رات تک گھوڑا دوڑایا اور دیپو مسلسل اپنے گھوڑے پر میرے ساتھ لگا چلا آیا۔ اس دوران اس نے مجھ سے کوئی گفتگو نہیں کی تھی۔ شاید وہ بھی یہ سمجھ رہا تھا کہ میں اس کا امتحان لے رہا ہوں۔ یہاں تک کہ گھوڑا جو مسلسل سفر کر رہا تھا تھک گیا اور مجھے احساس ہوا کہ وہ اب گر پڑے گا۔ اس نے پوری وفاداری کے ساتھ میرا ساتھ دیا تھا اور اس سے پہلے کہ میرا گھوڑا گرے اچانک ہی دیپو کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور کئی قلابازیاں کھا کر ساکت ہو گیا۔ میرا گھوڑا بھی آہستہ آہستہ بیٹھ گیا تھا لیکن میں نے دہشت زدہ نگاہوں سے دیپو کو دیکھا کہ دیپو کی کیا کیفیت ہے؟ دیپو گھوڑے سے گرنے سے پہلے چھلانگ مار چکا تھا اور زندہ سلامت تھا۔ جب کہ اس کے گھوڑے نے دم توڑ دیا تھا۔ میرا گھوڑا بھی جس انداز میں زمین پر بیٹھ گیا تھا اس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ اب وہ بھی جی نہ سکے گا۔ درحقیقت ہم نے ان دو بے زبان جانوروں کے ساتھ ظلم کیا تھا اور ان کی وفاداری کا بہت زیادہ فائدہ اٹھا لیا تھا۔

جس انداز میں یہ دوڑتے چلے آئے تھے اس کے بعد ان کی یہ حالت تو ہونی ہی چاہئے تھی۔ میں اپنے گھوڑے کی پشت سے اتر گیا اور دیپو میرے قریب آ گیا میں نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''اگر اس سے تو میرا تعاقب نہ کرتا تو یقینی طور پر میں گھوڑے کو کسی ایسی جگہ روک لیتا جہاں اسے آرام کرنے کا موقع مل جاتا۔''

''میں نے آج تک تم سے تلخ لہجے میں بات نہیں کی بھیا! آج بھی نہیں کروں گا' لیکن ہاتھ جوڑ کر ایک سوال کرنا چاہتا ہوں تم سے۔ کیا تمہیں سنسار میں کسی کی محبت پر یقین نہیں ہے؟'' میں نے چونک کر دیپو کو دیکھا۔ ہوش و حواس درست ہوئے تھے۔ تب میں نے آہستہ سے کہا۔

''کچھ نہیں دیپو! میں جانتا ہوں کہ تو مجھے بہت زیادہ چاہتا ہے اور تو یہ بھی جانتا ہے کہ نہ میں کسی سے جھوٹی بات کہتا ہوں نہ کسی کو خوش کرنے کے لیے ایسی کوئی بات کہتا ہوں جس کا تعلق میرے

دل ودماغ سے نہ ہو۔''

''بہت شکریہ! پھر اس کے بعد بھلا یہ کیا سوال رہ جاتا ہے کہ میں تمہارا پیچھا نہ کرتا۔ ساری صورت حال میرے علم میں تھی۔ جو تم نے کیا وہ بھی میرے علم میں تھا تم چل پڑے تھے وہاں سے اور کسی کو کچھ معلوم ہوتا یا نہ ہوتا لیکن مجھے تو پتا ہونا چاہیے کہ تم کہاں ہو؟ میں تمہیں اکیلا تو نہیں چھوڑ سکتا بھیا!'' میں تھکے تھکے انداز میں آگے بڑھا اور تھوڑے فاصلے پر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔

دیپو بھی میرے پاس آ گیا تھا۔

''گھوڑے مر چکے ہیں۔ میں نے دور سے نظر آنے والے گھوڑوں کو دیکھ کر کہا۔

''ہاں! وہ بہت دوڑتے رہے ہیں۔ جانور اتنا نہیں دوڑ سکتا۔''

''خیر چھوڑو! دیپو! میرا خیال ہے اب میرا اپنے گھر واپس جانا ممکن نہیں ہوگا۔''

''سچ پوچھو بھیا! میری بھی یہی رائے ہے۔''

''کوئی فیصلہ کرنا ہوگا ہمیں۔''

''ہاں! بھوک لگ رہی ہے؟'' دیپو نے پوچھا۔

''کیوں! یہ سوال کیوں کر رہا ہے؟'' میں نے کہا اور اس نے اپنی کمر سے بندھا ہوا ایک کپڑا کھولا اس میں چنے اور گڑ تھا۔ میں نے حیرت سے دیپو کو دیکھا اور بولا۔ ''یہ یہ کہاں سے لائے؟''

''بس بھیا! نہ جانے کیوں دل کر رہا تھا کہ کچھ ہوگا ایک دم تو کچھ نہیں کر سکا۔ پنساری کی دکان سے یہی دو چیزیں ملیں تو لے کر کمر میں باندھ لیں۔''

''یاد رکھ! چنے کھانے سے پیاس بڑھے گی اس کا کیا کریں گے؟''

''پہلے بھوک کا بندوبست کر لیتے ہیں اس کے بعد پیاس کے لیے بھی دیکھ لیں گے۔ نہ بجھی تو بھگوان کی مرضی۔''

''میں ہنسنے لگا' دیپو واقعی اب اچھا لگنے لگا تھا۔ چنے اور گڑ سے پیٹ بھرنا بڑا دلچسپ محسوس ہوا۔ کھانے کے بعد میں نے کہا۔

''دیپو! زندگی ذرا تبدیل کرنی پڑے گی۔ اب اپنے گھر میں تو میرا ٹھکانہ نہیں ہے۔''



''ایک بات ہم کہیں بھیا! جھگڑا تھوڑے عرصے رہے گا اور اس کے بعد ظاہر ہے بڑے مالک کے من میں تمہاری چتا سلگ اٹھے گی۔ وہی کوشش کریں گے اور تمہیں معافی مل جائے گی۔''

''یار دیپو! ایک بات تو اچھی طرح جانتا ہے اگر میں بستی واپس چلا گیا تو بہت سے لوگ جیتے نہ بچیں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اس وقت بڑی مردانگی دکھانے کی کوشش کی تھی۔ ارے کم از کم میری بات تو سن لینے دیتے میرے باپ کو۔ اور پھر رقیہ بھی یقین دلا دیتی۔ مگر ان لوگوں نے تو آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا۔''

''بھیا! جو ہونا تھا ہو چکا اب اس کے بارے میں سوچنا بے کار ہے۔''

''ہونہہ! اب یہ بتاؤ' کیا کرنا چاہیے؟''

''سوچتے ہیں۔ پیٹ بھرنے کے بعد سوچنے میں کافی آسانی ہو جاتی ہے۔'' دیپو نے ہنستے ہوئے کہا۔ میں بھی ہنسنے لگا۔ بہت دیر تک ہم خاموش بیٹھے رہے اور اس کے بعد میں نے کہا۔

''میں سو رہا ہوں دیپو' اب جو کچھ سوچنا ہوگا صبح کو سوچیں گے۔''

''تم سو جاؤ بھیا! اطمینان سے۔ جگہ بھی اچھی ہے اور فاصلہ بھی اتنا ہے کہ اگر کوئی ہمیں تلاش کرنے کے لیے نکلا تو کم از کم آج رات یہاں تک نہیں پہنچ سکے گا۔''

''اگر کوئی آہٹ سنو تو مجھے جگا دینا۔ ویسے میرا خیال ہے تم بھی سو جاؤ۔''

''ٹھیک ہے بھیا! تم آرام کرو۔'' یہ بھی میری فطرت کا ایک حصہ تھا' کھردری زمین' درخت کے تنے کو تکیہ بنا کر لیٹ گیا اور اس کے بعد دنیا سے بے خبر ہو گیا۔ دیپو نہ جانے کب تک جاگتا رہا تھا۔ صبح کو پرندوں کے شور اور سورج کی تیز کرنوں نے جگایا۔ دھوپ میں شدت تھی۔ لیکن میں نے دیکھا کہ دیپو گھٹنوں میں منہ دبائے گہری نیند سو رہا ہے۔ اسے سوتے دیکھ کر مجھے ہنسی آ گئی۔ اور میری ہنسی کی آواز پر دیپو کی آنکھ بھی کھل گئی۔ وہ اٹھا اور کمر پر ہاتھ رکھ کر کراہنے لگا۔

''ارے دبا رے دبا! کمر ٹیڑھی ہو گئی بھیا۔''

''میں تو ٹھیک ہوں۔'' میں نے کہا اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔

''کیا جیون ہے بھیا! ہزاروں لوگ اسی طرح زمین پر سوتے ہیں ہم ایک دن سو لیے تو کمر ٹیڑھی

ہوگئی۔''

''اب تیری بے وقوفی ہے۔ میں کیا کروں؟ بلاوجہ میرے پیچھے پیچھے لگا چلا آیا۔ تیرے ماتا پتا کو تیری ضرورت ہے دیپو۔''

''اور ادھر وہ جو میری جان کھائے جا رہا ہے؟''

''کون؟'' میں نے سوال کیا۔

''ارے وہی! کرن سنگھ۔''

''چھوڑ دیپو! کرن سنگھ میرے لیے ہوسکتا ہے دل میں اچھے جذبات رکھتا ہو۔ مجھے بھی وہ ایسا ہی آدمی لگا تھا لیکن ظاہر ہے ڈاکوؤں کے گروہ میں رہ کر میں ڈاکا زنی نہیں کرسکتا۔ یہ میری فطرت کے خلاف ہے اور اگر کبھی ایسا موقع آیا بھی تو کرن سنگھ کا سہارا نہیں لوں گا۔ جو کام کرتا ہوں اپنے بل پر کرتا ہوں اور اپنے بل پر ہی کروں گا۔''

''ٹھیک ہے بھیا! ٹھیک ہے کب منع کر رہا ہوں۔ مگر اب یہ بتاؤ کہ یہاں سے پیدل ہی چلنا پڑے گا نا؟''

''اور وہ بھی بھوکا پیاسا' گڑ اور چنے رات کو ختم ہوگئے ہیں۔''

''دیکھتے ہیں بھگوان کیا چاہتا ہے؟ میرا خیال ہے چلیں۔''

''چلو!'' میں نے کہا اور ہم نے ایک راستہ منتخب کیا اور اس پر آگے بڑھنے لگے۔ سورج کی تپش بڑھتی جا رہی تھی۔ پانی نہ جانے کب سے نہیں پیا تھا۔ پیاس بہت شدت سے محسوس ہو رہی تھی لیکن اظہار کرنے کا مطلب بزدلی ہے۔ چنانچہ نہ دیپو نے اس کا اظہار کیا اور نہ میں نے۔ البتہ تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہمیں ڈھلان میں ایک آبادی نظر آئی اور دیپو خوشی سے اچھل پڑا۔

''لو بھیا! جیون مل گیا۔''

''آؤ۔'' میں نے کہا اور ہم نے ڈھلانوں پر اترنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم اس آبادی میں داخل ہوگئے تھے۔ آبادی کے سرے پر ہی ایک دھرم شالہ بنی ہوئی تھی۔ دھرم شالہ میں پہنچنے کے بعد پانی کا مسئلہ حل ہوگیا۔ ایک کنواں تھا۔ کنوئیں کے پاس چمڑے کا ڈول رکھا ہوا تھا۔ جس



میں رسی بندھی ہوئی تھی۔ دیپو نے ڈول پانی میں ڈالا اور پانی نکال لیا۔ پھر دونوں ہاتھوں کو منہ سے لگا کر میں نے پہلے پانی پیا۔ اس کے بعد ڈول پکڑا اور دیپو کو پانی پلایا تھوڑا سا پانی ہم نے اپنی گردن اور چہرے وغیرہ پر بھی ڈالا تھا اور اس کے بعد وہاں سے آگے بڑھ گئے تھے اچھی بستی تھی۔ کچے پکے بے شمار مکانات بنے ہوئے تھے۔ البتہ آبادیوں سے الگ تھلگ تھی۔ کچھ تانگے نظر آرہے تھے اور سامنے ہی ایک کچی سڑک جو یقیناً کسی بڑی آبادی کو جاتی ہوگی لیکن قرب وجوار میں بکھرے ہوئے کھیت اور سرسبز باغ اس بات کی نشاندہی کر رہے تھے کہ علاقہ زرخیز ہے میں اور دیپو آگے بڑھتے رہے میں نے اپنی جیبیں ٹٹولیں تو اس میں اچھے خاصے پیسے موجود تھے ظاہر ہے میں قلاش نہیں رہتا تھا اور پھر دولت کا کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔ ہم آگے بڑھے اور پھر حلوہ پوری کی ایک دکان سے حلوہ پوری خرید کر ایک طرف بیٹھ گئے۔ کھانے سے فراغت حاصل کی تو دیپو نے آنکھیں بند کر کے گردن جھٹکتے ہوئے کہا۔

''نہ جانے بستی کا کیا نام ہے؟'' دیپو کی یہ بات پیچھے سے گزرتے ہوئے ایک عمر رسیدہ آدمی نے سن لی۔ کھڑا ہوگیا اور بولا۔

''مسافر بھیا! کہیں باہر سے آئے ہو؟'' ہم نے چونک کر اسے دیکھا' دیپو جلدی سے بولا۔

''ہاں' چاچا جی کیا نام ہے اس بستی کا؟''

''ہیرا' ہیرا نام ہے بھیا؟''

''یہاں کے رہنے والے بھی ہیروں جیسے ہی ہوں گے۔''

''ہاں! مگر تم کہاں سے آئے ہو' کہیں اور جانا ہے؟ یا بستی ہیرا ہی میں کسی کے پاس آئے ہو۔''

''نہیں! چاچا جی جانا کہیں اور تھا۔ راستہ بھٹک کر ادھر آگئے ہیں۔''

''کہاں جانا تھا؟'' اس شخص نے سوال کیا۔

''جوالہ پور۔''

''ارے کہاں جوالہ پور اور کہاں ہیرا بستی؟ ایک اتر میں تو دوسری دکن میں۔''

''بہت فاصلہ ہے یہاں سے کیا؟''

''ارے بیٹا فاصلہ تو بہت زیادہ ہے۔ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔''

''دیکھا جائے گا چاچا جی چلے جائیں گے۔''

''دیکھو ایسا کرو' میں تمہیں بتاؤں۔ بلکہ یوں کرو آؤ میرے ساتھ چلو دوپہر کا کھانا میرے گھر کھاؤ۔ اس کے بعد میں تمہیں بتاؤں گا کہ آگے تمہیں کیا کرنا ہے۔ جتنا حلیہ خراب ہو رہا اس سے پتا چلتا ہے کہ کافی فاصلہ پیدل طے کیا ہے۔''

''سو وہ تو ہے چاچا جی۔''

''آجاؤ' آجاؤ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔'' وہ آگے بڑھ گیا۔ میں نے دیپو کو اشارہ کیا اور ہم دونوں اس شخص کے ساتھ چل پڑے۔ میں نے کہا۔

''شکل وصورت سے مسلمان معلوم ہوتا ہے۔''

''ہاں' میرا بھی یہی خیال ہے۔'' دیپو بولا۔

''تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟'' دیپو نے چونک کر مجھے دیکھا پھر ہنس کر بولا۔

''تم مسلمان ہو یا ہندو؟''

''میں مسلمان ہوں۔''

''تو مجھے کوئی اعتراض ہوا۔'' میں ہنسنے لگا۔ ہم ان صاحب کے ساتھ ان کے چھوٹے سے گھر پہنچ گئے گھر کے سامنے ایک سائبان بنا ہوا تھا جہاں گھاس پھوس کا چھپر پڑا ہوا تھا۔ لکڑی کا ایک تخت بھی موجود تھا۔ جس پر کچھ بچھا ہوا تھا۔ انہوں نے کہا۔

''بیٹھو' آرام کرو میں پانی لاتا ہوں' ارے ہاں' میں نے تم لوگوں سے تمہارے نام تو پوچھے نہیں۔''

''اور ہم نے کون سا آپ سے آپ کا نام پوچھ لیا؟''

''اچھا! اچھا میرا نام عظیم خان ہے۔'' انہوں نے جواب دیا اور اس بات کی تصدیق ہوگئی کہ وہ مسلمان ہیں اور اس وقت ہمارے لیے بھی ضروری تھا۔ میں نے کہا۔

''میرا نام یوسف خان ہے اور یہ میرا دوست رحمان خان۔''

''اچھا' اچھا' بڑی خوشی ہوئی تم سے مل کر بیٹھو بیٹھو' آرام سے بیٹھو۔'' جب وہ اندر چلے گئے تو دیپو





ہنسنے لگا تھا۔

''کیوں نہ میں اپنا نام رحمان خان ہی رکھ لوں۔''

''فضول باتیں مت کرو دیپو! بہت کچھ سوچنا پڑے گا ہمیں۔'' تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک بالٹی میں پانی لے آئے لوٹا بھی ساتھ تھا۔ بہرحال ہم دونوں نے اپنے چہرے' ہاتھ اور پاؤں وغیرہ دھوئے اور وہ اندر چلے گئے تھوڑی دیر کے بعد ہمارے سامنے چائے آگئی۔ پیالوں میں لے کر آئے تھے۔ دونوں پیالے ہمارے سامنے رکھ کر عظیم خان نے کہا۔

''ناشتا میں تمہیں کرتے ہوئے دیکھ چکا ہوں پھر بھی اگر گنجائش ہو تو کچھ لے کر آؤں' چائے پی لو۔''

''نہیں خان صاحب' یہ کافی ہے۔ آپ کا بہت شکریہ!'' میں نے کہا اور عظیم خان صاحب واپس اندر چلے گئے پھر چائے کا تیسرا پیالہ لے کر وہ ہمارے پاس آبیٹھے تھے۔

''کسی خاص وجہ سے جوالہ پور جا رہے ہو؟''

''بس خان صاحب! آپ یہ سمجھیں کہ بہت لمبا سفر طے کرتے ہوئے یہاں تک آئے ہیں' کچھ کام تھا' کئی بستیوں میں رکے' اصل میں جوالہ پور کے ایک مکھیا جی ہیں ان کے لیے ایک پیغام دینا تھا ہمارے رشتہ دار نے۔ اور کہا تھا کہ ہم لوگوں کو نوکری دے دیں۔ لیکن بھٹک کر ادھر آگئے' ہم پہلے ہی سمجھ رہے تھے کہ جس راستے پر ہم جا رہے ہیں وہ جوالہ پور نہیں جاتا۔''

''بھٹک کر بھی ایسے ویسے نہیں بلکہ بڑی دور نکل آئے ہو تم لوگ۔''

''خیر' دیکھا جائے گا۔'' میں نے کہا۔

''ویسے کام کیا کرتے ہو؟''

''کچھ نہیں نکمے ہیں اور کوئی خاص کام نہیں جو بھی مل جائے۔''

''میرے کھیت ہیں' کھیتوں پر کام کرو گے۔''

''کیوں نہیں؟ کریں گے نکلے ہی تھے نوکری کی تلاش میں۔''

''ٹھیک ہے پھر ایسا کرو کہ فی الحال آرام کرو ایک آدھ دن میں تمہیں کام بتادوں گا اگر کام نہیں

جانتے تو سکھا دوں گا' کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ مگر بس میرے پاس رہنے کے لیے یہی جگہ ہے'
رات کو یار دوست اکٹھے ہو جاتے ہیں مگر تم آرام سے سو جانا ہم چوپال بدل لیں گے یہاں اور
بھی چوپالیں ہیں۔ میں بتا دوں گا' میرے مہمان آئے ہوئے ہیں۔''

''جی خان صاحب!'' دوپہر کا کھانا جب سامنے آیا تو میں نے دیپو سے کہا۔

''دیپو! میں تیرے لیے ذرا پریشان ہوں' یہ کھانا تیرے لیے ذرا مشکل رہے گا۔''

''ارے کیا بات کرتے ہو بھیا! تم سے زیادہ سنسار میں کوئی چیز ہو سکتی ہے میرے لیے۔'' دیپو
اطمینان سے کھانے میں مصروف ہو گیا تھا۔ واقعی ایک اچھا اور قابل اعتماد دوست تھا وہ۔ کھانے
سے فراغت حاصل کر لینے کے بعد میں نے کہا۔

''اب یہ ساری باتیں تو ہو گئیں۔ میں تو اس سلسلے میں تجھ سے تیری رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔''

''کیسی رائے بھیا؟'' دیپو نے کہا۔

''میرا مطلب ہے کہ ہم عظیم خان صاحب کے ہاں نوکری کرنے کے لیے نہیں نکلے ہیں اور اتنا تو
تو جانتا ہی ہے کہ میں کیسی عمدہ نوکری کر سکتا ہوں۔''

''بھیا! اس وقت تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ عظیم خان صاحب کا مل جانا ہماری خوش قسمتی ہے۔ ویسے یہ
کافی دور دراز کی بستی ہے اور اس بستی میں میرا خیال ہے اگر ہم تھوڑا سا بھیس بدل کر قیام کر لیں تو
بڑی اچھی بات ہو گی تھوڑا عرصہ گزار لیتے ہیں اور اس کے بعد واپس اپنے گھر چلیں گے میں
افسردہ انداز میں گردن ہلانے لگا پھر میں نے کہا۔'' دیپو! ایک مشورہ دیتا ہوں۔ اور اب تک تو
خیر جو کچھ ہوا ہے وہ ہوا ہی ہے لیکن جو مشورہ میں دے رہا ہوں اسے مان لینا۔''

''کہو بھیا۔''

''یہاں تو تو میرے ساتھ آ گیا ہے اور خاصا فاصلہ طے کر لیا ہے تو نے۔ لیکن دیپو! تو واپس چلا جا'
ہاں' تیری واپسی ضروری ہے' پتا نہیں کیوں؟''

''بتاؤ بھیا! اگر کوئی بات من میں ہے تو؟''

''دیکھ! یہ تو جانتا ہی ہے کہ میں تیرے لیے بھٹک سکتا ہوں' مجھے کوئی دقت نہیں ہو گی لیکن بہرحال
میرا گھر ہے' ماں باپ ہیں اور میں ان کا اکلوتا بیٹا ہوں۔ بہنوں کی فوج میں اکیلا بھائی۔ اس کا
مجھے پتا ہے کہ ابراہیم باگا میرے لیے کس طرح بے چین ہو جائیں گے۔ عارضی طور پر تو یہ جو کچھ
ہوا ہے وہ واقعی ایک پریشان کن مرحلہ ہے لیکن مستقل طور پر وہ لوگ مجھ سے دور نہیں رہ پائیں
گے۔ ایسے لمحات میں تو ہے جو وہاں کی صورت حال سے آگاہ کر سکتا ہے۔ میں تجھ سے ایک بات
کہوں' یہ عظیم خان صاحب جو ہیں نا جیسے بھی آدمی ہیں اگر مجھے کھیتوں میں کہیں گے تو میں کروں
گا' آج کیا تاریخ ہے؟ تجھے پتا ہے؟''

''چاند کی دس تاریخ ہے۔'' دیپو نے جواب دیا۔

''اگلے چاند کی دس تاریخ کو میں اس بستی کے باہر والی اس جگہ جہاں ہماری ملاقات عظیم خان
صاحب سے ہوئی ہے تیرا انتظار کروں گا' تو واپس جا' بستی کے حالات دیکھ' جیسی بھی صورت
حال ہو مجھے اس کے بارے میں واپس آ کر بتا۔ اگر میرے لیے وہاں واقعی کوئی گنجائش باقی نہیں
رہی ہے تو پھر ہم دیکھیں گے کہ آگے ہمیں کیا کرنا ہے؟ اور اگر تو یہ محسوس کرے کہ کوئی بات بن
رہی ہے اور میری واپسی میں کوئی حرج نہیں ہے تو آ کر مجھے بتا دینا پھر فیصلہ کریں گے کہ آگے کیا
کرنا ہے۔''

دیپو پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا پھر بولا۔

''اب بات تم نے ایسی کہہ دی ہے بھیا کہ میں سمجھتا ہوں کہ مجھے ماننی ہی پڑے گی' واقعی سچ کہہ
رہے ہو۔ تھوڑے دن تک تو یہ غصہ رہے گا اور اس کے بعد یہ معاملہ ٹھیک ہو جائے گا' تم ٹھیک کہہ
رہے ہو۔''

''تو پھر ایسا کر رات کو نکل جانا' خاموشی کے ساتھ اور دیکھ لے سفر کرنے کے لیے کیا کر سکتا ہے۔''

''گھوڑی کھول لیں گے کسی کی اور چوری چکاری تو ہمارا کام ہی رہا ہے۔ ویسے ایک بات کا خاص
طور پر خیال رکھنا بھیا۔''

''کیا؟''

''ہو سکتا ہے زمیندار صاحب کے آدمی تو یہاں نہ پہنچ سکیں لیکن کرن سنگھ کے آدمیوں سے ہوشیار

رہنا آخر مجھے یہ بات معلوم ہے کہ کرن سنگھ کے بھیدی جگہ جگہ پھیلے ہوئے ہیں کسی بھی بستی میں آدمی اس کے لیے بھیدی کا کام کرسکتا ہے' سمجھتے ہونا' یہ بھیدی ہی خبریں دیتے ہیں کہ کس کے گھر کتنا مال ہے؟ کیا ہے یہ کہاں پولیس کرن سنگھ کے خلاف کوئی کارروائی کررہی ہے ویسے ایک بات بتاؤں کرن سنگھ بڑا تنگ کرے گا۔ اگر اور کچھ نہ ہوتا تو ہم اس کے پاس چلے چلتے۔''

''نہیں یار! کیا بے وقوفی کی باتیں کرتا ہے کیا میں ایک ڈاکو کی حیثیت سے اپنے آپ کو روشناس کراؤں گا۔'' میں نے جھنجلاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''نہیں، میرا مطلب یہ نہیں تھا بھیا۔''

''سن دیپو! میں جو کہہ رہا ہوں وہی مناسب ہے اور میرے خیال میں تجھے وہی کرنا چاہیے۔ ہم اپنے لیے آخر کار کوئی نہ کوئی راستہ تو منتخب کریں گے نا۔''

''ٹھیک ہے بھیا! تمہارا حکم سر آنکھوں پر' جس طرح کہہ رہے ہو ویسے ہی کروں گا۔''

''بس تو رات کو نکل جا یہاں سے۔''

''لیکن عظیم خان صاحب سے تم کیا کہو گے؟''

''وہ میں کہہ لوں گا۔ اس کی تو فکر نہ کر۔'' میں نے کہا اور دیپو گردن ہلا کر خاموش ہوگیا' میں اس کے چہرے پر پھیلے ہوئے تاثرات سے اس کی اندرونی کیفیت کا اندازہ لگا چکا تھا لیکن میں نے بھی کچھ سوچ سمجھ کر یہ کہا تھا درحقیقت اس ماحول میں واپسی میرا مقصد نہیں تھی۔ بس میں تنہا رہ کر کچھ سوچنا چاہتا تھا۔ دیپو مجھے بہت سے مشورے دے گا میں ان مشوروں سے بچنا چاہتا تھا۔ اس نے اب تک جو کچھ بھی کہا تھا محبت سے کہا تھا لیکن مجھے اس بات کا اندازہ تھا کہ دنیا بہت بڑی ہے اور اس دنیا کو تنہا دیکھنے کا مزا کچھ اور ہی ہے وہاں ابراہیم باگا صاحب کے شاندار احکامات کے ساتھ زندگی گزارنا پڑتی تھی اور یہاں اپنے طور پر میں اپنی پسند کی زندگی گزار سکتا تھا۔ جس کی مجھے دلی خواہش تھی۔ جہاں تک معاملہ کرن سنگھ کا تھا' میں ایک ڈاکو کی حیثیت سے ہر لحہ زندگی کا خطرہ مول لینے پر کیوں غور کرتا۔ میری طبیعت میں ایک ضد تھی' جس کام کے بارے میں سوچ لیتا اسے کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دیتا اور پھر اب تک جس انداز میں زندگی گزاری تھی ظاہر ہے اس زندگی میں تبدیلی میرے لیے ممکن نہیں تھی لیکن تھوڑی سی سانس تو لے لی جائے ایک طرف کرن سنگھ میری تاک میں تھا تو دوسری طرف قبلہ والد صاحب جذباتی ہو گئے تھے حالانکہ زندگی میں پہلا نیک کام کیا تھا اور رقیہ کی آہ وزاری نے آخر کار مجبور کر دیا تھا کہ اس کی آبرو کو محفوظ رکھوں اور نیک کام کا یہ صلہ ملا تھا مجھے اور رات کے کوئی دس بجے ہوں گے آبادی میں اندھیرا پھیل گیا تھا۔ بستی کے لوگ جلدی سو جانے کے عادی تھے چنانچہ وہ آرام سے سو گئے اور خود عظیم خان صاحب جنہوں نے کہا تھا کہ راتوں کو چوپالیں جمتی ہیں میرے سامنے ہی اپنے گھر میں داخل ہوئے تھے۔ ظاہری بات ہے کہ وہ بھی سونے چلے گئے تھے۔ دیپو روانگی کے لیے تیار ہوگیا۔ میں اسے بستی کے آخری سرے تک چھوڑنے آیا تھا اور راستے ہی میں میں نے ایک گھوڑا تاک لیا تھا۔ چنانچہ دیپو نے وہ گھوڑا کھول لیا۔ میں نے کھانے پینے کی کچھ اشیاء اس کے ساتھ کر دی تھیں اور اسے ہدایات دے دی تھیں۔ نہ جانے کیوں مجھے یہ احساس ہو رہا تھا کہ زندگی کی کہانی میں کوئی بہت بڑی تبدیلی رونما ہونے والی ہے۔ دیپو گھوڑے پر بیٹھا مجھے اپنا خیال رکھنے کی ہدایت کی اور اس کے بعد اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہوگیا تو میں نے دور دور تک پھیلے ہوئے ماحول پر نگاہیں دوڑائیں۔ بستی سے کوئی خاص واقفیت نہیں تھی میری۔ خان صاحب مل گئے تھے ان کے ساتھ جو تھوڑا بہت وقت واقعی گزار سکتا تھا۔ دیپو کے بارے میں وہ مجھ سے سوال کریں گے کہ وہ کہاں گم ہوگیا؟ تو کوئی مناسب جواب دوں گا۔ تسلیم کریں یا نہ کریں۔ موسم بے حد خوشگوار تھا۔ آسمان پر مدھم مدھم ستارے ٹمٹمار ہے تھے۔ ہوا میں ایک عجیب سی خوشگوار کیفیت رچی ہوئی تھی۔ تاحد نظر پھیلی ہوئی خاموشی میں بہت فاصلے پر غالباً کوئی عمارت تھی۔ اس میں ایک مدھم سا چراغ جل رہا تھا۔ اس عمارت کا فاصلہ اچھا خاصا تھا۔ میرے داہنی سمت کھیت پھیلے ہوئے تھے اور بائیں سمت پتھریلی چٹانیں تھیں جو بڑی صاف و شفاف اور غالباً ماربل کی چٹانیں تھیں اس وقت طبیعت پر ایک عجیب حجاب انگیز کیفیت طاری تھی۔ میں رفتہ رفتہ ان چٹانوں کی جانب بڑھ گیا۔ بعض چٹانیں اتنی صاف ستھری تھیں جیسے کسی نے ان پر باقاعدہ پالش کی ہو۔ میں نے ایک چٹان پر ہاتھ رکھ کر دیکھا تو ایک انتہائی خوشگوار

ٹھنڈک کا احساس ہوا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عظیم خان صاحب کے گھر کے اس برآمدے میں بچھے ہوئے تخت پر بھی بہترین نیند آسکتی تھی۔ لیکن اس وقت دل کے اندر کچھ بحران سا تھا۔ میں اس چٹان پر لیٹ گیا اور اپنا رخسار اس کی ٹھنڈی اور شفاف سطح پر رکھ دیا۔ بہت دیر تک میں اس انداز میں لیٹا رہا۔ پورے وجود کو ایک عجیب سکون کا احساس ہوا تھا۔ میں تھوڑی دیر تک اسی طرح لیٹا رہا پھر چت لیٹ کر ہاتھ پھیلا دیے اور آسمان میں ٹکے ہوئے ستاروں کو گھورنے لگا۔ یوں محسوس ہوا جیسے یہ ستارے نہیں بلکہ میرے ماضی کی تحریریں ہیں۔ ہر چمکنے والا نکتہ لفظوں کی شکل میں تھا۔ کس طرح بچپن گزرا اور پھر کیسے جوانی آئی اور اس کے بعد زندگی نے کیا کیا رنگ اپنائے' گناہ و ثواب کا تو کبھی کوئی خیال ہی دل میں نہیں آیا تھا۔ برے دوستوں کی صحبت رہی تھی اور ان برائیوں میں بہت سے ایسے واقعات تھے جنہیں اگر ضمیر کی نگاہ سے دیکھا جائے تو ضمیر پر داغوں کی شکل میں تحریریں نظر آئیں۔ ان ہی میں رقیہ کا واقعہ بھی تھا۔ معصوم سی لڑکی جس انداز میں مجھ سے پیش آئی تھی اس سے مجھے یہ احساس ہوا تھا کہ میری محبت کے جال میں گرفتار ہو گئی ہے۔ لیکن اس کے سینے میں کچھ اور ہی جذبے پل رہے تھے۔ ان جذبوں کے لیے میری اپنی بہنیں ہی کافی تھیں جن سے سچ معنوں میں میرا کوئی رابطہ ہی نہیں تھا بلکہ زنان خانوں میں شاید میری بہنیں اس بات کو ترستی ہی رہتی ہوں گی کہ ان کا بھائی کبھی ان سے محبت سے گفتگو کرے۔ میں نے کبھی ان کی جانب توجہ نہیں دی تھی اور اپنی ہی رنگ رلیوں میں مصروف تھا۔ پھر بھلا رقیہ کے لیے میرے دل میں یہ تصور کیسے پیدا ہوتا۔ لیکن بہرحال اس نے اپنی طاقت سے یا پھر اپنی پاکیزگی کی طاقت سے مجھ جیسے شیطانی فطرت کے انسان کو زیر کر لیا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ نیکی کا پہلا کام ہی مجھے راس نہیں آیا تھا۔ میرے منہ سے آہستہ سے آواز نکلی۔

''دھت تیرے کی! اگر پہلی نیکی کوئی پھل دے دیتی تو شاید برائیوں کا یہ سفر کچھ کم ہو جاتا۔ بہت دیر تک میں اسی طرح لیٹا رہا اور نہ جانے کیا کیا سوچتا رہا۔ دور نظر آنے والا چراغ جگنو کی طرح چمک رہا تھا۔ تاحد نظر ایک پراسرار سناٹا چھایا ہوا تھا۔ پھر اچانک ہی مجھے ایک ہلکی سی آواز سنائی دی۔ یہ انسانی آواز تھی جیسے کسی نے کروٹ بدلی ہو۔ میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اپنی سماعت پر مجھے پورا پورا یقین تھا اور میں جانتا تھا کہ یہ کوئی وہم نہیں ہے لیکن یہ انسانی آواز کہاں سے آئی۔ میں اٹھ کر چٹان پر کھڑا ہو گیا اور اس کے بعد میں نے چٹان ہی کے ایک حصے میں ایک انسانی جسم کو دیکھا مجھے حیرت ہوئی تھی یہ کون ہے یہاں کیا کر رہا ہے؟ ہو سکتا ہے بستی ہی کا کوئی آدمی ہو۔ نیچے اترا اور اس کے پاس پہنچ گیا۔ آنکھیں کیونکہ اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہو چکی تھیں چنانچہ میں نے اسے غور سے دیکھا ایک بوڑھا آدمی تھا۔ غالباً کوئی فقیر نچلے جسم معذور اس کی ٹانگیں بالکل پتلی پتلی تھیں۔ اوپری جسم پر ایک قمیض جیسی چیز موجود تھی۔ لمبی داڑھی سر کے بال بکھرے ہوئے۔ چہرے سے کافی بدنما نظر آتا تھا۔ اس وقت جاگ رہا تھا اور یہ کراہ اسی کے حلق سے نکلی تھی۔ میں اسے نظرانداز کر کے واپس بستی کی طرف جانے کا ارادہ کرنے لگا تو اس کی آواز مجھے سنائی دی۔

''انسانیت کے نام پر انسان کی کچھ مدد کر سکتے ہو بیٹے؟'' آواز اتنی نرم اور لہجہ اتنا شگفتہ تھا کہ میرے قدم رک گئے۔ آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور اس شخص کے پاس پہنچ گیا۔ عمر رسیدہ شخص نے مجھے غور سے دیکھا اس کے پورے چہرے پر بال ہی بال تھے لیکن آنکھیں تیز روشن اور چمکدار تھیں۔ باقی جسم بھی بس جسم ہی کہا جا سکتا تھا۔

''کون ہو تم اور یہاں کیا کر رہے ہو؟''

''دکھوں کا مارا ہوں اور وہ جو تمہیں چراغ نظر آ رہا ہے وہ ایک ٹوٹی سی عمارت ہے وہیں رہتا ہوں' وہی میرا گھر ہے۔ دو جوان بیٹیوں کا باپ ہوں' اور بھیک مانگ کر گزارہ کرتا ہوں۔ نہ جانے کس طرح گھسٹتا ہوا بستی تک آیا تھا اور کچھ پیسے جمع کیے تھے لیکن واپسی کا سفر پورا نہیں کر سکا۔ اپنی ان معذور ٹانگوں سے چل نہیں سکتا۔ بس یہ ہاتھ ہی میری زندگی کا سہارا ہیں۔ یہیں تک پہنچا تھا ہمت جواب دے گئی۔ جیب میں ریزگاری بھری ہوئی ہے۔ لوگ رحم کھا کر کچھ نہ کچھ دے دیتے ہیں لیکن بس زندگی کے بوجھ کو گھسیٹتے ہوئے کبھی کبھی تھکن ہو جاتی ہے۔ یہیں پڑا رہا تھا اب ہمت نہیں تھی کہ آگے بڑھوں۔ کیا تم میری کچھ مدد کر سکتے ہو؟''

''کیا مدد چاہتے ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''وہاں تک پہنچا دو' تمہاری بڑی مہربانی ہوگی۔ میں واقعی اب وہاں تک نہیں جاسکتا' میری بیٹیاں میرا انتظار کررہی ہوں گی۔ تنہا رہتی ہیں جوانی کی عمر ہے۔ مجھے ڈر ہی لگا رہتا ہے ان کے بارے میں۔ مگر کیا کروں' کوئی ڈھنگ کا لڑکا ہے جو دولت کی تلاش میں نہ ہو' ورنہ ایک ایک کرکے دونوں کے ہاتھ پیلے کردوں۔ شکل وصورت کی اتنی اچھی ہیں' پر تقدیر کی اچھی نہیں ہیں۔ میرے ذہن میں ایک سنسنی سی پیدا ہوگئی۔ دونوں جوان لڑکیاں اور معذور بوڑھا' بس شیطان ذہن میں اترنے لگا اور میرے اندر کی وہ حیوانی فطرت جاگ اٹھی جس نے آج تک مجھ سے گناہ پر گناہ کرائے تھے۔ میں چند لمحے خاموش رہا اور اس کے بعد میں نے بوڑھے سے کہا۔

وہاں ان لڑکیوں کے ساتھ کوئی نہیں ہے' میرا مطلب ہے تمہارے وہاں نہ پہنچنے پر کسی کو تشویش میں ہوتی ہوگی اور کسی نے تمہاری تلاش کی کوشش نہیں کی ہوگی۔''

''کہا نا بیٹے! صرف دو جوان بیٹیاں ہیں۔ ایک کی عمر انیس سال ہے دوسری کی ۲۱ سال اور بس ماں تو اس وقت ہی انہیں چھوڑ کر مرگئی تھی جب وہ بہت چھوٹی تھیں۔ میں نے ہی انہیں پالا ہے اور اس وقت میری ٹانگیں معذور نہیں تھیں۔ بعد میں مجھ پر فالج کا حملہ ہوا اور میرا نچلا جسم مفلوج ہوگیا۔ آہستہ آہستہ ٹانگیں سوکھتی چلی گئیں مگر زندگی بڑی عجیب چیز ہوتی ہے کبھی اپنے لیے جینا پڑتا ہے کبھی دوسروں کے لیے۔ زندگی کے اس بوجھ کو اپنی بچیوں کے لیے گھسیٹ رہا ہوں۔ آہ! اب تھکتا جارہا ہوں۔ کاش! مجھے سہارا مل جائے۔''

میرے ہونٹوں پر ایک شیطانی مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے کہا۔

''مگر یہ بتاؤ میں تمہیں لے کیسے چلوں؟''

''میں بس کیا بتاؤں؟ تمہیں کندھے پر بٹھا کر ہی لے جانا پڑے گا' بشرطیکہ تم یہ پسند کرو۔''

''ٹھیک ہے' آؤ میں تمہیں لیے چلتا ہوں۔'' میں نے مکاری سے کہا اور اس کے بعد جھک کر بوڑھے کے پاس بیٹھ گیا۔ میں نے اسے پشت پر لادا' بوڑھے نے میری گردن میں بانہیں ڈال دی تھیں۔ بے چارہ بالکل ہی بے وزن سا تھا۔ اس نے اپنے معذور پاؤں میرے جسم کے گرد لپیٹ دیے اور اس کے بعد میں اسے لے کر چل پڑا۔ بہت عجیب سا لگ رہا تھا اور یہ سب کچھ میری فطرت کے خلاف تھا۔ بھلا انسانی ہمدردی اور انسان سے محبت کا میرے وجود سے کیا تعلق؟ میرے دل میں تو ایک لالچ تھا' اس بوڑھے کی گردن دبانے میں مجھے کیا دقت ہوسکتی تھی اور اس کے بعد وہ ویران جگہ بستی سے بہت دور تھی۔ لڑکیوں نے اگر تعاون نہ کیا تو ان کی چیخیں تک بستی میں نہیں پہنچ پائیں گی۔ ویسے حیرت کی بات تھی کہ بستی والوں نے اس بوڑھے کی کوئی مدد نہیں کی تھی۔ ظاہر ہے بوڑھا بستی میں بھیک مانگنے آیا تھا اس کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات تو بستی نے کی ہی۔ کیا اس بستی کے لوگ اس قدر سنگ دل ہیں کہ انہیں دو نوجوان لڑکیوں اور بوڑھے فقیر پر کوئی ترس نہیں آیا۔ اور کچھ نہ کرتے تو اسے یہاں آس پاس میں رہنے کی جگہ ہی دے دیتے۔ یہ کوئی اتنی بڑی بات تو نہ تھی۔ یہ تمام باتیں سوچتا ہوا میں اس بے وزن بوڑھے کو لیے ہوئے ان کھنڈرات کی جانب جارہا تھا جو رات کی تاریکی میں ڈوبے ہوئے بہت پراسرار نظر آرہے تھے۔ وہاں رہائش بھی غالباً اس بوڑھے نے اسی لیے رکھی ہوگی کہ ویسے واقعی بہت عجیب بات تھی۔ آخری راتوں کا چاند ابھی بادلوں میں چھپا ہوا تھا اور ستاروں کی مدہم روشنی میں' میں راستے کو دیکھتا ہوا آگے بڑھتا چلا جارہا تھا۔ میرے ذہن میں شیطانی خیالات تھے۔ دونو جوان لڑکیاں میرے تھکے ہوئے وجود کو سکون بخش سکتی تھیں۔ نہ جانے کیسے نقوش ہوں گے ان کے۔ بس یہ احساس مجھ سے یہ مشقت کرارہا تھا۔ فاصلے کم ہوتے چلے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد میں اس ٹوٹے کھنڈر کے اندر داخل ہوگیا۔ بڑا بھیانک اور عجیب ماحول تھا یہاں کا۔ چاروں طرف مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ میں نے بوڑھے سے کہا۔

''یہاں تو کوئی نظر نہیں آتا؟''

''وہ آگے دیکھو سیڑھیاں ہیں' ان سے اوپر چبوترہ ہے اور وہ ایک در نظر آرہا ہے تجھے' اسی کے ساتھ اوپر ہی تو چراغ جل رہا ہے وہیں چلنا ہے۔ زندگی میں خوف ودہشت نام کی کسی چیز سے آشنا نہیں تھا۔ لیکن نہ جانے کیوں اس وقت بدن میں سرد لہریں سی دوڑتی ہوئی محسوس ہورہی تھیں۔ بوڑھے کی ہدایت کے مطابق اوپر پہنچا اور پھر اس در سے اندر داخل ہوگیا ایک طاق میں غالباً مٹی کے تیل کا دیا جل رہا تھا اور یہی دیا دور سے نظر آرہا تھا۔ یہاں پہنچنے کے بعد میں نے

چاروں طرف دیکھا تو کوئی خاص چیز یہاں نہیں تھی ایک طرف پانی کا ایک گھڑا' دوسری طرف اینٹوں کا بنا ہوا چولہا جس میں راکھ نظر آ رہی تھی۔ قریب ہی دو تین ٹین کے ڈبے پڑے ہوئے تھے۔ میں نے اندر آنے کے بعد بولا۔

''یہاں تو کوئی بھی نظر نہیں آ رہا' کہاں ہیں تمہاری بیٹیاں؟ انہیں آواز دو۔''

''بیٹیاں اور میری' ارے پاگل ہوا ہے کیا' یہاں میرے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ ایک تھا اب دو ہو گئے۔ لیکن دو بھی ایک ہی ہوں گے' کیا سمجھا؟''

''کیا مطلب؟'' مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

''کیا کہنا چاہتے ہو تم؟''

''بیٹا! تو میرے لیے نئی زندگی کی خبر لے کر آیا ہے' نیا جیون ملا ہے مجھے تجھ سے۔ یہیں بیٹھ جا' میں تجھے اپنی کہانی سناؤں گا۔''

''ٹھیک ہے' تم اترو میرے اوپر سے۔'' میں اس طرح بیٹھا کہ بوڑھا میرے بدن سے اتر جائے لیکن اچانک ہی بوڑھے کے حلق سے ایک قہقہہ نکلا' وہ ہنستا ہوا بولا۔

''پاپی! کتنے پاپ کیے ہیں تو نے؟ کیا مجھ میں اور تجھ میں کوئی فرق رہ گیا ہے' اب تو میرا تیرا جیون مدت کا ساتھ ہے' بھلا میں تیری پیٹھ سے اتر کر کہاں جاؤں گا۔''

''کیا مطلب؟'' میں حیرت سے اچھل پڑا۔

''نام کیا ہے تیرا؟''

''تمہیں میرے نام سے کیا غرض' اترو میری پشت پر سے۔'' میں نے اپنی گردن میں لپٹے اس کے دونوں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے۔ لیکن درحقیقت مجھے یوں محسوس ہوا جیسے دو سانپ میری گردن سے لپٹے ہوئے ہوں' بوڑھے کی کلائیوں میں تو ہڈی ہی نہیں تھی اور اس کا لجلجا بدن بس یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کینچوے ہوتے ہیں ربڑ کی طرح کھینچنے والے اور۔۔۔ اور میں اس کیفیت کو کوئی تشبیہ نہیں دے سکا تھا۔ میں نے ان ہاتھوں کو اپنے جسم سے جدا کرنے کی کوشش کی تو وہ کھنچ کر لمبے ہو گئے اور چھوڑے تو بدستور میری گردن سے لپٹنے لگے' پھر مجھے اس کے پیروں کا بھی



احساس ہوا اس وقت سچی بات یہ ہے کہ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ بوڑھے کی ٹانگیں سوکھے ہوئے بے جان چھچھڑوں کی طرح تھیں اور بظاہر ان میں کوئی جان نہیں تھی لیکن اب وہ میرے پیٹ سے لپٹ گئی تھیں اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ بھی دو لمبے سانپوں کی مانند ہوں۔ ہاتھوں کو چھوڑ کر میں نے ان ٹانگون کی گرفت ڈھیلی کرنے میں قوت صرف کی لیکن وہی کیفیت ان ٹانگوں کی تھی اپنے بدن کی پوری قوت صرف کر کے بھی میں ان ٹانگوں کو اپنے بدن سے نہیں ہٹا سکا۔ البتہ ٹانگوں کی گرفت سخت ہو گئی تھی اور مجھے سخت تکلیف ہو رہی تھی میں نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''کیا تم مجھے دھوکا دے کر یہاں تک لائے ہو؟'' اگر تم نے ایسا کیا ہے تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

جواب میں بوڑھے کی بھیانک ہنسی سنائی دی۔ اس نے کہا۔

''تجھ سے جو کچھ کیا جا رہا ہے تو کر لے' جب تھک جائے تو مجھے بتا دینا۔'' اس کے بعد بیٹھ کر پریم کی باتیں کریں گے۔'' بوڑھے کی آواز میں اتنا سکون تھا کہ میرا سارا وجود لرزنے لگا۔ اس کے ہاتھ اور پاؤں مجھے اپنے آپ سے لپٹے ہوئے تھے۔ پشت پر بس ہلکے سے وزن کا احساس تھا۔ لیکن آج یوں لگ رہا تھا جیسے اس کم بخت کے بدن میں پسلیاں بھی نہ ہوں۔ بالکل ربڑ کی طرح۔ مگر ربڑ بھی اتنی گھناؤنی نہیں ہوتی' آہ! کیا ہے یہ سب کیا ہے؟ وہ جونک کی طرح مجھ سے لپٹ گیا تھا۔ کافی کوشش کرنے کے باوجود میں اسے نیچے پھینکنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ میرا سانس پھول گیا تھا اور آنکھیں حلقوں سے ابلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں وہ بڑے اطمینان سے میری پیٹھ پر تھا۔ جب میں تھک گیا تو اس نے آہستہ سے کہا۔

''اور کوشش کر لے اور کوشش کر لے' جب تیرا دم آخری وقت پر آ جائے تو مجھے بتا دینا۔ مان لینا میری بات۔''

''مم۔۔۔ مگر۔۔۔ تت۔۔۔ تم کون ہو؟ اور یہ کیا حرکت ہے' میں نے تو صرف انسانی ہمدردی کی بنیاد پر۔۔۔''

''جھوٹے سے جھوٹ بول رہا ہے۔ تو نے انسانی ہمدردی کی بنیاد پر نہیں بلکہ اپنے آپ سے ہمدردی کی بنیاد پر مجھے یہاں تک لانے کی کوشش کی ہے۔ دیکھ لڑکے! اس سنسار میں کچھ دو کچھ لو کی بات چلتی ہے اور تیرے ساتھ بھی وہی شروع ہو گیا ہے۔ تو کون ہے' کیا ہے؟ یہ ساری باتیں تو ہم بعد کر لیں گے' لیکن ایک بات ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ کسی مسلمان کا بیٹا ہے' نام بتا دے اپنا' تاکہ تجھے ہم اسی نام سے مخاطب کریں۔''

''پہلے تو میرے جسم پر سے اتر جا۔''

''وہ ہی تو نہیں ہو سکتا۔ ارے ہمیں بھی کسی نے اس حال تک پہنچایا ہے۔ تیرا ہی کوئی دادا' تایا' ماما ہو گا۔ اب بھلا اتنی آسانی سے ہم کیسے یہ کام کر سکتے ہیں؟ تو ہی ہماری وہ ساری مصیبتیں دور کرے گا جو ہم پر سوار ہو گئی ہیں۔''

''میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا' تو نہیں جانتا میں پاگل آدمی ہوں۔ میری زندگی جائے گی لیکن تیری زندگی بھی نہیں بچ سکے گی۔''

میں اچانک ہی بہت زور سے اچھلا اور پیٹھ کے بل نیچے گرا۔ میری پیٹھ میں کوئی چوٹ نہیں لگی تھی اس کی وجہ بوڑھے کا ربڑ جیسا بدن تھا۔ پھر میں اسے بری طرح زمین سے رگڑنے لگا میں نے ہر ممکن کوشش کر لی۔ لیکن بڈھا اطمینان سے میری پیٹھ سے چپکا رہا تھا۔ یہاں تک کہ میرے بدن کا جوڑ جوڑ دکھنے لگا۔ اور آخر کار میں تھک گیا۔ بوڑھے کی ہنستی ہوئی آواز سنائی دی۔

''اور کوشش کر اور کوشش کر۔ مجھے بھی مزہ آرہا ہے۔ جب کوشش سے تھک جائے تو بیٹھ کر مجھ سے بات کرنا۔'' میرے بدن کے سارے مسامات نے پسینہ اگلنا شروع کر دیا تھا۔ یہ وحشت خیز لمحات مجھے زندگی میں کبھی نصیب نہیں ہوئے تھے۔ بالکل ہی انوکھی بات تھی یہ میرے لیے۔ اتنی انوکھی کہ تصور میں بھی نہیں آتی تھی۔ بہرحال! اب میں اس سے خوفزدہ ہو گیا تھا۔ بوڑھے کی مریل ٹانگیں' اور ہاتھ اب بھی سانپ کی طرح میرے جسم سے لپٹے ہوئے تھے۔ اس نے کہا۔

''دیکھ پاگل! اپنی جان کو تکلیف دے رہا ہے اگر میں چاہوں تو اپنے ہاتھوں کی یہ گرہ سخت کر کے تیری گردن دبا کر تجھے ماردوں مگر تجھے مارنے کے لیے نہیں اپنایا ہے میں نے' میں تیرے وجود





میں داخل ہو جاؤں گا۔ اگر تو سنسار کے سامنے جائے تو کوئی بھی تجھے دیکھ کر یہ نہیں کہہ سکے گا کہ تیرے بدن پر میں سوار ہوں۔ یہی تو مزے کی بات اور اب اسی طرح میرے اور تیرے بیچ دوستی چلے گی۔ ابھی تو کچھ بھی کر لے۔ جو تیری کوشش ہو سکتی ہے وہ کر لے۔ لیکن! اگر میری بات پر تو خاموشی سے بیٹھ گیا تو میں تجھے بتاؤں گا اپنے بارے میں۔ تو مجھے اپنے بارے میں بتانا۔ اور پھر میری اور تیری دوستی چلے گی۔ دیکھ ایک بات سن! اتنا اندازہ تو تو نے لگا لیا کہ اب تو مجھ سے بچنے کی ہر کوشش میں ناکام رہے گا۔ کہیں! جیون میں اگر کچھ عیش چاہتا ہے تو میرے ساتھ رہ اور مجھ سے تعاون کر۔ ورنہ یہاں تک پہنچنے کے بعد میں بھی تجھے جیتا چھوڑنا پسند نہیں کروں گا۔ کیونکہ اس طرح میری کہانی دوسروں کی زبان تک پہنچ جائے گی۔ اور میں نہیں چاہتا کہ اور کوئی کان میری کہانی سنیں جو کچھ ہے میرے اور تیرے بیچ رہے۔ ایسا کر! پہلے اس بات سے سمجھوتہ کر لے۔ اس کے بعد ہم آگے کی باتیں کریں گے۔'' زندگی میں ویسے تو بہت سے واقعات میرے ساتھ پیش آئے تھے۔ جو عجیب و غریب نوعیت کے حامل تھے۔ لیکن اس وقت جو چوٹ ہوئی تھی وہ درحقیقت میری زندگی کا سب سے بڑا واقعہ تھا۔ حالانکہ اپنی فطرت کے مطابق میں کسی ایسے شخص کو معاف نہیں کرتا تھا جو میرے لیے کسی طرح مشکل کا باعث بنا ہو۔ مزاج میں ہی یہ بات نہیں تھی۔ لیکن اس وقت مصیبت یہ تھی کہ یہ کمینہ بوڑھا جس نے مجھے دھوکہ دیا تھا اور میری پشت پر یہاں تک کا سفر کیا تھا۔ اس طرح مجھ سے چمٹ گیا تھا۔ کہ میری ہر کوشش اسے اپنے آپ سے جدا کرنے میں ناکام رہی تھی۔ اس سلسلے میں درحقیقت اب میرے اندر وہ کیفیت ابھر آئی تھی جو کسی بے بس انسان کے اندر ابھر آتی ہے البتہ دماغ کی تیزی اپنی جگہ برقرار تھی۔ میں نے سوچا کہ بوڑھے شیطان کے ساتھ تعاون کرنا ہی زیادہ مناسب ہے۔ اور اس کے بعد میں نے اس سے کہا۔

''بوڑھے شخص! تو جو کوئی بھی ہے بڑا شاطر' اور بڑا چالاک اور بڑا کمینہ فطرت ہے۔ تو نے مجھے دھوکہ سے یہاں تک لانے کا عمل کیا ہے اور اس کے بعد مجھ پر اس طرح اپنا تسلط جما لیا ہے میں تجھ کو اپنے آپ پر سے اتارنے میں ناکام رہا۔ اصل میں میری ایک فطرت ہے وہ یہ ہے کہ اگر

کسی کام میں ناکام رہوں اور وہ کام کسی اور کے ذریعے مکمل ہو جائے تو اپنی شکست تسلیم کر لیتا ہوں۔ لیکن! یہ بات میں تجھے بتائے دے رہا ہوں کہ شکست تسلیم کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ میں تیرے ہر حکم کی تعمیل کروں۔''

''ارے باؤلے! کچھ سوچ ذرا اپنی ٹھنڈی عقل سے سوچ' دیکھ! برے کو برا مل جاتا ہے' بزرگ اور سیانے یہی کہتے چلے آئے ہیں کہ نیکوں کو نیک اور بروں کو برا ساتھی ملتا ہے۔ چھوڑ پرانی باتیں! برائی کو اگر برائی سمجھا جائے تو منش برائی کیوں کرے۔ سنسار میں جو کچھ ہو رہا ہے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تو میں تجھے دکھا دوں گا' ارے ہم تو کالے علم کے ذریعے کالی باتیں کرتے ہیں لیکن' وہ تو اپنے آپ کو کالا بھی نہیں کہتے جو ہزاروں گھروں پر کالک پھیر دیتے ہیں' خیر' دنیا کی بات کیوں کریں اپنی بات کر' میں بھی جانتا ہوں' تو بھی جانتا ہے کہ اگر میں تجھے دو جوان بیٹیوں کا لالچ نہ دیتا تو تو مجھے اپنے کندھے پر بٹھا کر یہاں نہ لاتا' دیکھ' دین دھرم تیرا جو کچھ بھی ہے وہ تو جانے اور تیرا کام لیکن' مجھے یہ بتا کہ کیا ایسا نہیں ہے' ہم جو برے آدمی سچ بولنا چاہتے ہیں' بول کیا میں سچ نہیں کہہ رہا۔''

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے کہا۔

''تو واقعی شیطان کی اولاد ہے' حالانکہ ایک بزرگ کی حیثیت سے مجھے تجھ پر بہت ترس آیا تھا لیکن خیر' اس بات کو میں بھی تسلیم کرتا ہوں کہ دو جوان لڑکیوں کا لالچ میری نیک نیتی پر حاوی تھا' کیا سمجھا؟''

''خیر' اگر ایسی ہی بات تھی تو بھی کوئی حرج نہیں ہے' میری کون سی ایسی بیٹیاں ہیں جن کے لیے مجھے شرم آئے' ہاں ایک بات سمجھ لے' میرا اگر ساتھ دے تو سنسار میں مجھے ایسی شکتی دوں گا کہ تیری ہر خواہش پوری ہو جائے گی' تیری نگاہیں دھرتی میں چھپے ہوئے خزانے دیکھ سکیں گی۔ تیری دی ہوئی مٹی کی چٹکی ہر مرض کی دوا ہوگی۔ یہ میرا وچن ہے' لیکن اس کے لیے تجھے میرا ساتھ دینا پڑے گا۔''

جواب میں' میں ہنس پڑا میں نے کہا۔





''پہلے یہ بتا مجھے کہ میں تجھے کس نام سے مخاطب کروں۔''

''ہرچندی ہے میرا نام' سمجھا' ہرچندی۔''

''ٹھیک' تو ہرچندی جب تو یہ ساری قوتیں مجھے دے سکتا ہے تو اپنی ان اپاہج ٹانگوں اور ہاتھوں سے چل کیوں نہیں سکتا' یہ انہیں ٹھیک کیوں نہیں کر سکتا۔''

''ہر بات کے پیچھے ایک کہانی ہوتی ہے پگلے' جلد بازی میں کیے جانے والے سوال من کو دکھ بھی دیتے ہیں' پہلے مجھے تو یہ بتا کہ تو وہ نہیں چاہے گا جو میں تجھ سے کہہ رہا ہوں۔''

''تو نے پہلے مجھے یہ لالچ دیا تھا کہ تیری دو نوجوان بیٹیاں اس کھنڈر میں رہتی ہیں' میں نے اپنی کوتاہی تسلیم کر لی ہے اور اب جو کچھ تو کہہ رہا ہے اس بات پر کیسے بھروسا کیا جا سکتا ہے کہ وہ سچ ہی ہو۔''

''بھروسا تو کرنا پڑے گا بالک' بھروسا تو کرنا پڑے گا۔''

''خیر' چل چھوڑ' اب یہ بتا کہ کیا تو اسی طرح میرے بدن پر سوار رہے گا۔''

''نہیں' مگر یہ سمجھ لے کہ جیسا کہ میں نے تجھ سے کہا ہے کہ اب تو میری گرفت سے نکل نہیں سکے گا تیرا شریر ہوگا اور میرا عمل' جب تو کوئی کام کرے گا جو میرے لیے ہوگا تو میں تیرے بدن پر موجود ہوں گا مگر چنتا نہ کرنا جو کپڑے پہنے گا وہ تیرے بدن پر اسی طرح فٹ ہوں گے جیسے ہوتے ہیں' جو کچھ بھی کرے گا میں تیرے بدن پر ہوں گا۔ لیکن میرا گوشت تیرے شریر پر نہیں ہوگا۔ کیا سمجھا؟''

''اچھا اب یہ بتا کہ مجھے کیا کرنا ہوگا؟''

''نہیں ابھی کچھ نہیں ابھی صرف آرام کرنا ہوگا۔ مجھے وچن دے کہ جو کچھ وعدہ مجھ سے کر رہا ہے اسے پورا کرے گا۔''

''میں تو تجھ سے کوئی وعدہ ہی نہیں کر رہا۔''

''اچھا سن! اگر تو مجھ سے کوئی وعدہ نہیں کر رہا تو پھر میرے ساتھ تعاون پر آمادہ نہیں ہے تو میں تجھے بتاؤں کیا ہوگا' تیرے ساتھ میں تیری پیٹھ سے اتر جاؤں گا اور پھر تیرے چہرے پر تھوک دوں گا' میرا تھوک تیرے چہرے پر پڑے گا تو تیرے پورے چہرے پر کوڑھ ابھر آئے گا۔ تو

کوڑی ہو جائے گا کیا سمجھا' اگر تجھے یقین ہے تو اپنا ایک ہاتھ سامنے کر' میں تجھے اس کا نمونہ دکھائے دیتا ہوں۔"

اس بار میرے بدن میں واقعی چیونٹیاں رینگ گئی تھیں۔ یہ بوڑھا یقینی طور پر کوئی جادوگر تھا' ہندو جوگی' جو طرح طرح کے گندے عمل جانتے ہیں میں نے ان لوگوں کے بارے میں سنا تھا' لیکن اتنا خطرناک شخص مجھے ٹکرا جائے گا یہ میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔"

اس نے پھر کہا۔

"ہاتھ آگے کر' ہاتھ آگے کر۔"

"نہیں ہرچندی' نہیں ٹھیک ہے میں تجھ سے وعدہ کر رہا ہوں کہ ابھی تجھے کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کروں گا۔ ہاں' اگر تیری بات میرے دل کو نہ لگی اور میں نے یہ محسوس نہیں کیا کہ تیرے ساتھ رہنے سے مجھے کوئی فائدہ ہے تو پھر میں تیرا کوئی کام نہیں کروں گا اور ایک بات تو بھی کان کھول کر سن لے' میں بہت ضدی فطرت کا انسان ہوں۔ اگر مجھے شکست دینے میں ناکام رہا تو پھر کوڑھی کیا زندگی کی ہر تکلیف قبول کر لوں گا۔ فرض کرو اگر میں کوڑھی ہو بھی گیا تو جنگل جا کر بہت سی لکڑیاں جمع کروں گا اس میں آگ لگا دوں گا اور پھر اس آگ میں کود کر زندگی ختم کر لوں گا' یا ریل کی پٹڑی پر لیٹ جاؤں گا اور میرا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا تب تو میرا کیا بگاڑ لے گا؟" میرے ان الفاظ پر ہرچندی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر گردن ہلا کر بولا۔

"ہاں' لیکن ایک اور بات پہلے تھوڑا سا آزما کر دیکھنا اگر تجھے یوں لگے کہ تو نے جیون کی وہ ساری خوشیاں پالی ہیں جو تیری خواہش رہی ہیں یا جو جیون تو نے اب تک گزارا ہے میرے ساتھ رہ کر اس میں تجھے فائدہ ہے تو یوں سمجھ لے تب میرا ساتھ دینا ورنہ بعد میں دیکھیں گے۔ ہوسکتا ہے میں ہی تجھے چھوڑ دوں۔"

"ٹھیک ہے اب تو میرے بدن سے اتر جا' اور انسانوں کی طرح سامنے بیٹھ۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ نہ تو یہاں سے بھاگوں گا نہ تجھے کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کروں گا۔"

"ٹھہر جا، میں بتاتا ہوں۔" اس نے کہا اور اس کے بعد وہ میرے بدن کو تھپتھپا کر بولا "اٹھ اپنی





جگہ سے۔" میں اٹھ گیا تو اس نے مجھے ایک طرف چلنے کا اشارہ کیا جب میں وہاں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ لکڑی کا ایک ٹکڑا وہاں دیوار کے ساتھ لگا ہوا کھڑا ہے اس کی اوپری سرے پر چھوٹی سی انسانی کھوپڑی بنی ہوئی ہے یا ممکن ہے اصل ہی ہو۔ لیکن وہ اتنی چھوٹی تھی کہ اس چھڑی کی موٹھ معلوم ہوتی تھی۔ میں اس خوفناک چیز کو دیکھنے لگا تو اس نے کہا۔

"اٹھا' سے اٹھا، اسے اٹھا۔" میں نے ہاتھ بڑھا کر وہ موٹھ اٹھا لی تو اس نے اپنا لجلجا ہاتھ آگے بڑھا کر وہ چھڑی میرے ہاتھ سے لے لی اور پھر بولا۔

"اب ایک دائرے میں چکر لگا بس اسی جگہ۔" اور میں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا۔ اس نے اس چھڑی سے زمین پر ایک نظر نہ آنے والا دائرہ کھینچا اور اس کے بعد چھڑی ایک طرف پھینک دی پھر وہ آہستہ سے میرے بدن سے نیچے اتر گیا۔ ویسے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس کے بدن کا کوئی بوجھ نہیں تھا بس ایک احساس تھا جو مجھے محسوس ہوتا تھا لیکن اس کے ربڑ جیسے گندے اور غلیظ ہاتھ اور پاؤں مجھے اپنے بدن پر ایک عذاب محسوس ہوتے تھے اور سب سے زیادہ کراہت مجھے ان ہی سے آتی تھی، بہرحال یہ حصار قائم کرنے کے بعد شاید اس نے مجھے اس حصار کا قیدی بنا دیا تھا۔ چنانچہ وہ خاموشی سے ایک طرف بیٹھ گیا اور میری صورت دیکھنے لگا۔ مجھے اس کی چمکدار آنکھیں اس ماحول میں بڑی خوفناک محسوس ہو رہی تھیں۔ اس وقت میں نے اس کا مکروہ چہرہ بھی دیکھا۔ پتا نہیں کیا چیز تھا کمبخت۔ ایسی منحوس شکل کا مالک کہ دیکھ کر دل و دماغ پر وحشت طاری ہو جائے۔ کھڑی ہوئی ناک، لٹکے ہوئے ہونٹ، بھویں سرے سے غائب تھیں۔ سر گنجا تھا اور پیشانی کی کھال اس طرح آنکھوں پر لٹکی ہوئی تھی کہ آنکھیں تک ڈھک جاتی تھیں ہاں، جب وہ گفتگو کرتا تھا تو پیشانی کو سکوڑتا تھا اور اس کی روشن آنکھیں نمایاں ہو جاتی تھیں اس نے کہا۔

"اگر تو نے اس دائرے سے نکل کر بھاگنے کی کوشش کی تو تیرے پورے شریر میں آگ لگ جائے گی۔ اس لیے بیٹھ جا اور جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے سن۔" میں نفرت بھرے انداز میں زمین پر بیٹھ گیا۔ میں نے کہا۔

"اتنی دھمکیاں دیتا ہے تو مجھے کہ مجھے کبھی کسی نے نہیں دیں لیکن خیر! اب میں جب تجھ سے وعدہ

کر چکا ہوں تو اپنا وعدہ پورا کروں گا۔ ہاں بول، کیا چاہتا ہے مجھ سے؟ سب سے پہلے مجھے یہ بتا کہ مجھ سے کیا چاہتا ہے؟''

''دیکھ تیرا اور میرا ساتھ ہوگا، تھوڑی سی تفصیل میں تجھے اس کے بارے میں بتا چکا ہوں۔''

''مجھے، مگر نہیں ایسے نہیں۔ پہلے تو میری ایک چھوٹی سی کہانی سن لے، یہ کہانی میرے جیون کی کہانی ہے۔ ہر چندی ہے میرا نام پنڈت گووندراج کا بیٹا ہوں، پنڈت جی ایک مندر میں بڑے پجاری تھے اور اپنا کام دھندا چلا رہے تھے۔ ماتا تھی میری، بہن بھائی تھے۔ سب کے ساتھ جیون بتا رہا تھا میں۔ ہماری بستی سے تھوڑے فاصلے پر ایک صاحب رہا کرتے تھے، بابا رحمان کے نام سے۔ لوگ انہیں جانتے تھے۔ ان کا ایک پورا خاندان تھا لیکن لوگوں کا خیال تھا کہ بابا رحمان بہت بڑے عالم ہیں۔ بڑی قوتیں رکھتے ہیں وہ۔ ہمارے اُن کے بیچ کوئی ایسا جھگڑا نہیں تھا لیکن پھر یوں ہوا کہ ایک دن میں بابا رحمان کے گھر کے سامنے سے گزر رہا تھا کہ میں نے ایک خوب صورت سی لڑکی دیکھی۔

مسلمان لڑکی تھی۔ ایسی حسین ایسی پیاری کہ میں اسے دیکھ کر بے خود ہوگیا اور پھر اس کے حصول کے لیے کوششیں کرنے لگا۔ جوانی تھی، سرکشی تھی، معلومات حاصل کیں تو پتا چلا کہ وہ بابا رحمان کی بیٹی ہے۔ بڑا مسئلہ ہوگیا۔ میرے اور ان کے بیچ، آخر کار میں نے یوں کیا ایک دن موقع پا کر اس لڑکی کو اغوا کرلیا۔ میں اسے بے ہوش کر کے ایک جگہ لے آیا تھا۔ پہاڑی علاقہ تھا۔ مندر یہاں سے کچھ فاصلے پر تھا۔ میں لڑکی کو مندر سے کچھ فاصلے پر ایک پہاڑی ٹیلے پر لے گیا اور اس کے بعد میں اسے ہوش میں لے آیا۔ میں نے اس سے من کی بات کہی۔ لڑکی خوف سے سکڑی سمٹی رہی اور جب اس نے میرے من کی بات سنی تو خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھی اور دوڑ کر اس پہاڑی سے نیچے چھلانگ لگا دی۔ پہاڑی اتنی اونچی تھی کہ نیچے گر کر اس کی ہڈیاں چور چور ہوگئیں۔ پر اسی لمحے شاید بابا رحمان کو اپنے علم کے ذریعے یا کسی اور ذریعے سے ساری صورت حال پتا چلی تھی۔ بیس پچیس آدمیوں کے ساتھ وہ دوڑتے ہوئے آئے اس سے لڑکی اپنی جان





دے چکی تھی اور میں اوپر پہاڑی پر ہی تھا۔ انہوں نے مجھے گھیر لیا اور گھیرنے کے بعد میرے ہاتھ پاؤں رسی سے باندھ کر مجھے میرے پتا جی کے پاس لے آئے۔ پتا جی نیک دل انسان تھے۔ انہوں نے یہ بات پسند نہ کی اور بابا رحمان کو یہ اجازت دے دی کہ وہ جو سزا چاہیں مجھے دیں۔ پولیس کے حوالے کر دیں، خود پتھر مار مار کر مجھے سنگسار کر دیں یا جوان کا دل چاہے کریں۔ بابا رحمان نے گردن جھکالی تھی لیکن اُن کے ساتھ ان کے جو چیلے چانٹے آئے تھے وہ مجھے معاف کرنے پر تیار نہیں تھے۔ چنانچہ مجھے مضبوط رسیوں سے باندھ کر گھسیٹتے ہوئے وہ لوگ لے گئے اور اس کے بعد انہوں نے مجھے ایک جگہ قید کر دیا۔ بابا رحمان نے کوئی فیصلہ نہیں دیا تھا لیکن وہاں اس قید کے دوران میں نے اس بارے میں سوچا کہ میرے پتا نے بھی میرے ساتھ غلط کیا ہے، اور وہ رحمان بابا مجھے جو سزا دینا چاہتا ہے میں اس سے پہلے ہی وہاں سے نکل بھاگوں۔ پھر میں نے کوشش بھی کی اس سلسلے میں لیکن انہوں نے میرے گرد پہرہ سخت رکھا تھا۔ پانچ دن تک میں وہاں قید رہا۔ بھوکا پیاسا تھا۔ ان لوگوں کا منصوبہ یہ تھا کہ مجھے وہیں بھوکا پیاسا مار دیں لیکن بابا رحمان کچھ اور سوچ رہے تھے۔ عالم آدمی تھا ایک دن وہ پیالے میں پانی پڑھ کر لایا اور اس دوران پہلی بار دروازہ کھلا۔ اس نے مجھے دیکھا، پانچ دن تک بھوکا پیاسا رہنے سے میری جو حالت ہو رہی تھی تم خود اس کا اندازہ لگا سکتے ہو۔ میں زندہ تھا یہ بھی بڑی بات تھی۔ بابا رحمان کے ہاتھ پانی کا پیالہ دیکھ کر میں اس کی جانب جھپٹا تو بابا رحمان نے وہ سارا پانی میرے اوپر پھینک دیا اور غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''اب تو یہاں سے جا۔ جو تیرا دل چاہے کر۔ میں نے تجھے وہ سزا دے دی ہے جو زندگی بھر تیرے لیے سزا ہی رہے گی۔'' میں نے اس سے تو محسوس نہیں کیا کہ وہ سزا کیا ہے؟ دروازہ کھول دیا گیا۔ میں وہاں سے نکل آیا۔ وہ سب لوگ چلے گئے اب میں یہ سوچنے لگا کہ مجھے کرنا کیا چاہیے؟ ویسے بابا رحمان کی کہی ہوئی بات نے مجھے خوف زدہ کر دیا تھا لیکن بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ اپنے پتا پر بھی مجھے غصہ تھا کہ انہوں نے مجھے کس طرح بابا رحمان کے حوالے کر

دیا۔ پتا نہیں اس کے بارے میں معلوم ہو سکا یا نہیں کہ میں زندہ ہوں۔ انہوں نے تو مجھے نظر انداز ہی کر دیا تھا اور اس بات نے میرے دل میں ان کے خلاف نفرت کا ایک ایسا جذبہ پیدا کر دیا تھا جو بہت شدید تھا۔ خیر میں مندر جانے کی بجائے جنگل کی جانب چل پڑا اور پھر ایک جگہ میں نے رات گزاری لیکن بس وہ گزری ہوئی رات ہی میرے لیے بھیانک رات تھی۔ صبح کو میں نے جب اپنے آپ کو اٹھ کر دیکھا تو میرے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں اس شکل میں تھے جس میں تو اب مجھے دیکھ رہا ہے۔ میرا شریر ہلکا ہو چکا تھا۔ کھانے پینے کو میرا من نہیں چاہتا تھا۔ میری شکل ایک ڈھانچے جیسی شکل میں تبدیل ہو گئی تھی جب کہ میں ایک سندر نوجوان تھا۔ یہ کیفیت دیکھ کر میں خوب رویا۔ میں نے سوچا کہ میں بابا رحمان کے پاس جاؤں اور اس سے شما مانگوں۔ لیکن پھر میرے اندر بھی غیرت ابھر آئی اور اس کے بعد میں نے جادو منتر سیکھنا شروع کیے بس پھر سمجھ لے کہ میں اس شکل میں مارا مارا پھرتا رہا اور میں نے بہت زیادہ وقت گزار دیا تھا۔ میں نے بڑے بڑے سادھو، سنتوں اور جوگیوں سے ان کے علم سیکھے اور سیکھنے کے بعد میں نے اپنے آپ کو ایک ایسی شکل دے دی جو بہت بڑی ہے لیکن وہ بابا رحمان وہ بابا رحمان مر چکا ہے۔ وہ کم بخت جیتا ہوتا تو میں اپنی اسی شکتی سے کام لیتا۔ اس بابا رحمان سے نمٹ لیتا۔ میں نے اپنے جادو، اپنے منتروں سے معلوم کیا کہ میرا شریر مجھے واپس مل سکتا ہے میری عمر رک گئی ہے اور اگر میں اپنی کوششوں میں کامیاب ہو جاؤں تو پھر میری عمر اسی سمے سے شروع ہو گی جس سمے سے میری یہ حالت ہوئی تھی اور اس کے لیے میں مسلسل کوشش کر رہا ہوں۔ تو نہیں جانتا کہ جو کچھ ہوا ہے بہت سی باتیں ایسی ہوئی ہیں جنہیں سب کو بتایا نہیں جاتا جو کچھ ہوا ہے تیرے ساتھ اس میں تھوڑا سا آنے والے وقت کا ردعمل بھی تھا۔''

''کیا مطلب؟'' میں نے سوال کیا۔

''مطلب یہ ہے۔ یہ ہونا تھا جو ہوا ہے۔ تجھے اس چٹان تک آنا تھا، مجھے تجھ سے وہاں ملنا تھا اور تجھے یہاں لانا تھا اور اس کے بعد یہ بھی بتا دوں تجھے کہ میرے اور تیرے بیچ دوستی چلے گی۔ مان





لے گا تو میری بات۔ چاہے من سے نہ مانے مگر مان لے گا۔ میرا گیان یہی کہتا ہے۔ میں خاموشی سے ہر چندی کی باتوں پر غور کرنے لگا۔ بڑی عجیب و غریب کہانی تھی۔ مگر یہ نہیں بتایا تھا اس نے کہ مجھے وہ کس طرح استعمال کرنا چاہتا ہے؟ یا اسے مجھ سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ میں نے کچھ لمحے خاموشی اختیار کی اور اس کے بعد میں نے کہا۔

''مگر اب یہ بتا کہ مجھے کیا کرنا ہو گا؟''

''تجھے عیش کرنا ہو گا۔ یہ سنسار تیرے لیے ہے یوں سمجھ لے تیرے شریر پر رہ کر تیری اس تمام تفریح میں شریک رہوں گا جو تو کرے گا۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔'' میں نے غصیلے انداز میں کہا۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ میں مختلف فطرت کا انسان ہوں اگر تو میری طبیعت کو جانتا ہے جیسا کہ تو کہہ رہا ہے تو پھر تجھے یہ بھی معلوم ہو گا کہ جو کچھ میں کرتا ہوں اس میں، میں کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتا۔''

''میری ایک بات سمجھ میں آتی ہے، آ رہی ہے چل ٹھیک ہے مگر کرنا وہی ہو گا تجھے جو میری خواہش ہو۔''

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ اگر مجھے وہ بات ناپسند ہوئی تو میں تجھے بتا دوں گا۔''

''ہاں، یہ ٹھیک ہے۔''

''تو بس میرے ساتھ تعاون کرنا۔ جیسا میں کہوں ویسا کرتے رہنا اور کوئی ایسی ویسی بات دیکھے جو میری طرف سے ہو تو پھر اسے بھول جانا۔ اس پر غور مت کرنا۔''

''پتا نہیں کیا چاہتا ہے تو شیطان، میری سمجھ میں نہیں آتا۔''

''مجھے من چاہے جتنی گالیاں دے دے، گالیاں سن کر مجھے خوشی ہوتی ہے اور اسے میرا گیان بڑھتا ہے۔ پر کرنا وہی ہے تجھے بالک! جو میں تجھ سے کہوں۔ اب ایسا کر آرام سے جہاں تیرا

من چاہے جا کر سوجا۔ جو بات میرے اور تیرے بیچ ہوئی ہے اس کے بعد تیرا میری گرفت سے نکلنا ممکن نہیں۔'' میں نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب تجھے خود معلوم ہو جائے گا۔ بہت سی باتیں منش کو خود معلوم ہوتی ہیں۔ بتانے سے اس کی سمجھ میں نہیں آتیں یا وہ یقین نہیں کرتا۔'' میں خاموش ہو گیا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ خود ہی اپنی جگہ سے اٹھا اور وہاں سے چل کر میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ میں سکتے کے سے عالم میں دیر تک وہیں بیٹھا رہا تھا۔ صحیح معنوں میں یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہو گا کہ اونٹ پہاڑ تلے آیا تھا۔ اس سے پہلے جو کچھ ہوتا رہا تھا اس کو دہرانا فضول ہے لیکن میری طبیعت کا اندازہ آپ لوگوں کو ہو گیا ہو گا کہ ایک ایسا شخص جب اس طرح کسی مکڑی کے جالے میں پھنس جائے تو اس کی ذہنی کیفیت کیا ہو سکتی ہے؟ اس کا اندازہ آپ خود لگا سکتے ہیں اور میں اس وقت ایسی ہی ذہنی کیفیت کا شکار تھا۔ میرا دماغ کام نہیں کر رہا تھا۔ یہ بات تو میں جانتا تھا کہ وہ پراسرار بوڑھا جس نے اپنا نام ہرچندی بتایا ہے انتہائی خوفناک اور پراسرار طاقتوں کا مالک ہے۔ اس کے خلاف کوئی عمل کرنا بہت مشکل کام ہو گا۔ میری فطرت ہرچندی کی اس بات کو قبول نہیں کرتی تھی کہ میں کسی کے ماتحت رہ کر کام کروں لیکن آپ یقین کریں یا نہ کریں بس ایک تجسس، ایک ایسا احساس جس میں کسی کی برتری نہیں تھی بلکہ ایک تفریحی معلومات کے حصول کا تصور تھا، میرے دل میں پیدا ہو گیا اور میں نے سوچا کہ ہرچندی سے تعاون تو کروں گا میں اور اس نے جو مجھے دھمکی دی ہے میں یہ دیکھوں گا کہ میرے لیے کس قدر کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔'' اور اس دھمکی کی تکمیل سے پہلے مگر میرے دل میں تیرے خلاف بدی آئی تو میں تجھے اس قابل نہیں چھوڑوں گا کہ تو میرے چہرے پر تھوک سکے۔'' اس کے بعد میں اپنی جگہ سے اٹھا میں نے اس حصار سے باہر نکلنے کی کوشش کی لیکن مجھے کوئی دقت نہیں ہوئی اور میں وہاں سے باہر نکل آیا۔ دل میں بہت کچھ سوچ رہا تھا اس وقت اس پراسرار عمارت سے باہر بھی جا سکتا تھا لیکن جیسا کہ میں نے فیصلہ کیا تھا کہ اس سے





تعاون کروں گا اور دیکھوں گا کہ اس کی قوتیں کہاں تک میرے لیے کارآمد ثابت ہو سکتی ہیں اس نے جو دھمکیاں دی تھیں بہرحال اس کے تھوڑے بہت اثرات میرے ذہن پر ضرور تھے اور میں ابھی اپنے آپ پر تجربہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ عقل کا تقاضا یہ تھا کہ پہلے یہ اندازہ لگاؤں کہ یہ پراسرار بوڑھا آدمی اس نے اپنی کہانی سچ سنائی ہے یا جھوٹ۔ کیسی کیسی قوتوں کا مالک ہے اور اپنے اندر کیا کیا طاقتیں سموئے ہوئے ہے۔ میرے لیے کس قدر کارآمد ثابت ہوتا ہے۔ یہ ساری چیزیں بس مجھے دیکھنی تھیں بہرحال! ایک جگہ منتخب کر کے وہاں لیٹ گیا۔ پیچھے کے معاملات پیچھے رہ گئے تھے اور میں جانتا تھا کہ عظیم خان صاحب جب مجھے نہیں دیکھیں گے تو انہیں کتنی پریشانی ہو گی لیکن بہرحال اب صورت حال بالکل مختلف ہو گئی تھی میں کوئی بڑا خطرہ بھی مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ چنانچہ خاموشی سے ایک جگہ منتخب کر کے لیٹ گیا۔ نہ جانے کب تک سوچیں ذہن میں کلبلاتی رہیں آخر کار نیند آ گئی۔ دوسری صبح جاگا تو وہیں اس ویران عمارت میں پڑا ہوا تھا۔ ہرچندی کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ چند سے سوچتے رہنے کے بعد میں اپنی جگہ سے اٹھا اور پھر اس گھر سے باہر نکل آیا۔ میں نے باہر کی سمت ہرچندی کو دیکھا جو جھکا ہوا بیٹھا تھا۔ سانپ جیسے ہاتھ اور پاؤں، عجیب وغریب بدن تھا۔ دیکھ کر شدید کراہت محسوس ہوتی تھی ویسے ایک چھوٹی سی غلطی میں میں نے کتنا نقصان کر دیا تھا۔ اگر انسانی ہمدردی کی بنیاد پر میں اس شخص کو اپنے کاندھوں پر سوار کر کے اس عمارت تک نہ لاتا یا ان دولڑکیوں کا لالچ میرے ذہن میں نہ ہوتا تو ہو سکتا ہے میں اس جال میں نہ پھنستا۔ اصلیت کیا تھی؟ یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے لیکن بہرحال اب میں خود کو ایک عذاب میں گرفتار محسوس کر رہا تھا۔ ہرچندی کو جیسے میری موجودگی کا پتا تھا۔ اس نے بغیر میری جانب مڑے ہوئے کہا۔

''آ جاؤ بالک آ جاؤ، ناشتا کر لو۔'' غالباً وہ کچھ کھا رہا تھا۔ میں آہستہ سے چلتا ہوا اس کے عقب میں پہنچا پھر جو کچھ میں نے دیکھا اسے دیکھ کر مجھے اس بری طرح سے الٹی ہوئی کہ میرا دل کلیجہ اور پھیپھڑے باہر نکلنے لگے۔ وہ ایک انسانی لاش تھی۔ اس قدر سڑی ہوئی اور بوسیدہ کہ اس سے

شدید تعفن اٹھ رہا تھا اور ہر چندی اس کے کھلے ہوئے پیٹ سے آنتیں نکال کر چبا رہا تھا۔ میں نفرت سے منہ سکوڑ کر باہر نکل آیا جو کیفیت ہوئی تھی اس نے اس طرح سے طبیعت خراب کر دی تھی۔ دالان سے باہر آ کر میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر کے بعد منہ وغیرہ صاف کیا۔ ایک لمحہ کے لیے دل چاہا کہ یہاں سے بھاگ جاؤں اور بستی پہنچ جاؤں لیکن نہ جانے کیوں ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے قدم روک لیے ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد ہر چندی اپنی ان ہی پتلی پتلی ٹانگوں سے چل کر مجھ تک پہنچا اور بولا۔

''یہ سب کچھ تو تمہیں برداشت کرنا ہوگا۔''

''وہ انسانی لاش کس کی تھی؟''

''کسی انسان ہی کی تھی۔ اسے ایک مرگھٹ سے اٹھا لایا تھا میں۔ اس کے رشتے ناتے دار اس کی ارتھی بنا کر اسے جلانے کے لیے لائے تھے۔ وہ اسے آگ میں بھسم کر دیتے مگر میں وہاں نمودار ہو گیا تھا اور سارے کے سارے سسرے بھاگ گئے' ارے بیٹا! کیا نام بتایا تو نے اپنا ''شاہو'' ہاں شاہو' تو بیٹا شاہو اس سنسار میں تو جو کچھ دیکھ رہا ہے سمجھ لے سنسار اس کا ہے۔ رشتے' ناتے' پریم' پیار' ساری کی ساری چیزیں دکھاوے کی چیزیں ہوتی ہیں۔ منش نے منہ سے الفاظ تراشے ہیں انہیں استعمال کرتا ہے کہیں وہ سچے ہوتے ہیں کہیں جھوٹے لیکن جہاں وہ سچے بھی ہوتے ہیں وہاں اپنے مفاد کے لیے ہوتے ہیں۔ تو بات جب اپنے مفاد کی ہے تو پھر یہ سمجھ لے کہ باقی سنسار میں اور رکھا کیا ہے؟ بے کار باتیں سوچتے رہو' ملے گا کچھ نہیں۔ تو جوان ہے اور اندازہ یہ ہوتا ہے کہ شوقین بھی ہے ورنہ دو لڑکیوں کے تصور کے دھوکے میں یہاں تک نہ آ جاتا۔ میں تیرے من کی ساری مرادیں پوری کر دوں گا۔ وہ عیش کراؤں گا تجھے کہ جیون بھر یاد رکھے گا۔ ارے پتا نہیں کیا سے کیا بنا دوں گا تجھے۔ تجھے یقین نہ آئے تو کچھ وقت میرے ساتھ رہ کر دیکھ لے۔''

''اور تو یہ گندگی کھاتا رہے گا؟''



''میری بات چھوڑ دے' آ میرے ساتھ' آ' آ جا۔''

''میری حالت خراب ہو چکی ہے تو جو کچھ کر رہا تھا ہر چندی۔''

''دیکھو ویسے تو تمہیں مجھے ہر چندی مہاراج کہنا چاہیے۔ مگر خیر! اب یہ تمہاری مرضی ہے کہ تم مجھے جس طرح چاہو مخاطب کرو' لیکن میری بات مان لیا کرو۔ ادھر آؤ' میرے ساتھ آ جاؤ'' وہ مجھے ساتھ لیے ہوئے چل پڑا۔ میں نے بے دلی سے اس کا ساتھ قبول کر لیا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اسی بوسیدہ عمارت کے ایک کمرے میں پہنچا یہاں کا منظر دیکھ کر میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ ایک چھوٹی سی میز تھی جس پر انتہائی نفیس پھل رکھے ہوئے تھے بھنے ہوئے گوشت کے ٹکڑے بھی تھے اور چائے کا سامان بھی۔ اچانک ہی مجھے اپنے اندر بھوک کی شدت کا احساس ہوا تھا' ہر چندی ہنس کر بولا۔

''ہم جو کچھ کھائیں تو کھائیں' تمہارے لیے تو ہم نے پورا پورا بندوبست کر لیا ہے۔ چلو ہم چلتے ہیں تم اپنے آپ کو سنبھالو' وہ دیکھو وہ سامنے پانی بھی رکھا ہوا ہے اپنے چہرے کو صاف کر لو۔ وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔ میں تھوڑی دیر تک کھڑا سوچتا رہا اس کے بعد میں نے مٹکے سے پانی لے کر چہرہ وغیرہ دھویا خوب غرارے کیے بھوک واقعی لگ رہی تھی حالانکہ ہر چندی کے کئے ہوئے عمل کا تصور ذہن میں آتا تو ساری بھوک ہوا ہو جاتی تھی لیکن پھر بھی بہرحال میں نے اپنے آپ کو تھوڑا سا سنبھالا دینے کے لیے اس میں سے کچھ سیب کھائے۔ تھوڑے سے انگور لیے اور اس کے بعد چائے پینے لگا۔ چائے کے ساتھ میں نے نمک لگے گوشت کے ٹکڑے کو بھی اٹھایا جو سامنے رکھا ہوا تھا۔ تھوڑا سا گوشت کھایا تو بہت ہی لذیذ محسوس ہوا اور اس کے بعد میں نے اس کی کافی مقدار اپنے معدے میں اتار لی۔ چائے پینے کے بعد طبیعت میں بڑی فرحت پیدا ہو گئی تھی۔ میں نے یہیں بیٹھے بیٹھے بہت سے فیصلے بھی کئے اور آخری فیصلہ یہ تھا کہ تھوڑا سا وقت ہر چندی کے ساتھ گزار لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ میں نے اس سے ملنے کے لیے باہر قدم اٹھائے اور پھر اسے دو تین بار آواز دی تو ہر چندی میرے سامنے آ گیا اپنی مکروہ شکل سے مسکرا رہا

تھا کہنے لگا۔

''جون ہی بدل گئی، تمہاری تو۔ اب بولو کیا ارادے ہیں؟''

''ہر چندی! اب مجھے کیا کرنا ہوگا؟''

''ساتھ تعاون تو کر رہے ہونا؟''

''ہاں، لیکن ایک شرط ہوگی۔''

''کیا؟''

''تو میرے وجود پر سوار نہیں رہے گا۔ میرا ساتھی بن کر میرے ساتھ چلے گا۔''

''ہونہہ! یہ تو سوچنا پڑے گا لیکن اگر ایسا ہو جیسا کہ میں تجھ سے کہہ چکا ہوں، دیکھ بہت سی جگہیں ایسی ہوتی ہیں جہاں میں اپنے پیروں سے چل کر نہیں جا سکتا اگر میں تیری پیٹھ پر سوار ہوں گا تو، تو وہاں جائے گا لیکن ایک وعدہ کرتا ہوں کہ میرا وزن تجھے محسوس نہیں ہوگا تجھے بالکل نہیں لگے گا کہ میرے ہاتھ پاؤں تیرے گرد لپٹے ہوئے ہیں۔ بس یہ ایسی جگہ ہوگا جہاں میں خود اپنے پیروں سے نہیں جا سکوں گا اور جہاں تک ایسا معاملہ ہے کہ جہاں میں الگ ہو سکوں گا وہاں الگ ہو جاؤں گا۔ کیا سمجھا؟'' میں نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی اور کہا۔

''ٹھیک ہے مجھے منظور ہے۔''

''تو اب تو وہاں نہ جا جہاں رہتا ہے، بلکہ میرے ساتھ چل۔''

''ٹھیک ہے، چل۔''

میں نے کہا اور اس کے بعد ہم دونوں عمارت سے باہر نکل آئے۔ وہ بستی کی بالکل مخالف سمت چل رہا تھا۔ اور میں دل ہی دل میں دیپو کے بارے میں سوچ رہا تھا آہ بے چارہ دیپو! جو ایک مہینے کے بعد میرے پاس آئے گا اور اسے پتا چلے گا کہ میں تو اس کے جانے کے دوسرے دن ہی چلا گیا تھا اور پھر ٹھیک بھی ہے میں کب تک دیپو کو اپنے سر لگائے رہوں۔ کیا دے سکوں گا میں اسے، جو کچھ ہے وہ جانے اور اس کا کام۔ یہاں میں ہر چندی کی بات سے اختلاف کرتا تھا یعنی



یہ کہ ہر شخص اپنے عمل کا ذمہ دار ہوتا ہے اور جانتا ہے کہ اسے کیا کرنا ہے؟ میں خود بھی کیا ان چکروں میں پھنسا تھا؟ لیکن سچی بات یہ ہے کہ برائیاں ہی برائیاں سامنے آئی تھیں اور غالباً اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ خود میرے اندر برائی کا عنصر بھرا ہوا تھا اور کبھی کوئی بہتر کام میں نے نہیں سوچا تھا بہرحال رفتہ رفتہ میں اس شیطان کی برتری قبول کرتا جا رہا تھا اور میں نے دل میں سوچا تھا کہ دیکھوں تو سہی بات کہاں تک پہنچتی ہے اور بات بہرحال آگے بڑھی وہ شاید میری جانب سے مطمئن ہو گیا تھا، اس نے کہا۔

''دیکھو! بہت سی ایسی باتیں ہوں گی جو تمہیں پسند نہیں آئیں گی میں خود بھی ان کا خیال رکھوں گا میں جو کچھ تمہیں بتا چکا ہوں لیکن تمہیں جو کچھ بنا کر رکھوں گا وہ بالکل الگ ہوگا۔''

''کیا بنا کر رکھو گے، مجھے؟''

''فی الحال اس بارے میں نہ پوچھو۔ اب ہم یہاں سے چلتے ہیں۔'' میں نے اس سے تعرض نہیں کیا تھا پھر ایک طویل سفر کیا گیا۔ وہ میری پشت پر سوار نہیں تھا بلکہ میرے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ کوئی اگر اسے دیکھتا تو یقینی طور پر بے ہوش ہی ہو جاتا لیکن اس سفر کے دوران میں نے بارہا یہ اندازہ لگایا کہ شاید کوئی اسے دیکھ نہیں پاتا۔ بہرحال وہ ایک طلسمی شخصیت تھی اور میں بارہا یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا تھا کہ ابتداء جن برائیوں کے درمیان ہوئی جو کچھ غلاظتیں میں نے اس دنیا میں پھیلائیں اس کے بعد اس سے بڑی غلاظت اور کوئی مجھے نہیں مل سکتی تاہم میں بھی اپنی دھن کا پکا تھا اگر وہ اپنے آپ کو کوئی بڑی چیز سمجھتا ہے تو دیکھوں گا کہ اس کے خلاف کیا کر سکتا ہوں؟ پھر ہم ایک خوب صورت شہر میں داخل ہو گئے۔ بلند و بالا عمارتوں کا یہ شہر بے حد حسین تھا۔ ہر چندی مجھے لیے ہوئے ایک ایسی عمارت کے سامنے پہنچا جس کا گیٹ کافی بڑا تھا اور اس پر چوکیدار بھی موجود تھا اس عمارت سے تھوڑے فاصلے پر رک کر ہر چندی نے کہا۔

''سنو، اب تمہارا پہلا کام شروع ہونے جا رہا ہے۔ کسی بات پر حیرت کا اظہار نہ کرنا۔ میں تمہاری پیٹھ پر آ رہا ہوں۔ یہاں سے مجھے تمہارے ساتھ ہی اندر داخل ہونا ہوگا۔''

''ٹھیک ہے۔تم آغاز کرو' میں دیکھتا ہوں۔'' ہرچندی میری پشت پر سوار ہوگیا اور سرگوشی کے انداز میں کہا۔

''آگے بڑھو اور گیٹ کے پاس پہنچ جاؤ۔'' جب میں آگے بڑھ کر گیٹ کے قریب پہنچا تو چوکیدار نے سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر اس کی حالت بری ہوگئی۔

''ارے' شعیب بابو آپ؟'' اور اس کے بعد چوکیدار پر جیسے دیوانگی سوار ہوگئی۔ وہ دروازہ چھوڑ کر اندر کی طرف بھاگا' وہ چیختا جا رہا تھا۔

''شعیب بابو آگئے' شعیب بابو آگئے۔'' اور میں حیران تھا۔ ہرچندی مسکرا کر بولا۔

''تو تم اب شعیب بابو ہو سمجھے' بات آہستہ آہستہ تمہارے سامنے آتی چلی جائے گی۔ کسی بھی بات کی فکر مت کرنا سب ٹھیک ہوگا۔ بس یوں سمجھو کہ اپنے آپ کو شعیب سمجھ لینا۔'' چوکیدار کی آواز اندر پہنچ گئی تھی اور اس کے بعد کچھ لوگ باہر نکل آئے۔ یہ کچھ خواتین اور کچھ مرد تھے۔ دو تین نوجوان لڑکیاں بھی تھیں۔ خاصا شریف گھرانہ معلوم ہوتا تھا' ایک عمر رسیدہ خاتون ہانپتی کانپتی آگے بڑھیں۔ ان کے پورے بدن میں رعشہ تھا اور ان کے ہاتھ پھیلے ہوئے تھے۔ آگے آ کر وہ مجھ سے لپٹ گئیں اور پھر ایک دم بے ہوش ہوگئیں۔ دوسرے نوجوانوں نے انہیں سنبھالا تھا اور چیخنے لگے تھے۔

''بے ہوش ہوگئیں' اندر لے چلو' اندر لے چلو۔ ڈاکٹر کو بلاؤ۔'' آوازیں ابھر رہی تھیں اور لوگ بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ ایک دراز قامت اور تقریباً اٹھائیس سالہ خاتون نے آگے بڑھ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

''آؤ شعیب اندر آؤ۔'' انہوں نے پروقار لہجے میں کہا۔ بہرحال میں ان کے ساتھ اندر چل پڑا۔ وہ لوگ طرح طرح کی باتیں کر رہے تھے پھر کسی نے کہا۔

''ڈیڈی کو فون کر دو' بتا دو کہ شعیب واپس آ گیا ہے۔''

میں نے یہ کہنے والے کی طرف دیکھا بھی نہیں تھا۔ مجھے ایک کمرے میں لے جایا گیا۔ خاتون کو





بستر پر لٹا دیا گیا تھا۔ سب کے سب مجھے دیکھ رہے تھے۔ غور کر رہے تھے۔ ایک اور خاتون نے کہا۔

''نہ جانے کہاں کہاں مارے مارے پھرتے رہے ہیں؟ یہ بھی بھلا کوئی بات ہوئی۔ صحت دیکھو کتنی خراب کر لی ہے؟ اور یہ کپڑے کیسے پہنے ہوئے ہیں؟ بس کیا کہا جائے' کیا نہ کہا جائے۔''

''خاموش رہو' بے کار باتیں نہ کرو فریدہ' بلاوجہ تم بہت بولنے کی کوشش کرتی ہو۔'' اسی عورت نے کہا جو میرا ہاتھ پکڑ کر اندر لائی تھی۔ ڈاکٹر کو بلا لیا گیا تھا لیکن ڈاکٹر کے آنے سے پہلے ہی عمر رسیدہ خاتون ہوش میں آگئیں۔ انہوں نے ادھر ادھر دیکھا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولیں۔

''آ گیا؟ کیا واقعی میرا شعیب واپس آ گیا ہے۔'' کیا واقعی ایسا ہوگیا ہے؟''

''اٹھ کر آؤ' دیکھ نہیں رہے۔ اماں بی کی کیا حالت ہو رہی ہے؟'' ایک بڑے صاحب نے کہا اور میں اٹھ کر اپنی اماں بی کو دیکھنے چل پڑا۔ جنہیں میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ عمر رسیدہ خاتون نے دونوں ہاتھ اوپر کیے اور میرا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔ انہوں نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

''ماں کی جان لینا چاہتا تھا نا' لے لے اپنے ہاتھوں سے گردن دبا دے' مار دے مجھے۔ مگر' مگر یہ سلوک تو نہ کر میرے ساتھ' میرے بچے۔ یہ سلوک تو نہ کر' کون سی ایسی بات کہہ دی تھی' آخر میں نے؟ کیا کہہ دیا تھا بول' بول۔''

میرے کان میں سرگوشی ابھری۔

''ایسے موقعوں پر جو کچھ کہا جاتا ہے وہی کہو۔ اپنی کارکردگی پر شرمندگی کا اظہار کرو' کیا سمجھے؟''

آواز اس شیطان کی تھی لیکن بہرحال اب میں بھی اتنا ہی شیطان تھا اور اس سے ہر طرح کا تعاون کر رہا تھا۔ میں نے شرمندگی سے اس عمر رسیدہ خاتون کے سامنے سر جھکا دیا اور آہستہ سے بولا۔

''جو ہونا تھا ہوگیا' میں' میں اب اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بس جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔''

''کوئی بات نہیں ہے۔''

''بھیا سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا' تم فکر مت کرو۔ تم آ گئے تم نے صحیح معنوں میں اس گھر پر احسان

کیا ہے۔ میں ذاتی طور پر تمہاری شکر گزار ہوں۔ ہم سب تو زندہ درگور ہو گئے تھے۔ تم' بھیا تم کسی بات کی پروا مت کرو' تمہیں جو پریشانی ہوا کرے وہ مجھے بتا دیا کرو۔ کوئی ایسی بات نہیں ہے تم ہمارے اپنے ہو۔ بالکل ہمارے اپنے ہو۔'' وہ عورت جو یہ الفاظ کہہ رہی تھی وہی دراز قامت عورت تھی جو کافی خوب صورت تھی اور جس نے میرے ساتھ بہت اچھا رویہ اختیار کیا تھا۔ بہرحال کسی ایسے شخص کے آجانے سے جو گھر سے روٹھ کر چلا گیا ہو جو ہنگامہ خیزیاں ہو سکتی ہیں وہ ہنگامہ خیزیاں یہاں اس گھر میں ہو رہی تھیں بہ مشکل تمام مجھے ان سے نجات ملی اور پھر ان ہی خاتون نے مجھ سے کہا۔

''شعیب! تم نے عرفانہ کو بھی چھوڑ دیا۔ اس بے چاری نے تمہارا کیا بگاڑا تھا؟'' وہ غریب ذرا اس کی کیفیت تو دیکھو۔ وہ اب بھی اٹھ کر تمہارے پاس نہیں آئی۔ جانتے ہو کیوں؟'' میں نے سوالیہ نگاہوں سے ان خاتون کو دیکھا تو انہوں نے کہا۔

''بیمار ہے وہ بستر سے لگ گئی ہے۔ تمہاری جدائی میں۔ دیکھو انسان فیصلے کرتے ہوئے کم از کم یہ تو سوچتا ہے کہ اس کے ان فیصلوں سے کسے کسے نقصان پہنچے گا۔ بہت برا کیا ہے تم نے۔ خاص طور سے دادا جان' دادا جان کے بارے میں تم جانتے ہو ان کے وجود میں تمہاری زندگی ہے۔ زندہ درگور ہو گئے ہیں اسی دن سے بیٹھے ہوئے چلہ کشی کر رہے ہیں۔ باہر نہیں نکلتے۔ کچھ کھاتے پیتے بھی نہیں ہیں۔ کیا بنا دیا ہے تم نے اس گھر کو۔''

''مجھے تھوڑا سا وقت چاہیے۔ میں' میں واش روم جانا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''تو جاؤ نا' انتظار کیوں کر رہے ہو؟'' اور پھر میں ان لوگوں سے نجات حاصل کر کے واش روم میں چلا گیا۔ زبردست واش روم تھا۔ میں نے دروازہ بند کیا اور اس کے بعد غصیلے انداز میں بولا۔

''اور اب تو مجھے یہ بتا ہر چندی کہ یہ سب کیا جھگڑا ہے' میری سمجھ میں کوئی ایک بات بھی نہیں آ رہی ہے۔ تو مجھے یہاں لے تو آیا ہے' لیکن یہ نہیں بتایا تو نے کہ یہ سب چکر ہے کیا؟''

''مزہ تو اسی بات میں ہے' دیکھ رہا تھا کہ تم کس طرح اپنا کردار نبھاتے ہو سنو' بہت بڑے لوگوں کا





گھر ہے یہ۔ ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ تمہارا نام شعیب احمد ہے اور ایک خوب صورت لڑکی تمہاری بیوی ہے۔ اس کا نام عرفانہ ہے وہ عورت جو تمہارا ہاتھ پکڑ کر تمہیں لے آئی تھی وہ عرفانہ کی بڑی بہن فرزانہ ہے۔ وہ بھی اسی گھر میں تمہارے بڑے بھائی کی بیوی ہے' تم سے بہت محبت کرتی ہے سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ عورت جو تم پر جان نچھاور کر رہی ہے تمہاری سگی ماں ہے اور باقی بہن بھائی سوتیلے ہیں تم سب سے چھوٹے ہو بڑا بھائی جو لندن میں کاروبار کرتا ہے تمہیں برا بھلا کہہ کر لندن چلا گیا تھا اور اس کے بعد تم نے یہ گھر چھوڑ دیا تھا۔ ویسے اس گھر کے تمام لوگ ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے ہیں۔ تمہارے والد جمیل احمد صاحب مر چکے ہیں کیا سمجھے؟ باقی کردار بھی ہیں اور ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے اگر کوئی اہم کردار آیا تو میں تمہیں اس کے بارے میں بتا دوں گا۔''

''مجھے اب کرنا کیا ہے؟''

''عیش کرنا ہے بالک' عیش کرنا ہے۔ اور کیا چاہتا ہے' کیا شان سے تیری پزیرائی ہو رہی ہے اب یہ لوگ تیرے آگے پیچھے پھریں گے۔ ذرا جا کر اس کو دیکھ لے جو تیری بیوی ہے۔''

''ہونہہ' ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا۔ بہرحال صورت حال میری سمجھ میں آ گئی تھی۔ مجھے بھی یہ کھیل خاصا دلچسپ محسوس ہو رہا تھا۔ سچی بات یہ ہے کہ پہلے میں ذرا ذہنی طور پر منتشر تھا لیکن اب یہ تفصیل جاننے کے بعد میرے اپنے اندر کی شخصیت بھی جاگ اٹھی تھی اور میں اپنے اندر کی فطرت میں کبھی شرافت نہیں بھر سکا تھا۔'' تم دل ہی دل میں ہنس رہے ہو گے۔ علی فیضان کہ میں کتنی صاف گوئی سے تمہیں ان برائیوں کے بارے میں بتا رہا ہوں۔ اصل میں اب میں جھوٹ نہیں بول سکتا۔ جب اس کہانی کا آغاز کر دیا ہے میں نے تو اس کے تمام سچ تمہارے سامنے لانا ضروری ہے۔ علی فیضان' میری زندگی میں جو کچھ ہوا ہے وہ اتنا طویل ہے کہ تم اسے سن' نہ پاؤ گے' اصل میں ہر انسان کے سینے میں ایک احساس ہوتا ہے اس کے سینے میں ایک غبار بھرا ہوا ہوتا ہے اگر وہ غبار نکل جائے تو بڑی آسانیاں فراہم ہو جاتی ہیں۔ بہت کچھ حاصل ہو جاتا ہے۔

"تم ایک اچھے انسان ہو اسی لیے تمہیں سب کچھ بتانے کو جی چاہا' لیکن یہ بات میں اچھی طرح جانتا ہوں تم میری یہ کہانی سنتے سنتے بور گئے ہو گے' انسان اخلاقاً ایک حد تک تو کسی کی باتیں برداشت کر سکتا ہے لیکن اس کے بعد اسے تھکن کا احساس ہوتا ہے۔ تم اگر اس داستان کو آگے نہ سننا چاہو تو یقین کرو کہ میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔ کیونکہ یہ تمہاری ذمہ داریوں میں شامل نہیں ہے اور نہ ہی یہ تمہاری ڈیوٹی ہے اس لیے۔۔۔"

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں جناب' درحقیقت میں تو اس داستان میں اس قدر کھو گیا جیسے میں خود اس کا ایک کردار ہوں' اور آپ یقین کریں کہ میں اپنے آپ کو آپ کے ساتھ سفر کرتے ہوئے محسوس کر رہا ہوں وہ سب کچھ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں جو آپ بیان کر رہے ہیں۔"

"لیکن، تمہیں گھر بھی واپس جانا ہوگا۔"

"آپ جانتے ہیں باگا صاحب کہ میں اپنے گھر میں تنہا ہوتا ہوں اور کوئی بھی وہاں نہیں ہوتا اگر میں وہاں واپس نہیں جاؤں گا نہ تو کسی کو پریشانی ہوگی اور نہ ہی کوئی میرا انتظار کر رہا ہوگا۔ آپ براہ کرم اپنی باتیں جاری رکھیے' اس کہانی میں ذرا سی دیر بھی نہیں رکا جا سکتا۔" مجھے ہنسنے کی آواز سنائی دی تھی' پھر یوسف باگا نے کہا۔

"جاؤ باورچی خانے میں بہت کچھ ہے۔ اپنے لیے تیار کر لو' کھانے پینے کے بعد واپس میرے پاس آ جانا میں تمہیں آگے کی کہانی سناؤں گا۔" میں نے بہر حال یوسف باگا کی ہدایت پر عمل کیا تھا اور کھانے پینے کے دوران جب میں اس سے الگ ہو گیا تھا تو میں نے اس کے بارے میں سوچا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میرے بدن کے رونگٹے بھی کھڑے ہو گئے تھے۔ یہ عجیب و غریب کہانی سن کر وہ انسانی ڈھانچہ جسے انسان تو کہا ہی نہیں جا سکتا تھا یوسف باگا تھا بھی یا نہیں' مجھے تو مسلسل یہ شبہ ہوا تھا کہ وہ صرف ایک ڈھانچہ ہے جو کسی قوت کے زیر اثر بول رہا ہے۔ کیونکہ جو شخص مجھے یہ کہانی سنا رہا تھا اس کی آواز اتنی نحیف اور کمزور نہیں تھی۔ جتنی اس ڈھانچے سے نکلنے





والی آواز کمزور ہونی چاہیئے تھی۔ پھر آواز کا مرکز بھی ذرا قریب کی جگہ معلوم ہوتا تھا یہ بات میں نے اس درمیان سوچی تھی اور یہ احساس بھی دل میں پیدا ہوا تھا کہ کہیں میں خود کسی مشکل میں گرفتار نہ ہو جاؤں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ لینے کے دینے پڑ جائیں اور یہ ساری کہانی ایک عجیب و غریب ڈرامے میں منتقل ہو جائے۔ بہر حال کہانی اس قدر دلچسپ تھی کہ میں اسے سننے کے لیے مجبور تھا۔ چنانچہ میں ایک بار پھر اس ڈھانچے کے سامنے جا بیٹھا اور اس بار میں نے زیادہ غور سے اسے دیکھا درحقیقت اس کی تمام حرکتیں ایسی تھیں کہ وہ مجھے اصل ڈھانچہ نہیں معلوم ہو رہا تھا۔ بس یوں لگتا تھا جیسے کسی طرح اس ڈھانچے کو اس انداز میں پیش کیا جا رہا ہے کہ وہی سب کچھ محسوس ہو لیکن کہانی اپنے طور پر مکمل تھی یوسف باگا ہنس کر بولا۔

"اور ایسے معاملات میں جب تم کچھ سوچتے ہو تو یقین کرو کہ میں انہیں جاننے کے لیے بالکل کوشش نہیں کرتا' لیکن صورت حال میرے علم میں آ جاتی ہے تم درحقیقت جو ڈھانچہ دیکھ رہے ہو وہ میرا نہیں ہے۔"

"ہاں' وہ میرا جسم نہیں ہے بلکہ تم اسے ایک اور جسم کہہ سکتے ہو اور اس کی کہانی الگ ہے لیکن بہتر یہ ہوگا کہ رفتہ رفتہ ہی سب کچھ معلوم کرو۔ میں بے بدن ہوں' کیا سمجھے؟ میرا جسم نہیں ہے اور میں بے جسم ہو کر تمہیں یہ اپنی داستان سنا رہا ہوں۔ تمہیں یوں لگ رہا ہے جیسے بستر پر پڑا ہوا یہ انسانی ڈھانچہ بول رہا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ آواز میری ہے اور جنبش اس کی۔ ایسا کیوں ہے؟ یہ وقت سے پہلے تمہیں نہیں بتایا جا سکتا۔ میرا خیال ہے تمہاری تسلی ہو گئی ہوگی' اگر آگے کی کہانی کے بارے میں تم کہتے ہو کہ اسے مسلسل سننے کے خواہش مند ہو تو ایک بار پھر اپنی اسی خواہش کا اظہار کرو۔"

"جی سر! میں ایک بار پھر اس خواہش کا اظہار کرتا ہوں۔" چند لمحات کے لیے مکمل خاموشی طاری ہو گئی پھر یوسف باگا کی آواز ابھری۔

"ہاں' تو کہانی کو میں نے اسی جگہ سے چھوڑا تھا جب واش روم میں اس شخص نے مجھے تمام تفصیلات بتا دی تھیں اور اب جب میں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اس کی ہدایت پر عمل کر کے زندگی

کے عیش وعشرت سے لطف اندوز ہوں گا تو باہر نکلنے کے بعد میں نے رویہ ہی تبدیل کرلیا۔ وہ خاتون جومیری ماں کی حیثیت رکھتی تھیں اب اٹھ کر بیٹھ گئی تھیں' میں ان کے قدموں میں جا بیٹھا تو انہوں نے کہا۔

''اب زیادہ سعادت مند بننے کی کوشش کر رہا ہے۔ ارے وہ سوتیلے ہیں ہی کہاں؟ تو انہیں سوتیلا سمجھتا ہے' تو تیرا جو دل چاہے سمجھ' اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میں اب بھی یہی کہتی ہوں کہ وہ تیرے بڑے بھائی ہیں' سگے بھائیوں کی طرح۔''

''مجھ سے غلطی ہوگئی تھی۔ میں اپنی غلطی پر شرمندہ ہوں۔'' میں نے کہا اور عمر رسیدہ خاتون نے مجھے سینے سے لگالیا' اس قسم کی فضول باتوں سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی کیونکہ بچپن سے لے کر آج تک میری اپنی ماں نے مجھے سینے سے نہیں لگایا تھا۔ کسی اور ماں کے لمس کو میں اور کیا حیثیت دے سکتا تھا لیکن اداکاری سب کچھ اداکاری اور ان تمام اداکاریوں کے بعد وہ خاتون جن کا نام مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ فرزانہ ہے' میرا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھ گئیں اور بولیں۔

''اس سے مل لے جس غریب نے تیرا کچھ نہیں بگاڑا تھا۔ چل بس اب زیادہ نخرے بالکل نہیں چلیں گے۔''

میں ان خاتون کے ساتھ چل پڑا۔ ان کے ہاتھ کا لمس مجھے عجیب محسوس ہو رہا تھا اور میرے بدن میں گدگدیاں سی ہو رہی تھیں۔ کئی بار میں نے انہیں گہری نگاہوں سے دیکھا تھا اور ان کے سراپا کی ایک تصویر اپنے ذہن میں اتار لی تھی جس کمرے کے دروازے سے مجھے اندر داخل کیا گیا وہ ایک انتہائی وسیع بیڈروم تھا اور اس بیڈروم میں ایک کرسی پر ایک لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ عمر تئیس سال ہوگی' چہرے پر زردی تھی بال بکھرے ہوئے تھے لیکن اس قدر آرٹسٹک شکل تھی کہ ایک لمحے کے لیے میں اسے دیکھ کر دنگ رہ گیا تھا۔ جسمانی طور پر بھی نہایت موزوں' ہاں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ چہرے پر غم کی پرچھائیاں تھیں۔ اس نے آنکھیں اٹھائیں تو کالی سیاہ آنکھوں میں مجھے شکایت نظر آئی۔ وہ مجھے دیکھتی رہی اور میں بھی خاموش اسے دیکھنے لگا۔ میں یہ جائزہ لینا چاہتا





تھا کہ اس کے بعد کیا ہوتا ہے کہ وہی منحوس سرگوشی میرے کان میں ابھری۔

''تیری بیوی ہے یہ' اور اس کا نام عرفانہ ہے۔ کیا سمجھا؟ میرے دانت ایک دوسرے پر مضبوطی سے جم گئے۔ یہ بدبخت میری پشت پر سوار ہے اور ایسے وقت میں سوار ہے جب میں نہیں چاہتا کہ وہ موجود رہے لیکن اس وقت اس نے جو تعاون کیا وہ بھی میرے لیے بڑا حیران کن تھا' اس نے کہا۔

''جو اس وقت تیرے ذہن میں ہے وہ میرے کانوں تک پہنچ چکا ہے۔ ٹھیک ہے اب تک یہ محسوس کیا ہے میں نے کہ تو میرے ساتھ ایمانداری سے کام لے رہا ہے۔ چل اس وقت کے لیے میں تیرا پیچھا چھوڑ رہا ہوں جب تک تو خود مجھے آواز دے کر طلب نہ کرے، کیا سمجھا؟ میری پیٹھ کا بوجھ ہلکا ہوگیا اور اس سے مجھے خوشی ہوئی۔ میرے دل میں پہلی بار ہر چندی کے لیے تھوڑے سے بہتر خیالات پیدا ہوئے تھے اب میں یہ بات تو نہیں جانتا تھا کہ وہ کمرے سے باہر نکل گیا ہے یا نہیں، مجھے اس کی پرواہ بھی نہیں تھی۔ چولہے میں جائے، میں کون سا بہت زیادہ نیک فطرت انسان ہوں اور اب میں نے پوری توجہ اس لڑکی کی جانب مبذول کردی جسے دیکھ کر ہی میرے دل میں گدگدیاں ہونے لگی تھیں۔ کتنا آسان اور سہل حصول ہے اس کا۔ اس سے پہلے شاید ایسی کسی حسین لڑکی کا قرب اتنی آسانی سے نصیب نہیں ہوا تھا۔ میں آہستہ قدموں سے چلتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔ صورت حال کا علم تو مجھے ہو چکا تھا میں نے آہستہ سے اسے آواز دی۔

''عرفانہ!'' لیکن اس نے مجھے جواب نہیں دیا تھا۔ میں نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور آہستہ سے بولا۔

''عرفانہ! ناراض ہو مجھ سے؟ بات نہیں کرو گی۔''

''ہاں! میں تم سے بات نہیں کروں گی۔'' وہ بولی اور میں نے پہلی بار اس کی آواز سنی۔ کیا ہی خوب صورت آواز تھی۔ میرے وجود میں خوشیوں کی ہوائیں چلنے لگیں۔ میں نے اس سے کہا۔

''کیوں؟''

''یہ سوال مجھ سے کر رہے ہو؟''

''عرفانہ! تم۔۔۔۔''

''نہیں، بالکل نہیں۔''

''تم نے، تم نے میرا مان توڑ دیا ہے شعیب! تم یہ بات نہیں جانتے، بولو کیا تم یہ بات نہیں جانتے کہ میں نے ساری زندگی نہایت پاکیزگی کے ساتھ اپنے ماں باپ کی خواہشوں کے مطابق گزاری، کسی کو بھی اپنے دل میں جگہ نہیں دی اور جب میرے ماں باپ نے عزت و آبرو کے ساتھ مجھے تمہارے سپرد کر دیا تو میں نے زندگی میں پہلے مرد کے طور پر تمہیں چاہا۔ اور چاہتی رہی، تمہارے ہر حکم کی تعمیل کرتی رہی۔ مجھے یہ صلہ دیا تم نے۔ بولو قصور کسی اور کا تھا ناراض تم کسی اور سے ہوئے تھے۔ مجھ سے تو تم ناراض بھی نہیں تھے۔ مجھے چھوڑ کر کیوں چلے گئے؟ کیا تم نے یہ سوچا کہ میں تمہارا ساتھ سڑکوں، گلیوں اور بازاروں میں نہیں دے سکتی، میں تمہارے ہمراہ کسی ٹوٹی جھونپڑی میں نہیں رہ سکتی، یا میں تم سے یہ مطالبہ کرتی کہ میرے ساتھ میرے گھر اور اپنے سسرال چل کر رہو، بولو، کیا میں تمہاری انا پر ضرب لگاتی۔ بولو شعیب! اگر زندگی گزارنے کے لیے دولت کا معاملہ تھا تو کیا یہ سب کچھ چھوڑ کر میں تمہارے ساتھ محنت مزدوری کر کے اپنا پیٹ نہیں بھر سکتی تھی۔ جب میں یہ سب کچھ کر سکتی تھی تو اور تمہیں یہاں سے جانا تھا تو مجھے بھی ساتھ لے کر جاتے۔ جیسے تم نے ان سب کو چھوڑ دیا اسی طرح مجھے بھی۔۔۔۔''

''میں۔۔۔۔ میں تو تمہارے لیے آئی تھی شعیب! میں تو یہاں تمہارے لیے آئی تھی۔'' میں دل ہی دل میں ہنس رہا تھا۔ شعیب صاحب پتا نہیں کہاں جھک مار رہے ہوں گے، ان خاتون کی مشکل میرے علم میں آ گئی تھی اور بہر حال زندگی میں بہت سے کھیل کھیلے تھے میں نے۔ ایک بار پھر وہی تصور میرے ذہن میں آیا کہ اتنی حسین اور آرٹسٹک لڑکی اتنی آسانی سے میرے قابو میں آ رہی ہے۔ مجھے ہوش و حواس سے کام لے کر اس کے الفاظ کی روشنی میں جواب دینے چاہئیں تو







میں نے آہستہ سے آگے بڑھ کر کہا۔

''یہی غلطی تو تھی عرفانہ! جس کی وجہ سے اس گھر میں میری واپسی ہوئی، ایک ہی تو قیمتی شے تھی میرے اس گھر میں۔ جسے غصہ اترنے کے بعد میں نے سب سے زیادہ مس کیا اور یہ سوچ کر آ گیا کہ اگر گھر چھوڑنا ہی ہے تو عرفانہ کو اس گھر میں کیوں چھوڑوں؟ اسے بھی اپنے ساتھ لے آؤں۔'' میرے ان الفاظ نے اس پر اچھا رد عمل کیا اس نے گردن اٹھا کر مجھے دیکھا اور بولی۔

''سچ کہہ رہے ہو؟''

''اگر تمہیں میری آنکھوں میں میرے چہرے پر اور میرے الفاظ میں جھوٹ نظر آ رہا ہے تو میں تمہیں اس بات کی اجازت دیتا ہوں کہ اس جھوٹ کی نشاندہی کرو۔''

''تو اتنے دن، اتنے دن تم نے میرے بغیر کیسے گزار لیے؟''

''شدید غصے کے عالم میں تھا، دیوانگی کی حد میں داخل ہو چکا تھا اور دیوانگی کبھی سوچنے نہیں دیتی عرفانہ! میں نے، میں نے شدید جنون کے عالم میں گھر چھوڑا تھا لیکن جب میرا جنون ختم ہوا تو میں نے تمہارے بارے میں سوچا۔ اور پھر مجھے یہ احساس ہوا کہ میں نے عرفانہ کے ساتھ زیادتی کی ہے میں نے دل میں سوچا کہ خاموشی سے تمہیں یہاں سے لے جاؤں لیکن اب، اب یہ لوگ اب یہ لوگ جو معذرتیں کر رہے ہیں، جس صورت حال کا اظہار کر رہے ہیں، وہ میرے قدم روک رہی ہے۔ مجھے تم سے مشورہ بھی لینا تھا عرفانہ۔'' اور جناب کیا عمدہ الفاظ اختیار کیے تھے میں نے کہ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور مجھ سے لپٹ گئی۔ اس کے آنسو میرا سینہ بھگونے لگے اور میرے ہاتھ بس بیٹھے، بہت سی باتیں سمجھنے کے لیے ہوتی ہیں اور تم سمجھ گئے ہو گے کہ میں آگے کیا کہنا چاہتا ہوں۔ بہر حال عرفانہ کا دل صاف کر لیا تھا میں نے اپنی جانب سے اور اس کے بعد اس نے مجھے بتایا کہ کس طرح میری گمشدگی کے دوران لوگوں کی حالت خراب ہو رہی ہے۔ میرے سوتیلے بھائی ریحان صاحب تھے جن کی بیوی فرزانہ تھیں اور بھی کچھ حضرات تھے۔ اصل میں ریحان صاحب کے کسی لفظ پر ناراض ہو کر میں یہاں سے نکل گیا تھا ساری کہانی

کچھ تھوڑی سی کوششوں سے میرے علم میں آ گئی تھی۔ میرے والد صاحب تھے جمیل احمد، جن کا انتقال ہو چکا تھا۔ میں ان کی دوسری بیگم کا بیٹا تھا۔ دوسری بیگم وہی خاتون تھیں جو مجھے دیکھ کر آبدیدہ ہو گئی تھیں اور میرے بھائی ان کی عزت، ان کی سگی ماں کی مانند کیا کرتے تھے۔ میں یعنی شعیب ان سب کا لاڈلا تھا۔ میرے بھائی ریحان نے میرے بارے میں کچھ ایسے الفاظ کہہ دیے تھے جن کی بنا پر میں ناراض ہو کر گھر سے باہر نکل گیا۔ محترمہ عرفانہ میری بیگم صاحبہ تھیں اور ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔'' یہ تھی اس گھر کی کہانی لیکن بدبخت، بدفطرت ہرچندی مجھے یہاں کیوں لایا ہے، میں نے ایک لمحہ کے لیے یہ بھی سوچا تھا اور پھر خود ہی اپنے آپ سے شرمندہ ہو گیا تھا۔ بہرحال ہرچندی نے اپنی طرف سے تو ابتک مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچائی تھی بلکہ زندگی کے یہ پرتکلف لمحات مجھے دیے تھے جو میرے لیے انتہائی اہم حیثیت کے مالک تھے اس کے بعد ایک گھر کے معاملات جس طرح اس صورت میں سامنے آ سکتے ہیں تم اس کا اندازہ کر لو۔ وہی ہوا دن گزر گیا۔ رات کے کھانے پر میری ملاقات ریحان صاحب سے نہیں ہوئی تھی اور محترمہ فرزانہ بھابی نے کہا تھا کہ ریحان کسی کام سے چلے گئے ہیں لیکن انہوں نے مدھم انداز میں مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''اصل میں وہ تمہارا سامنا کرنے سے کترا رہے ہیں لیکن میں تمہیں بتا دوں کہ اب تم ان سے اس سلسلے میں ایک لفظ بھی نہیں پوچھو گے، تمہارے دل میں جو بدی آئی تھی ان کے لیے وہ بالکل غلط تھی شعیب، سمجھ رہے ہو، میں تمہیں ساری تفصیل سمجھاؤں گی اور یقیناً اس وقت تمہیں افسوس ہو گا کہ تم نے اپنے بھائی کے ساتھ زیادتی کی تھی۔'' میری جگہ اگر شعیب ہوتا تو ان الفاظ پر نہ جانے کیا کہتا۔ میرے جوتے کو کیا غرض پڑی تھی کہ میں ان محترمہ سے اختلاف کرتا جنہیں اگر غور سے دیکھا جاتا تو اپنی تھوڑی سی زیادہ عمر کے باوجود کافی دلکش شخصیت کی مالک تھی۔ میں خاموش ہی رہا، محترمہ والدہ صاحبہ کے ردعمل بھی میرے لیے غیر مناسب نہیں تھے اور لطف کی بات یہ کہ چار یا پانچ دن تک میں نے ہرچندی کی منحوس آواز بھی نہیں سنی تھی۔ ان چار پانچ دنوں میں مجھے اس گھر





کے تقریباً تمام معاملات معلوم ہو گئے تھے۔ خصوصاً وہ جگہ، جہاں مولوی رجب حسین رہتے تھے۔ مولوی رجب حسین ہمارے دادا تھے یعنی جمیل احمد صاحب کے والد۔ وہ گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کیے ہوئے تھے اور انہوں نے اپنا ایک حجرہ الگ ہی بنا رکھا تھا، گھر والوں سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ ان کا بس ایک ملازم تھا جو عمر میں شاید ان سے چند ہی دن چھوٹا ہو۔ خود بھی کافی ضعیف تھا۔ وہی ان کے لیے یہاں سے کھانا وغیرہ لے جاتا تھا اور یہ بات ذرا باعث حیرت تھی کہ مولوی رجب حسین نے اب تک میرے پاس آنے یا مجھے دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی بعد میں اس کی وجہ بھی معلوم ہو گئی، وہ تقریباً گوشہ نشین انسان تھے اور باہر کی دنیا سے ان کا تعلق نہ ہونے کے برابر تھا۔ خیر مجھے اس سے کوئی غرض نہیں تھی۔ البتہ چھٹا دن ذرا دلچسپ گزرا۔ پانچ دن تک میں خوب عیش کر چکا تھا اور اس دوران میں نے اپنے ماضی کے بارے میں بھی تنہائیوں میں سوچا تھا میں نے کون سی اچھی زندگی گزاری ہے اب تک، گھر والے میرے بارے میں زیادہ سے زیادہ جان چکے ہوں گے۔ ان لوگوں نے اب میرا تصور چھوڑ دیا ہو گا۔ مجھے بھی ان سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ کسی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی مجھے۔ گھر کو اب میں مکمل طور پر فراموش کر چکا تھا حالانکہ بہت سی بہنوں کا بھائی تھا لیکن میں نے کبھی اس انداز میں سوچا ہی نہیں تھا اور ان لڑکیوں سے مجھے کبھی کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی جو مجھ سے بہت زیادہ محبت کرتی تھیں۔ بس بہنیں تھیں وہ میری اتنا کافی تھا۔ میرے اپنے مشاغل ہی کیا کم تھے کہ میں ان فضول باتوں میں پڑتا۔ چھٹی رات جب میں اپنے بیڈروم کی طرف جا رہا تھا تو مجھے ہرچندی کی سرگوشی سنائی دی۔

''ہمیں تو بھول ہی گئے بچہ جی! ہم یاد ہیں تمہیں۔''

''ہرچندی! میں تمہارا وزن اپنے بند پر محسوس نہیں کر رہا۔''

''ہاں، دیکھ لو دوستی نباہ رہے ہیں، چھ دن کے بعد آئے ہیں اس گھر میں اور چھ دن تک ہم نے تمہیں پوری پوری آزادی دے رکھی ہے اب ذرا سا سین بدل دو۔''

''کیا مطلب؟''

"ارے یہ بتاؤ، اس سسری لونڈیا سے دل بھرا یا نہیں۔" ہر چندی نے پوچھا۔

"خوب صورت لڑکی ہے، اچھی ہے۔"

"اور جو وہ دوسری ہے۔"

"کون دوسری؟"

"ارے وہی جو تمہاری عمر سے کہیں چھوٹی ہے لیکن تمہیں اپنی اولاد سمجھتی ہے۔"

"فرزانہ کی بات کر رہے ہو؟"

"ہاں۔"

"تو پھر؟"

"کمال ہے، کمال ہے یعنی ایک ہی گھر میں قناعت کر لی تم نے۔" میں حیرت سے آنکھیں پھاڑنے لگا۔ اس منحوس بوڑھے کی صورت تو مجھے نظر نہیں آ رہی تھی لیکن اس کے الفاظ میں جو شیطانیت چھپی ہوئی تھی وہ اس وقت میری شیطانی فطرت سے مکمل طور سے ہم آہنگ تھی۔ میں نے حیرانی سے کہا۔

"تم فرزانہ کے بارے میں کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"اگر ہماری بات کھوپڑی میں آ رہی ہے تو ٹھیک ہے ورنہ تو جان تیرا کام جانے۔ ہمیں کیا پڑی ہے ہم تو بس یہ چاہتے ہیں کہ ہر چندی تیرے لیے اس سنسار میں ہی سورگ پیدا کر دے۔ کیا سمجھا؟" ہر چندی کی صورت دیکھتا رہا، پھر میں نے ہنس کر کہا۔

"یار! اس میں کوئی شک نہیں کہ تم کمال کے انسان ہو۔" جواب میں ہر چندی کی کھردری ہنسی سنائی دی۔ اس نے کہا۔

"لے اب یہ اسے سنگھا دینا۔ جو تیرے ساتھ رہتی ہے اس رات وہ آرام کی نیند سو جائے تو زیادہ اچھا ہے۔" میں نے فضا میں ایک بوٹی تیرتی دیکھی۔ عجیب سی چیز تھی۔ میں نے اسے ہاتھ میں لے لیا۔ میں جانتا تھا کہ ہر چندی نے یہ بوٹی میری جانب بڑھائی ہے۔ میں نے کہا۔





"اسے سنگھانے سے وہ بے ہوش ہو جائے گی۔"

"ہاں۔"

"اپنے پاس رکھنا جیب میں اور خود نہ سونگھ لینا کہیں۔ اس کی خوشبو ہر ایک کو چار یا پانچ گھنٹوں کے لیے گہری نیند سلا دیتی ہے۔ ابھی تو تجھے نہ جانے کون سی ایسی چیزیں دوں گا جنہیں دیکھ کر تیری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔ میرا ساتھ دے گا میرے ساتھ رہے گا تو جیون کے سارے عیش کرے گا۔"

"ٹھیک ہے۔"

"تو اب میں چلتا ہوں۔ کل ملوں گا تجھ سے۔" اس نے کہا اور میں نے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی۔ بوٹی میں نے اپنے لباس کی جیب میں رکھ لی تھی اور اس کے بعد میں عرفانہ کے پاس پہنچ گیا۔ عرفانہ میرا انتظار کر رہی تھی، کہنے لگی۔

"کہاں رک گئے تھے؟"

"بس ایسے ہی تھوڑا سا وقت گزارا تھا کسی کے ساتھ۔"

"مجھے کتنی گہری نیند آ رہی تھی۔"

"ہونہہ، چلو سو جائیں۔" میں نے کہا اور وہ مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ پھر اس نے غالباً مذاق میں آنکھیں بند کر لی تھیں لیکن میرا ہاتھ آہستہ آہستہ اس کی ناک کے پاس پہنچ گیا اور چند لمحوں میں، میں نے محسوس کیا کہ وہ گہری گہری سانسیں لے رہی ہے۔ مجھے خود کوئی خوشبو نہیں آئی تھی لیکن کچھ لمحوں کے بعد عرفانہ بالکل بے خبر ہو گئی۔ میں نے بوٹی اس کے پاس سے ہٹا کر واپس اپنی جیب میں رکھ لی اور اس کے شانوں کو جھنجھوڑتا ہوا بولا۔

"عرفانہ!"۔ پھر میں نے دو چار آوازیں اسے دیں۔ اس کے بعد زور سے اس کے بدن میں چٹکی نوچی لیکن عرفانہ نے ذرا سی بھی جنبش نہیں کی تھی۔ کمال کی شخصیت ہے ہر چندی کی بھی۔ اس جیسا دوست مل جائے تو پھر زندگی کے مزے ہی مزے ہیں۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا اور آہستہ

آہستہ چلتا ہوا فرزانہ کے کمرے پر پہنچ گیا۔ یہ بات میرے علم میں تھی کہ میرے بڑے بھائی صاحب یعنی ریحان باہر گئے ہوئے ہیں اور شاید مجھ سے شرمندہ ہونے کی وجہ سے گھر نہیں آئے ہیں۔ بہر حال میں ان کی غیر موجودگی سے مکمل طور پر فائدہ اٹھا رہا تھا۔ دروازے پر میں نے دوسری بار دستک دی تھی تو دروازہ ایک دم کھل گیا تھا۔ فرزانہ شب خوابی کے لباس میں تھی اور اس نے نیند بھری آنکھوں سے مجھے دیکھا تھا۔ پھر ایک دم اس نے گردن جھٹکی اور سنبھل کر بولی۔

''ارے خیریت، آؤ، آؤ اندر آ جاؤ۔ کیا بات ہے؟ کچھ پریشان تو نہیں ہو؟'' اس کے انداز میں بڑی محبت تھی۔ میں نے خاموشی سے پلٹ کر دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ لیکن اس کے چہرے پر حیات کے کوئی نقوش بیدار نہیں ہوئے بلکہ اس نے نہایت محبت سے کہا۔

''آؤ بیٹھو، میں تو یوں سمجھو کہ تقریباً سو ہی گئی تھی مگر اس وقت تمہاری آمد، ضرور کوئی خاص بات ہے؟ کہیں عرفانہ سے لڑ تو نہیں بیٹھے؟'' میں نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور سر سے پاؤں تک دیکھتا چلا گیا۔
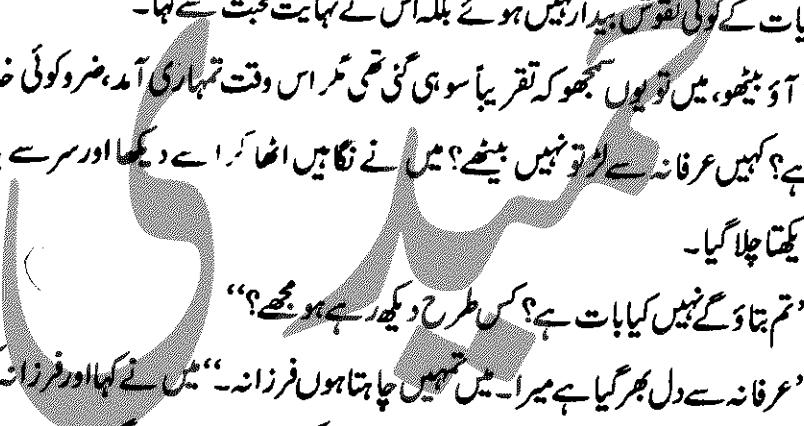
''تم بتاؤ گے نہیں کیا بات ہے؟ کس طرح دیکھ رہے ہو مجھے؟''

''عرفانہ سے دل بھر گیا ہے میرا۔ میں تمہیں چاہتا ہوں فرزانہ۔'' میں نے کہا اور فرزانہ کی آنکھیں حیات سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس کا منہ تعجب سے کھل گیا اس نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

''کسی نے کوئی نشہ پلا دیا ہے تمہیں یا اس دوران باہر رہ کر نشہ کے عادی ہو گئے ہو؟ کیا بکواس کر رہے ہو تم۔ تمہارے الفاظ کا مطلب سمجھ رہی ہوں میں، تم تو مجھے ماں کہتے تھے، کہتے تھے کہ میں تمہاری دوسری ماں ہوں، بھابی پر یہ نگاہ ڈالتے ہوئے تمہیں غیرت نہیں آئی۔''

''یہی تو افسوس ہے کہ تم پر یہ نگاہ ڈالتے ہوئے مجھے غیرت نہیں آئی اور جس بات پر مجھے غیرت نہیں آتی اس سے میں کبھی شرمندہ نہیں ہوتا اور چھوڑو یہ بھابی وغیرہ کا رشتہ، عورت ہو تم صرف عورت ہو اور عورت ہی رہو۔''

''دیکھو اب یہاں سے معاملہ مختلف ہو جاتا ہے۔ اگر تم کسی بری صحبت میں رہ کر کوئی برائی لے



کر یہاں تک آئے ہو تو مجھے معاف کرنا۔ اس برائی میں میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکوں گی۔ خدا نے مجھے اولاد نہیں دی تھی اور یقین کرو، میں نے تمہیں نہ صرف چھوٹا بھائی بلکہ اپنا بیٹا ہی سمجھا۔ سمجھ رہے ہو نا تم؟ تم اتنے برے نہیں ہو سکتے، ضرور تم نشہ میں ہو۔''

''اگر میں نشہ میں بھی ہوں تو یہ نشہ تمہاری قربت سے ہی دور ہو گا۔'' میں نے زیادہ فضول الفاظ برداشت کرنا پسند نہ کیے اور اس پر حملہ آور ہو گیا۔ میں ایک ماہر شکاری تھا اور اپنی بستی میں رہ کر بری صحبتوں میں پڑ کر نہ جانے کتنے شکار کر چکا تھا۔ مجھے شکار کرنا آتا تھا اور اس وقت میں نے پھر شکار کیا لیکن ایک ایسی عورت کا جو کم از کم اپنے دل میں مجھ سے بڑے جذباتی رشتے رکھتی تھی۔ اس کی سسکیاں گونج رہی تھیں اور وہ جس عالم میں پڑی ہوئی تھی وہ بہت عجیب تھا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا اور واپس دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ پھر میں نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ دروازے پر ایک دراز قامت شخص کھڑا ہوا ہے۔ یہ ایک اجنبی چہرہ تھا میرے لیے لیکن اس شخص نے مجھے دیکھا اور پھر اس کی نگاہیں مسہری کی جانب اٹھ گئیں۔

فرزانہ جس حال میں پڑی ہوئی تھی اس حال میں اسے دیکھ کر اس شخص کا منہ حیرت سے کھل گیا اس نے مجھے گھورا اور پھر فرزانہ کو۔ اور اس کے بعد اس کی آنکھیں کبوتر کے خون کی مانند سرخ ہو گئیں۔ وہ دو قدم آگے بڑھا تو فرزانہ نے چیخ مار کر بستر کی چادر اپنے بدن پر کھینچ لی اور پھر زار و قطار رونے لگی۔ تب وہ شخص میری جانب مڑا۔ میں دلچسپی اور بے باکی سے اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔ میں جانتا تھا کہ اگر کھیل بگڑ گیا ہے تو ہر چندی اسے ضرور سنبھال لے گا۔ اس شخص نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''تو، تو نے بدلہ لے لیا مجھ سے۔ تو نے اپنے بڑے بھائی سے بدلہ لے لیا شعیب۔ ایسا بدلہ لے گا تو مجھ سے۔ میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ آہ! تو نے، تو نے شعیب۔۔۔'' میں سمجھ گیا کہ یہ میرا سوتیلا بھائی یعنی شعیب کا سوتیلا بھائی ریحان ہے۔ چنانچہ میں مسکراتا ہوا کمرے سے باہر نکل آیا اور آہستہ آہستہ قدموں سے چلتا ہوا اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ میں جانتا تھا کہ اس

قسم کے اقدامات کا کیا ردعمل ہوتا ہے چنانچہ سب سے پہلے میں نے اپنے کمرے کا دروازہ بند کیا اپنی محترمہ بیگم صاحبہ کو آرام سے گہری نیند سوتے ہوئے دیکھا اور پھر میں نے ہرچندی کو آواز دی۔

ہرچندی کی سرگوشی فوراً ہی میرے کان میں سنائی دی۔

''جب بھی کوئی مشکل ہوا کرے مجھے آواز دے دیا کر' کیا بات ہے؟''

''تجھے ساری کہانی معلوم ہے ہرچندی۔''

''میرا کیا خیال ہے' نہ معلوم ہوگی۔''

''وہ شعیب کا بڑا بھائی ریحان ہی ہے نا؟''

''ہاں۔''

''وہ مجھ پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرے گا۔''

''آرام سے سوجا۔ وہ ایسی کوئی کوشش نہیں کرے گا۔ تو بالکل بے فکر رہ۔ جو کچھ ہوگا کل دن میں ہی ہوگا۔ کیا سمجھا؟''

''ٹھیک ہے' جیسا تو کہے' ویسے مجھے کیا کرنا چاہیے؟''

''میں نے کہا نا تو چنتا مت کر۔ میں تیری حفاظت کر رہا ہوں۔ ارے تو تو میرا آئیڈیل ہے۔ وہ سارے کام تجھے کرنے ہیں جو میرے لیے کارآمد ہوں گے میرا بدن میرا جسم' میرے ہاتھ پاؤں ہے تو۔ تیرے وجود میں ہرچندی اپنے آپ کو سمجھتا ہے۔ تو بالکل چنتا مت کر۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

لیکن دوسری صبح دروازہ کھٹکھٹایا گیا تھا۔ تبھی عرفانہ کی آنکھ کھلی تھی۔ گھڑی دیکھی تو کافی وقت ہو گیا تھا۔ عرفانہ پر اس بوٹی کے اثرات تھے لیکن اب وہ اثرات ختم ہو گئے تھے۔ اس نے مجھے بھی جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

''شعیب' شعیب اٹھو گے نہیں؟ کیا ہو گیا آج ہم دونوں کو؟ ایسا لگتا ہے جیسے رات کے کھانے میں نشہ کی کوئی چیز کھا لی ہو' ایسی گہری نیند آئی کہ سوتے ہی رہے۔ ذرا دیکھو تو سہی' کیا وقت ہو گیا





ہے اور یہ کون پاگل دروازہ بجا رہا ہے؟ میں دیکھتی ہوں۔'' اور اس کے بعد عرفانہ اٹھ کر دروازے کی جانب چل پڑی۔ دروازہ بجانے والی ایک اور بھابی تھی میری جو شکل وصورت میں زیادہ اچھی نہیں تھی اور اس کی جانب میں نے ابھی تک کوئی توجہ ہی نہیں کی تھی بلکہ کہنا یہ چاہیے کہ اس نے خود بھی میری جانب توجہ نہیں کی تھی اس کی آنکھیں انگارہ ہو رہی تھیں۔ اس نے میری صورت دیکھتے ہوئے کہا۔

''سچی بات تو یہ ہے کہ تمہارے ساتھ وہی سلوک ہونا چاہیے تھا جو ہوا ہے کیا سمجھے؟ سمجھ رہے ہو نا تم' وہی سلوک ہونا چاہیے تمہارے ساتھ۔ وحشی شیطان۔''

''کیا ہوا بھابی کیا ہوا؟'' میرے بجائے عرفانہ نے پوچھا۔

''تم آؤ بڑے کمرے میں آ جاؤ' جو ہوا ہے تمہیں پتا چل جائے گا۔''

''میں آ رہی ہوں لیکن آپ مجھے بتائیے تو سہی۔''

''آ جاؤ' امی جان نے سب کو بلایا ہے۔ آپ بھی تشریف لائیے جناب شعیب صاحب۔''

''حاضر ہو رہے ہیں۔'' میں نے تمسخرانہ انداز میں کہا اور وہ محترمہ بھابی صاحبہ چلی گئیں۔

''کیا ہو گیا اس ہری مرچ کو؟'' میں نے عرفانہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''خدا جانے لیکن حد سے آگے بڑھ رہی ہیں۔ ایک بات تم سے کہوں شعیب! اب کسی سے دبنے کی ضرورت نہیں ہے ان لوگوں نے تو ہمیں مذاق ہی سمجھ رکھا ہے اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہیں یہ لوگ کیسے الفاظ استعمال کر رہے ہیں اور اماں جان سے بھی کہہ دوں گی میں کہ بس بہت زیادہ شوہر پرست بننے کی کوشش نہ کریں۔ دوسروں کے بھی شوہر ہیں ارے ہاں' ایک مرتبہ مجھے تنہا کر دیا بالکل شوہر پرستی میں۔ مرحوم شوہر کے احکامات پر عمل کرتی ہیں تو کرتی رہیں۔ بابا ہمیں تو زندہ رہنے دیں چلو منہ ہاتھ دھو کر چلتے ہیں۔''

ہم دونوں اس عظیم الشان کمرے میں پہنچ گئے جو بہت وسیع تھا صوفوں پر لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ کئی نئی شکلیں تھیں۔ غالباً میرے بھائی تھے ان میں سے دو یعنی ریحان کے علاوہ' اس کے علاوہ

ایک بہت ہی عمر رسیدہ بزرگ بیٹھے ہوئے تھے جن کی داڑھی ان کے سینے تک لٹک ہوئی تھی۔ بھوؤں تک کے سفید تھے ہاتھ میں ہزارہ تسبیح تھی۔ جس کے دانے گردش کر رہے تھے اور وہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑا رہے تھے میں عرفانہ کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ ایک صوفے پر فرزانہ سر جھکائے بیٹھی تھی اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک ٹپک کر اس کے دامن میں جذب ہو رہے تھے دوسری طرف ریحان صاحب آگ بگولہ بنے بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھے سب ہی نے دیکھا اور میں خاموشی سے ان کے درمیان پہنچ گیا۔

''کیا بات ہے؟ میری طلبی تو اس طرح ہوئی ہے جیسے کسی مجرم کو عدالت میں پیش کیا جاتا ہے۔''

''کیا واقعی یہ سچ ہے' حالانکہ میں نے ہمیشہ فرزانہ اور ریحان پر آنکھیں بند کر کے بھروسا کیا ہے۔ ان کے کچھ بتانے کے بعد مجھے کچھ پوچھنے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی لیکن پھر بھی میں تجھ سے پوچھ رہی ہوں۔ عرفانہ ہٹ جاؤ اس کے پاس سے یہ بدکار' بدفطرت اور کمینہ شخص ہے۔ روتی رہی ہوں میں اس کے لیے اتنے دنوں۔ اپنے بچوں کے بارے میں سوچتی رہی ہوں کہ انہوں نے سوتیلا پن اختیار کیا ہے' مگر نہیں! تو واقعی کمینہ ہے۔ ذلیل اور بے غیرت ہے' بول کیا سن رہی ہوں میں۔ کیا ہوا تھا تجھے؟ کیوں یہ جنون سوار ہوا تھا تجھ پر' بتانا چاہے گا۔'' میرے کانوں میں ایک ہلکی سی آواز ابھری۔ یہ ہرچندی کی آواز تھی۔ مجھے اطمینان ہو گیا ورنہ میں سوچ رہا تھا کہ اس بات کا کیا جواب دوں۔

☆……☆……☆

''بے بدن'' کے بقیہ حالات جاننے
کے لئے دوسرا حصہ ''تشنہ تن'' پڑھیئے